رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی

سیاسی زندگی

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ
استاذ قانون جامعہ عثمانیہ (دکن)

ناشر
دارالاشاعت مولوی مسافرخانہ کراچی

135158

اس تالیف کی اشاعت کے
جملہ حقوق مؤلف نے ہم کو
عطا فرمائے ہیں

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

باسمہ سبحانہ

عرضِ ناشر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر چھوٹی بڑی تصانیف اتنی ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی آسان نہیں، اس باب کے کسی حصے اور کسی شعبے میں ایک مسلمان کا نام درج ہو جانا ہی اس کی بڑی سعادت ہے، ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اس نے ہمیں اس باب کے ایک اچھوتے موضوع پر بہترین تصنیف شائع کرنے کی توفیق بخشی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نمونہ ہدایت لے کر تشریف لائے، اور ہر شعبے کے وہ اصول و فروع بتلائے جن کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی اسی طرح آپ سیاست کے بھی امام اور نمونہ ہیں، اس کتاب میں آپ کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے،

اس کے مؤلف ملک کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ قدیمہ کے ساتھ علوم جدیدہ میں بھی دستگاہِ کامل عطا

فرمائی ہے، اور جن کی پانچ چھ زبانوں میں تالیفیں اہل علم میں معروف ہیں، خود یہ کتاب اپنے مصنف کے کمالات کا آئینہ ہے، ہم ڈاکٹر صاحب کے بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے ہم کو اس مبارک کتاب کی اشاعت کا موقع عطا فرمایا، فجزاهم الله تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء،

محمد رضی
ناظم دار الاشاعت کراچی
۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

Marfat.com

فہرستِ مضامین

سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱	عرضِ مؤلف	۹
۲	رسولِ اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے	۱۱
۳	مواد اور ماٰخذ	۲۳
۴	بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کی حالت	[illegible]
	ا - چین	۲۹
	ب - ہند	۳۰
	ج - ترکستان	۳۱
	د - رومی و ایرانی	//
	ہ - حبش	۳۳

Marfat.com

سلسلہ	مضمون	صفحہ
۵	عرب اور مکہ کا انتخاب دعوتِ اسلام کے مرکز کے طور پر	۳۳
٦	مکے کی حالت ولادت باسعادت سے قبل	۳۸
۷	ختم المرسلین کے لئے آپؐ کے انتخاب کی وجہ	۴۸
۸	ولادت باسعادت	۵۲
۹	نو عمری	۵۸
۱۰	نوجوانی	٦۳
۱۱	تجارت کا مشغلہ	٦۷
۱۲	شادی خانہ آبادی	۷۳
۱۳	سماجی اور شہری زندگی	۷۸
۱۴	آفتابِ رسالت کا طلوع	۸۵
۱۵	نبوت کا مکی دور	۹۱
۱٦	تبلیغِ رسالت	۹۷
۱۷	رسولِ اکرمؐ کا تبلیغ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا	۱۰۸
۱۸	قریش سے تعلقات	۱۱۴
۱۹	ا ۔ صلح [illegible]یہ کی فتح مبین	۱۱۵
	ب ۔ فتح مکہ سے انسانیت کی فتح بہیمیت اور شیطانیت پر	۱۳۰
۲۰	حبشہ اور عرب	[illegible]
۲۱	اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کی نئی دست[illegible]	[illegible]

Marfat.com

صفحہ	مضمون	سلسلہ
۱۹۹	مکتوباتِ نبوی کے دو اصول (مقوقس اور منذر کے نام)	۲۲
۲۴۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصرِ روم کے نام	۲۳
۲۵۴	عربوں کے تعلقات بیزنطینی حکومت سے	۲۴
۲۸۶	عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات	۲۵
۳۰۸	عہدِ نبوی میں یہود	۲۶
۳۵۵	عام قبائلِ عرب سے تعلقات	۲۷
۳۹۶	ارتداد و بغاوت	۲۸
۴۰۱	عہدِ نبوی کی سیاسی دستاویزیں	۲۹
۴۰۳	امہات المومنین ازواج مطہرات نبوی اور بین الاقوامی عصبیتوں کا دور کیا جانا	۳۰
۴۱۵	بعثتِ نبوی کے وقت چند عالمگیر گتھیاں اور ان کا اسلامی حل	۳۱
۴۲۶	انسانیت کا منشورِ اعظم (خطبۂ حجۃ الوداع)	۳۲
۴۴۴	خلافتِ نبوی کے بعض اصول (دو شاہاں در اقلیمے)	۳۳
۴۷۱	اشاریہ	۳۴

Marfat.com

زمانہائے تالیف

اس مجموعے کے مختلف مضمون مختلف زمانوں میں لکھے گئے تھے، اور جب تک زمانہ تالیف معلوم نہ ہو شاید ناظر کو بعض جگہ اُلجھن ہوگی، بہر قدیم مضمون کی البتہ اشاعت کے وقت مکرر نظر ثانی کر کے ترمیم و اضافہ ضرور عمل میں آیا ہی، (مؤلف)

۱۔ عرض مؤلف، خصوصی — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۲۔ سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے — ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

۳ تا ۱۵۔ "مواد و مآخذ" سے "نبوت کا مکی دور" تک — ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء تا ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

۱۶۔ تبلیغ رسالت — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۱۷۔ عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰

۱۸۔ صلح حدیبیہ — ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

۱۹۔ فتح مکہ (برموقع ساڑھے تیرہ سو سالہ سالگرہ فتح مکہ) ۲۲ رمضان — ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

۲۰۔ عربی حبشی تعلقات — ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۱۔ مکتوب نبوی بنام نجاشی — ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

۲۲۔ مکتوبات نبوی کے دو اصول — ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

۲۳۔ خط قیصر روم — ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۴۔ عربوں بیزنطینیوں کے تعلقات — ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۵۔ عربی ایرانی تعلقات — ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

۲۶ تا ۲۹۔ "عہد نبوی میں یہود" تا "عہد نبوی کی سیاسی دستاویزیں" — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۳۰۔ امہات المومنین — ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

۳۱۔ عالمگیر گتھیاں — ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

۳۲۔ انسانیت کا منشور اعظم — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۲۳۔ دو شاہاں در اقلیمے — ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد للہ حق حمدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی من بعدہ وعلیٰ آلہ ایضاً وصحبہ۔

چاہے خواہش و تمنا رہی ہو، ہمت نہ تھی کہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات پر کوئی چیز لکھی جائے۔ متقدمین پر کیا اضافہ کرتا، "سیرت النبی" (شبلی و سلیمان ندوی) جیسی ضخیم و مبسوط چیزیں ہماری زبان میں آچکی ہیں۔ اور اوسط یا قلیل ضخامت کی کتب سیرت بھی ان متاخرین نے بھی خلعت کے لئے کم گنجائش چھوڑی ہے۔

حالات ایسے پیش آتے کہ سیرت پاک کا مطالعہ روزافزوں ہی کرنا پڑا۔ وقتی ضرورتوں سے اس پر کچھ لکھا بھی، لیکن لکھتے وقت کبھی خیال نہ آیا کہ وہ خود لکھنے والے خود بخود ایک بڑی کتاب کے باب بنتے جا رہے ہیں۔ میں اس طرح بجائے مستند اور سوانح پاک لکھنے کے ملک دار و قوم دار لکھتا رہا۔ اور گزشتہ پندرہ بیس سال سے ایسی چیزیں مختلف علمی رسالوں میں متفرق طور پر شائع

کے مقابل ایسی چیزیں جلد عام دسترس سے باہر ہو جاتی ہیں۔ خیال ہوا کہ ایسے چند مقالوں کو یکجا کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہو۔ اور کسی کو نہیں تو خود مجھے وقتاً فوقتاً کسی مواد یا حوالے کی تلاش میں اس سے سہولت ہو۔ مباحث کی تکمیل کے لئے ایک دو باب البتہ تازہ تالیف اور غیر مطبوعہ بھی شامل ہیں۔

جن رسالوں میں پہلے یہ مضمون نکلے ہیں ان کی اجازت حاصل کرنی اخلاقی طور پر ضروری ہے۔ حالات نے اس کا موقع نہ دیا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس نیک کام اور لٹریچر نفع عام کو وہ بھی خوشی سے منظور کرتے ہیں۔

ناشر کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے کہ ان کے خیال میں ملک میں جس کی مانگ ہو۔ غرض، مؤلف، ناشرینِ ابتدائی، ناشرِ حالی، ناظرین سب کے لئے سیرتِ بابرکتِ نبوی کا مطالعہ و خدمت باعثِ سعادت ہے۔

ایک چیز اس طرح کے مجموعے میں ناگزیر ہوتی ہے، کہ ایک ہی بات بعض وقت متعدد ابواب میں تکرار پا جائے۔ ایک باب یعنی مضمون لکھتے اور شائع کرتے وقت یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ کوئی کبھی دوسرے ابواب بھی ساتھ ہی پڑھے گا۔

اگرچہ چند ابواب بے جوڑ سے ہو گئے ہیں مثلاً بعض مکتوباتِ نبوی کے اصول کی صحت و جعل کی بحث۔ مکتوب کے مرسل الیہ کے حالات جتنی تفصیل سے یہاں لئے گئے ہیں اس کے پہلو میں صرف مکتوب کے اصل نسخے پر اتنی بحث کھٹکتی ہے۔ لیکن عذر یہی ہے کہ یہاں چند متجانس مقالات کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ کوئی مستقل تالیف نہیں۔ نہ ہی سیرتِ پاک پر کوئی جامع و مکمل کتاب۔ اور یہ میری دانست میں کسی ایک انسان کے بس کی چیز بھی نہیں۔

بہرحال جتنا بضاعتِ مزجاۃ۔ زہے نصیب اگر کسی کے کچھ کام آئے۔ الغرض زندگی وفا کرے اور وسائل فراہم ہیں تو خدمتِ سیرت [illegible] (ح ح ا)

رسول اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے؟

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی اللَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

نبی اور رسول کا تصور مختلف قوموں، زمانوں میں مختلف ہوگا۔ بہر حال اشرف المخلوقات میں سے بھی اس اشرف ترین مخلوق کا تصور مسلمانوں میں یہ رہا ہے کہ وہ انسان کامل ہے۔ یہ کاملیت ظاہر ہے کہ صرف اچھے انسانی پہلوؤں کے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو ہی بڑے شعبے ہیں۔ ایک معاش اور دوسرے معاد۔ دوسرے الفاظ میں ایک تو انسان کے تعلقات انسان اور دیگر مخلوقات کے ساتھ۔ اور دوسرے انسان کے تعلقات اپنے خالق و مالک جل شانہ کے ساتھ۔ پہلی قسم میں اعلیٰ ترین مرتبہ حکمرانی ہے تو آخر الذکر میں عقائد و عبادات کے متعلق رہنمائی یعنی پیغمبری۔

رسول عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیک وقت یہ دونوں کمالات حاصل تھے۔ آپ کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کا استقصا طویل عمل ہے۔ اس جلد میں آپ کی صرف اول الذکر یعنی سیاسی زندگی کا مطالعہ پیش نظر ہے۔

لیکن ہر سنجیدہ طالب علم اور ذاتی غور و فکر کرکے ذمہ دارانہ اور مستقل رائے قائم

کرنے کے خواہش مند کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اسلام کی سیرت یعنی سوانح حیات و تعلیمات کا مطالعہ اب بھی کیوں کیا جائے جب کہ آپ کی وفات پر ساڑھے تیرہ سدیاں گذر چکی ہیں، علوم وفنون میں بے انتہا ترقی ہو چکی ہے، متمدن قوموں کے ماحول اور تصور حیات میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے، اور آپ بھی ہمارے جیسے ہی ایک انسان تھے؟

اصولی حد تک تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسانی تمدن و ثقافت کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت" لیکن اس طرح نہیں کہ ادھیڑبن کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ "کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا" جاری رکھا جائے، بلکہ اس طرح کہ تعمیر سابق پر تعمیر جدید کا اضافہ ہوتا رہے ظاہر ہے کہ قدیم و جدید دونوں عمارتوں کا مالک متمول تر ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس کے قبضے میں صرف کوئی ایک قدیم یا جدید عمارت ہو۔ البتہ یہ سوال ایک تفصیلی جواب چاہتا ہے کہ خاص محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (روحنا فداہ) کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے اور اس غرض کے لئے کسی اور کا کیوں نہیں؟

مسلمانوں کا دعویٰ اپنے رسول و ہادی کے متعلق تو یہ ہوگا ہی کہ آپ ہی کی ذات والاصفات ہے جس نے ایسے زمانے میں مبعوث ہو کر جب کہ دنیا جہالت و گمراہی کے انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی اس کو ایک مرتبہ پھر انسانیت صحیحہ کے سیدھے راستے پر کھڑا کر دیا۔ آج بھی جب کہ ہم مختلف وجوہ کی بنا پر ان ایام جاہلیت سے قریب تر ہو رہے ہیں تو صرف اس شمع ہدایت سے اکتساب ہی ہماری نجات کا حقیقی باعث ہو سکتا ہے۔

لیکن ذاتی عقیدے سے قطع نظر، ایک جویائے حق طالب علم اور ایک غیر جانبدار منصف مزاج مقصد و مورخ کو اس سوال کے جواب میں جو کہنا ہے اس میں بعض باتیں صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں، بعض باتیں دوسروں سے متعلق ہیں۔ اور بعض باتیں دونوں سے مشترکہ طور پر متعلق ہیں۔

مسلمانوں کے لیے آپ کی سیرت جو اہمیت رکھتی ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ امر مسلّمہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ہر قول کی طرح آپ کا ہر فعل بھی قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سنتِ نبوی سے بھی واجبات، مستحبات، مباحات، مکروہات وغیرہ قائم ہوتے ہیں۔ یوں تو کسی مسلمان کی زندگی اسی وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہو۔ لیکن خود قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر سنتِ نبوی کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اُسے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ اس سے سنتِ نبوی یا صحیح و مسلّمہ سیرت کی حیثیت بھی جزوِ قرآن نہیں تو کم از کم ضمیمہ قرآن اور تتمہ قرآن کی سی ہو جاتی ہے۔ ایسی چند آیتوں کی طرف یہاں توجہ منعطف کرائی جاتی ہے:۔

(۱) ما اٰتاکم الرسولُ فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

"جو آنحضرتؐ تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔"

(۲) لقد کان لکم فی رسول اللہِ اُسوۃٌ حسنۃ

"آں حضرتؐ تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہیں۔"

(۳) ما ینطق عن الھوٰی اِن ھو الّا وحیٌ یُوحیٰ

"آنحضرتؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا ہی کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔"

اِن اور دیگر آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پیشوائے اعظم سردار دو عالم کا قول، آپ کا فعل اور جن چیزوں کو آپ نے اپنے صحابہ میں روا و برقرار رکھا اُن سب پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خود احکام قرآنی پر۔

غیر مسلموں کے لئے رسولِ عربی کی سیرت کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ جب ایک شخص ہم سے یہ بیان کرے کہ میں تمھارے فائدے کی کچھ بات کہنا چاہتا ہوں، تو کون عقلِ سلیم رکھنے والا ایسا ہے جو اُس بات کو سُننے ہی سے انکار کردے۔ آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی میں جب پہلی مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ میں تمام عالموں کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں، اور میرے لائے ہوئے دین اسلام کے بغیر دنیا اور آخرت کی بھلائی حقیقت میں حاصل نہیں ہوسکتی تو اس پر اوچھی طبیعت رکھنے والوں نے ٹھٹھول شروع کیا اور مخالفت پر اُتر آئے۔ سنجیدہ لوگوں نے اس کی برخلاف یہ پوچھا کہ دین اسلام کس کو کہتے ہیں، اور آپ کی رائے میں ہم کیا کرنا چاہئے۔ پھر جواب اور توضیح پر ٹھنڈے دل سے غور سے کیا، اور جس کی رائے میں بات معقول تھی اُس نے اِس دین کو قبول کرلیا۔ ہادیٔ عالم کے اقوال و افعال اور آپ کا پیش کیا ہوا دین اب تک محفوظ و موجود ہیں۔ اور محض آثار قدیمہ کی رقی سے ہاتھی بنانے اور قیاس آرائی و خوش عقیدگی کی ضرورت نہیں۔

اس کی کچھ تشریح بے محل نہ ہوگی۔ اور دیگر ادیان و مذاہب کی مقدس والہامی کتابوں میں سے گوتم بُدھ کے صرف اقوال ملتے ہیں کوئی کتاب نہیں۔ اور یہ اقوال بھی بروقت قلمبند نہیں ہوتے تھے۔ ہندو مذہب میں پُران اسمرتی، وید کئی چیزیں ہیں۔ لیکن یہ سب ہزاروں برس صرف سینہ بسینہ چلتی رہیں۔ آخر تدوین ہوئی بھی تو

Marfat.com

ایک ہی شخص کے حافظے کی بنا پر۔ توریت کی اصل بھی ناپید ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ وہ دنیا سے ناپید ہو گئی۔ اور محض حافظوں سے اس کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اور اب جو نسخے ملتے ہیں اُن میں باہم ہزاروں الفاظ و آیات کے متعلق اختلافِ روایات پایا جاتا ہے۔ اس میں کی بہت سی چیزیں لاپتہ ہیں۔ بہت سے اجزاء کے متعلق صاف نظر آتا ہے کہ وہ بعد کے اضافے ہیں۔ (مثلاً حضرت موسیٰ ؑ کی طرف منسوب کتاب میں خود اُن کے وفات پانے کا ذکر وغیرہ) انجیل کا حال یہ ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ ؑ نے کبھی نہیں لکھوایا (اگر لکھوایا ہے تو وہ اصل انجیل اب لاپتہ ہے۔) جو چیز اب ملتی ہے وہ اُن کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا چشم دید گوش شنید بیان ہے کہ اُن کے پیغمبر اس طرح پیدا ہوئے، زندگی بھر فلاں طرح رہے، فلاں وقت فلاں بات کی وغیرہ۔ گویا یہ سوانح عمری ہے کوئی الہامی کتاب اور ربانی ہدایت نامہ نہیں۔ ایک مزید بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی ایسی سوانح عمریاں یا انجیلیں بھی بکثرت تھیں۔ اور لازماً اُن میں بڑا اختلاف بھی تھا۔ ایک مرتبہ ان سب کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر ہلایا گیا اور جو گر پڑیں وہ الگ اور جو نہ گریں وہ الگ کر لی گئیں۔ اور اس طرح آج کل کی مروجہ چاروں انجیلیں صحیح قرار پا کر اختیار کر لی گئیں۔ اور باقی تلف کر دی گئیں۔

اب قرآن مجید کو دیکھئے، جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی، ابتدائے نبوت ہی سے رسول اکرمؐ اس کو فوراً لکھوا دیتے رہے۔ اور کاتبوں کو یہ بھی ہدایت کرتے کہ فلاں آیت کا مقام تاحال نازل شدہ قرآن میں فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد ہے۔ اس کو ساتھ ساتھ بہت سے صحابہ زبانی بھی نماز کی ضرورتوں سے یاد کرتے جاتے تھے۔ اور یاد کی ہوئی چیزوں کو رسول اکرمؐ کو سنایا بھی کرتے تھے۔ لوگ تحریری نقلیں بھی لیا کرتے تھے۔

Marfat.com

جب آں حضرت ؐ کی وفات ہوئی تو چند ماہ بعد ہی خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عہد نبوی کے سرکاری کاتبین وحی کی ایک کمیٹی مقرر کی کہ پورا قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں لکھا جائے۔ اور ہدایت دی کہ ہر ہر لفظ و آیت کو علاوہ حفظ کے دو دو تحریری ثبوتوں کے بعد درج کیا جائے۔ عہد نبوی کے آخر میں کامل قرآن کے کم سے کم چار پانچ حافظ تھے، جن میں ارکان مجلس تدوین بھی شامل تھے۔ اور متفرق سورے جن کو یاد تھے اُن کی تعداد ہزاروں تھی۔ اس احتیاط سے تدوین ہونے اور پھر آئندہ بھی حفاظ کا سلسلہ اب تک جاری رہنے سے قرآن مجید اس قدر صحت کے ساتھ اب تک محفوظ ہے کہ کسی اور بانیٔ مذہب کی الہامی کتاب اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچی۔

غرض ہم ایک ایسی شخصیت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس کے عام حالات بھی تفصیل سے محفوظ ہیں، اور جس کی تعلیم کی اساس یعنی اس پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو و بجنسہٖ محفوظ و موجود ہے، اس کے مندرجات کے متعلق کوئی چھوت چھات بھی نہیں کہ اجنبیوں کو پڑھنے بلکہ سننے سے بھی روکا جائے۔ بلکہ ایک صلائے عام ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھے۔ اور بطور خود اپنے لئے فیصلہ کرے کہ وہ اس کو قبول کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور جو قبول نہ کرے اس کے لئے بھی صاف حکم ہے کہ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں) اور پھر یہ قرآن وہ ہے جو فصاحت میں ہومر اور ڈیماسیتھنس کے، قانون سازی میں جسٹی نین کے، فی الدنیا حسنۃ میں کانٹلیا کے، فی الآخرۃ حسنۃ میں گوتم بدھ کے، ادب احترام سلف میں کنفوشس، کے چیلنج کا جواب تھا۔ اور اس کا اپنا یہ چیلنج ہے کہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" اس نے مرکز گریز اولادِ آدم و حواؑ کو دوبارہ مرکز کشی کی تعلیم دی۔ اور اللہ میں فطری

مساوات اور امتیازی فضیلت (اعمال صالح کی بنا پر) قائم کی۔ اور جملہ سابقہ مذاہب کا احترام و اعتراف کرتے ہوئے اُن کے مقابل اپنی حیثیت صرف یہ بیان کی کہ یہ ایک تجدید صداقت اور بنیادی و ابدی اقل قلیل مذہب ہے۔

ہر کسی کے لئے

چند بنیادی اصول و حقائق سے خود فیصلہ کر لینا ممکن ہے۔
اسلام کا اصل اصول یہ ہے کہ فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ (یعنی دنیا میں بھی اچھے رہیں اور آخرت میں بھی، دیکھنا یہ ہے کہ دنیوی معاملات میں آنحضرت ﷺ کی حیثیت اور ہماری زندگی میں ہمارے لئے کیا سبق ہیں۔

دنیا میں یک حیثیتی بڑے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے۔ لیکن اگر ہم مثلاً سکندر اعظم اور نپولین و ہٹلر کو لیں تو اُن کی زندگی صرف ایک سپہ سالار جنگ اور فاتح کے لئے مفید مواد مطالعہ کے لئے پیش کر سکتی ہے۔ گوتم بدھ کی زندگی ریاضت و عبادت میں خصوصی دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ہی سبق آموز ہو سکتی ہے۔ ہومر صرف ایک شاعر تھا۔ افلاطون و ارسطو صرف حکیم و فلسفی تھے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اُن کی کوئی بڑی وقعت نہیں۔ اس کے برخلاف رسولِ عربی ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ اُس کی ہمہ جہاتی حیثیت، قول و فعل کی یکسانی تعلیم میں ناقابل عمل مثالیت کی جگہ معتدل عملیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر زندگی ہی میں کامیابی کے لحاظ سے ایک بے نظیر چیز ہے۔ سیاسی حیثیت کو لیجئے تو آپ نے دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کے تراج (لاحکومتی) بلکہ جہاں زیادہ خود سر خانہ بدوش قبائل میں خانہ جنگیاں ہی رہا کرتی تھیں، ایک بڑی مستحکم اور بڑی مملکت قائم کر دی۔ بہ حیثیت سپہ سالار کے آپ کی لڑائیوں میں فریقین

کے بمشکل چند سو آدمی مارے گئے۔ لیکن دس سال کے عرصے میں تقریباً بارہ لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت ہوگیا۔ اور عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسی حکومت قائم ہوئی جو پورے جزیرہ نما کو حلقہ بگوش بنا سکی۔ اور یہ آنحضرت ؐ ہی کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ عرب جیسی گم نام اور جاہل قوم نے بین الممالک تعلقات میں پہلا قدم رکھا تو کیمبرج کے ایک عیسائی مورخ کے الفاظ میں اُن سے زیادہ "مہذب وحشی" کبھی فتوحات کے لئے نہیں نکلے تھے۔ اور فتوحات کی وسعت اور گہرائی کا جو ریکارڈ انھوں نے قائم کیا ہے وہ اب تک کسی قوم سے توڑا نہیں جا سکا ہے۔ چنانچہ دس ہی سال میں انھوں نے عراق، ایران، فلسطین، شام، مصر، طرابلس تونس، ترکستان، اور آرمینیا کو زیر کرلیا۔ یہ سب علاقے قریب قریب آج بھی خالص اسلامی علاقے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کی زبان تک عربی ہی ہوگئی ہے۔

انتظامی حیثیت سے جس ملک میں کبھی کوئی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی تھی اس میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے باوجود آنحضرت ؐ نے جو دستورِ مملکت مرتب اور جو نظام حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دنیا کی ایک عظیم الشان مملکت کے نہ صرف ہر طرح کار آمد و کافی ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی۔ گاندھی جیسی کٹر ہندو بھی اُسے انسانیت کا دورِ زریں سمجھتا اور کانگریسی ہند و حکومتوں کو مشورہ دیتے رہے کہ اسی کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔

عمرانی حیثیت سے تقسیم و گردش دولت کا اصول رسول اکرم ؐ کے ہر ایک حکم میں نظر آتا ہے۔ تقسیم ترکہ، تحدید وصیت، ممانعتِ سود و اکتنازِ دولت

اور جائداد پر محصول (زکات) وغیرہ کی طرف اشارہ کافی ہے، جن کا اصول یہ تھا کہ دولت صرف مالداروں میں نہ گھومتی رہے۔ اور مال والوں سے لئے ہوئے محصول سے حکومت اپنے مُلک کے جملہ محتاجوں کو روٹی مہیا کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھے اور اشتراکیت و سرمایہ داری کے تصادم کو (جو آج بے دین دنیا میں رُونما ہے) پیش بینی کر کے شروع ہی میں حل کر دیا اور روک دیا۔

عورت، مزدور اور غلام کی حیثیت کے متعلق بھی پیغمبر اسلام کی تعلیم معتدل اور اسی لئے مفید و قابلِ عمل ہونے میں بے مثل ہے۔

سماجی اور اخلاقی حیثیت سے آپ نہ صرف ایک اچھے معلّمِ اخلاق تھے، بلکہ ایک نادر بات یہ تھی کہ آپ اپنی تعلیم کی سب سے پہلے خود تعمیل کرتے اور دوسروں کو جتنا حکم دیتے اس سے زیادہ خود عمل کر کے اوروں کے سامنے زندہ نمونہ پیش فرماتے تھے۔ ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، اور حاکم، ایک تاجر، ایک انسان کی حیثیت سے آپ کا کردار اتنا بے داغ ہے کہ دشمن بھی اس کو سراہنے کے بغیر چارہ نہیں دیکھتے۔ علاوہ اور اسلامی اصلاحات کے بت پرستی شراب اور جوے، سٹے کی ممانعت مسلمانوں کی ایسی خصوصیت ہے کہ باقی دنیا بھی اب خواہی نہ خواہی اُس کو ماننے پر مجبور سی ہو چلی ہے۔

دنیا میں بہت سے معلم، ہادی اور پیغمبر آئے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی کو اپنی زندگی میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جو نبی عربی ﷺ کو ہوئی۔ سنہ ۱۰ھ میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مسلمان تھے، جو مُلک کے ہر حصے سے آئے تھے۔ آنحضرت ؐ نے دنیا میں جو دین پیش فرمایا اس نے اپنے

Marfat.com

لئے خود بخود جگہ پیدا کرلی۔ چین میں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی۔ مگر چین کے کروڑوں مسلمان اور ہندوستان کے روز افزوں نومسلم اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ اسلام کی اندرونی کشش کتنی ہے۔ وہ آپ ہی تھے کہ تعصبات سے بھری دنیا میں برملا فرما گئے کہ نسل، رنگ یا زبان سے کسی انسان کو دوسرے پر کوئی فوقیت بالکل نہیں حقیقی فضیلت نکوکاری اور خداترسی ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو)۔ آپ نے اسلام کے اصول پر جس زور سے عمل کرایا اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام پست قومیں اسی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی رہی ہیں۔ اسلام سے زیادہ مساوات کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ اور مثلاً رنگ و زبان کے متعلق فطرت کی تنوع پسندی کو بے اثر بنانے میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب و مسلک کو کامیابی نہیں ہوئی انسانی آبادی کے ہر گروہ کی اپنی الگ تاریخ، الگ تعصبات، الگ روایات ہیں۔ اور انسان کو اپنے محسنوں یا بزرگوں کے احترام سے روکنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ۔ آسان اور مفید طریقہ یہی ہے کہ پُرانے روایات اور تعصبات و تخیلات کو چھیڑے بغیر (اگرچہ اس کو ایک نیا پس منظر، ایک نئی رُخ میں رواں دواں کرکے) کچھ نئی چیزوں کے احترام اور اوروں سے زیادہ احترام کی تعلیم دی جائے، اس کے بغیر مرکز گریز اولادِ آدم و حوّا کو دوبارہ ایک مرکز پر آنے کے لئے آمادہ کرنا ممکن نہیں۔

یہودیوں کو اپنے ہمعصروں میں واحد موحد قوم ہونے وغیرہ کی بنا پر ناز تھا۔ اگرچہ باقی دنیا میں وہ ملعون تھے۔ اسلام نے برملا اعتراف کیا کہ فَضَّلْتُکُمْ

عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (خدا نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی)، عیسائیوں کو اپنے بانیٔ مذہب کی بعض خصوصیتوں پر ناز تھا۔ جس سے باقی ساری دنیا کو انکار تھا۔ قرآن نے اس کو بھی قبول کیا کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللّٰہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ (وہ اللہ کے رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے) لیکن ان دونوں قوموں کو بتایا کہ محض پدرم سلطان بود کافی نہیں۔ عمل کے متعلق خدا کا حساب وکتاب فرداً فرداً ہر ایک انسان سے ہوگا۔ جس خدا نے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو کچھ خصوصیت ولا[illegible]ت نوازا اسی خدا نے ان سابقہ انبیاء کی تعلیمات کے صحیفوں کے حوادث زمانہ کا شکار ہو کر تلف ہو جانے کی وجہ اپنی وفور نوازش سے انسانوں پر ان تعلیموں کی پھر تلقین و تجدید کرنے کے لئے ایک اور نبی بھیجا۔ اور جب تک اس نبی کی تعلیم محفوظ و موجود ہے کسی مزید نبی کی ظاہر ہے کہ کوئی ضرورت نہیں۔

[illegible] انبیاء بنی اسرائیل ہی نہیں، ان سے قبل اور ان کے بعد کبھی وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کہہ کر دیا کہ ہر قوم کا [illegible] آدم سے [illegible] آنے والے رسولوں میں سے ایک [illegible] جن کا نام بھی لیا اور یہ بھی فرمایا ورسلا قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک [illegible] کسی سے رنجش کی وجہ نہیں۔ اس حیثیت سے بھی آپ رحمۃ للعالمین [illegible] ثابت ہوئے۔

مذہب [illegible] ایک [illegible] عبادت گاہوں [illegible] کا اجارہ داری بن گیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ نہیں اَلدِّیْنُ [illegible] ہر ایک فرد انسانی کا [illegible] ہے۔ اور ایک بنیادی مذہب ایک [illegible] تجویز کیا کہ

انسان مہدیاکم از کم سن رُشد سے لحد تک اپنے آپ اس کا ذمہ دار رہے۔ اور وہ مذہب
امن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً (اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے اور عمل صالح
کرتا رہے) اور لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق
ہی ذمہ داری ہے)

یہ سب ایک طرح سے دنیوی پہلو تھا۔ اسلام کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ دنیا و
دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی چاہتا ہے۔ روحانی ترقی، اور تزکیۂ نفس کے لئے
توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ تصور میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص خدا کو ایک مان لے
اور خیر و شر میں اُس کے سوا کسی اور کی قدرت نہ سمجھے، اور حشر و حساب کو مان لے تو پھر
اس دنیا میں گناہ کا سرزد ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے ایمان
کی پختگی اس کے اعمال میں ہویدا رہتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکات اور جہاد فی سبیل اللہ
ایسے احکام ہیں جن سے انسان فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔ جس میں مذلل
حکمی کی صلاحیت ہی نہ ہو (مثلاً فرشتہ) اور وہ کسی کل کی طرح بے اختیار حرکت کرتا
چلا جائے تو نہ وہ ثواب کا مستحق اور نہ عذاب کا مستوجب۔ جس میں خیر و شر کی بہ یک وقت
قدرت ہو اور وہ اپنی قوتِ ارادی و اختیار سے کام لے کر صرف خیر پر عمل کرے تو یقیناً
اشرف المخلوقات کہلانے کا اسی کو حق ہو سکتا ہے۔

یہی چیزیں نتیجہ ہیں سیرت پاک کے مطالعے کا۔ اور یہی چیزیں ہیں جو سیرت پاک
کے مطالعے کی دعوت دیتی ہیں۔ 135158

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

Marfat.com

مواد اور ماخذ

مختلف اشخاص کی سوانح عمریاں مختلف قسم کے ماخذوں اور مواد کی مدد سے مرتب ہوتی ہیں۔ مواد کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم، بعض وقت تو کسی زبان کی کوئی کہاوت، کوئی ضرب المثل یا کوئی تلمیح ہی اپنے ہیرو کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بادشاہ ہو، کوئی ممتاز سیاسی شخصیت ہو، کوئی کاریگر یا پیشہ ور ہو، کوئی عامی یا فلسفی ہو، کوئی شاعر و ادیب ہو، کوئی درویش و صوفی ہو، کوئی نیک شخص ہو، کوئی بد شخص ہو، عقلمند ہو، بے وقوف یا سادہ لوح ہو، غرض ہر ایک قسم کی شخصیت الگ الگ نہج سے کام کرنے پر مجبور کرے گی۔ اگر کسی معمار کی سوانح عمری کا تکملہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنائی ہوئی عمارت کی فنکارانہ اور معاشی و دیگر حیثیتوں سے جانچ کی جائے تو کسی قائد و مصلح کی قیادت میں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے اثرات کتنے گہرے، کتنے دیرپا، کتنے وسیع ہوئے۔ اور اگر کوئی بہت سی حیثیتوں کا جامع رہا ہو تو سوانح نگار کا کام بھی پھیل جاتا ہے۔ پھر ولادت سے لے کر وفات تک جسمانی حیثیت سے کیسے گذری، دماغی ارتقاء کیا ہوا، گھریلو زندگی، پبلک زندگی، احباب سے برتاؤ، دشمن سے سلوک، اور اس کے متعلق اس کے اپنے خیالات، نیز غیروں کے تاثرات بھی دلچسپ دریافت کا سامان ہیں۔

کسی پیغمبر کی حیات طیبہ کا کام جہاں باعث سعادت ہے وہیں مشکلات سے لبریز بھی ہے۔ وہاں مادی اور عام مسائل سے بھی سابقہ ہوتا ہے اور وحی و معجزات سے بھی۔

Marfat.com

دنیا میں کسی پیغمبر ہی نہیں، کسی بھی انسان کے حالات اتنے گوناگوں نہیں ہونگے جتنے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ سیرت پاک کے مواد اور ماخذوں کا سرسری اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ آپ کے اپنے اقوال واحکام (۲۳) سالہ پیغمبرانہ زندگی میں جس مقدار میں زبان سے نکلے اُن کا مختصر و محدود حصہ جو محفوظ رہا اور ہم تک پہنچا ہے وہ بھی ہزاروں ہی نہیں لاکھوں حدیثوں کی صورت رکھتا ہے۔ اگر آپ کے افعال اور آپ کی ایسوں میں روا رکھی ہوئی چیزیں بھی لے لی جائیں تو سنت کا یہ مجموعہ بیسیوں مجلدات میں آتا ہے۔

کسی شخص سے ملنے والے سینکڑوں چیزیں بیان کر سکتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف عقیدت مند ہی سنہ ۱۰ھ کے حج کے موقع پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ تھے اس سال حج کو نہ آنے والے خانہ نشینوں کی تعداد یقیناً اس سے کئی گنا زائد ہوگی۔ ماہرین حدیث نے لکھا ہے کہ صحابہ کا وہ حصہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث مروی ہے ایک لاکھ سے زائد تعداد رکھتا ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے شاہدان میں اتنے کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملیں گے! آنحضرت سے ملنے والوں میں آپ کے بزرگ یا خورد، رشتہ دار ہیں، گھر والے ہیں، ملازم ہیں دوست ہیں، اتفاقی ملاقاتی ہیں۔

آپ کی ۶۳ سالہ واقعات سے پُر زندگی میں نہ معلوم کتنے خطوط آپ کو لکھنے پڑے ڈھائی تین سو تو تاریخ نے عہد نبوت کے متعلق اب بھی محفوظ کیئے ہیں۔ صرف اُنھیں کے لیئے کب لکھا، کس کو لکھا، کیوں لکھا، کیا لکھا، نتیجہ کیا ہوا، وغیرہ بن کی ضخیم جلدوں کا طالب ہوگا۔

Marfat.com

معلومات کا ایک اور اہم ماخذ ہمعصر شعراء کا کلام ہے۔ اُن کے اشعار سے کہ اشارات کی توضیح و تشریح، شاعر کی پرکھ، قوتِ فیصلہ اور قوتِ اظہار اور دیگر بہت سے امور اس سلسلے میں لحاظ میں آتے ہیں۔

بیرونی لوگوں کے ہمعصر سفر نامے ہیں۔ بیرون میں آپ کے حالات کی جو اطلاعیں پہنچیں اُس کے بیرونی مورخوں کے ہاں تذکرے بھی ہیں۔

پھر آپ کی دی ہوئی اور پیش کی ہوئی تعلیم ہے۔ اس مشن کا مقصد، اس کی تکمیل کے لئے اختیار کی ہوئی تدبیریں، ان وسائل و تدابیر کا اثر و نتیجہ اور اثرات کا استحکام و دوام پائیداری اُن اثرات کی رفتہ رفتہ ترمیم و تبدیل و تجدید کے وجوہ و اسباب سے بحث کی ضرورت ہوگی۔ اور چونکہ کسی ایک زمانے کو سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر کو جاننا ضروری ہوتا ہے اور انسانیت ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے آغاز عہد رسالت میں جس درجے پر پہنچ چکی تھی، اس کو بھی شامل کر لیں۔ اور کام پھیلا کر جامع بنانا چاہیں تو ایک طرح سے ایک واسع قدسی صفات کی زندگی کے لئے ابتدائے آفرینش سے نفخ صور تک کی انسانیت کی تاریخ پر تبصرہ کرنا پڑے گا۔ خاص کر اس شخصیت کے متعلق جس کی نسبت عقیدہ ہے کہ لولاک لما خلقت الافلاک۔

کسی شخص کے بہت سے کارناموں کی صحیح اہمیت کے لئے کیفیت کی جگہ کمیت دیکھنی پڑتی ہے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں سب کے اعداد ملا کر کہتے ہیں کہ ایک کروڑ آدمی مارے گئے۔ اور ۱۹۳۹ء کی جنگ میں چار کروڑ۔ مگر تاریخ عالم میں ان کی وہ اہمیت نہیں جو جنگ بدر کی ہے جس میں فریقین کے مجموعی طور سے مارے جانے والوں کی تعداد دسو بھی نہیں ہے۔ اسی طرح کسی ارب پتی راک فیلر کا ایک کروڑ روپیہ خیرات کر دینا یا مرتے وقت

Marfat.com

وصیت کرنا کردار کی وہ عظمت نہیں رکھتا جو چند سو روپے کا چندہ دینے والے کا جس سے یہ پوچھا گیا تھا کہ اس چندے کے بعد گھر میں کیا رکھ چھوڑا ہے تو جواب ملا تھا۔ کہ "بس صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت" مزید برآں بہت سے واقعات اس وقت تک پوری طرح یا تو سمجھے ہی نہیں جا سکتے یا اُن کی صحیح قدر و قیمت نہیں معلوم ہو سکتی جب تک اُن واقعات کے پیش آنے کے مقام کا جغرافیہ، معاشی و سیاسی حالت وہاں والوں اور اس واقعے میں حصہ لینے والوں کی نفسیاتی کیفیت اُس مقام کے ماحول اور رہنے والے کی داخلی اور اثر انداز حالتیں اور دیگر بہت سے امور کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ اوروں کے حالات سے مقابلہ بھی ایک مزید پہلو ہے۔

لکھنے والے کی عقیدت، اہلیت، سہولت، حالات کی مساعدت، وسائل کی فراہمی وغیرہ کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔

ایک ہی واقعے سے مختلف ذہن، مختلف نتائج کا استنباط کرتے ہیں۔ سیرتِ نبویہ اس وقت دنیا کی ہر مہذب زبان میں ملتی ہے۔ اور بعض زبانوں میں ہزاروں کتابیں اس ایک موضوع پر ملتی ہیں۔ اگر مکررات کو حذف بھی کر دیں تو بھی ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص پہلو اہمیت رکھتا ہے۔ صرف آپ کی جنگوں ہی کو لیجیے کوئی اُن کا ذکر کہانیوں کے طور پر کرتا ہے۔ کوئی فن حرب کی تاریخ میں اُن کو جگہ دینے کے لئے اُن کا بیان کرتا ہے۔ کوئی قانون بین الممالک کے قواعد جنگ کی نظیروں کے لئے اُن کا مطالعہ کرتا ہے۔ کوئی عرب سپاہی کی نفسیات، قوت برداشت، بہادری، موقع محل سے استفادے کی اہلیت وغیرہ کا مواد اُن میں تلاش کرتا ہے۔

جس مقام پر کوئی شخص زندگی گذار چکا ہو، وہاں عرصہ دراز تک اس کے متعلق

Marfat.com

تاثرات، کہانیاں اور کہاوتیں پائی جاتی ہیں جن میں حذف اور اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔
اتنی قسم کی اور اتنی کثیر چیزوں کی موجودگی میں سوانح نگار کیا کرے؟ ان ہزاروں پہلوؤں میں سے ایک آدھ پر اکتفا کئے بغیر چارہ نہیں۔ اگر اس میں بھی کچھ کامیابی ہو جائے یعنی کسی کو اس میں کچھ کام کی چیز ملے تو فبہا۔ ورنہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنے ذاتی استفادے ہی کے لئے ہے اور بس۔

بعثتِ نبوی کے وقت دُنیا کی حالت

دنیا میں بُرائی اور گناہ کو فن لطیف بنا دینے والے بھی اور قوم کی حالت پر کُڑھنے اور دردمند دل رکھنے والے بھی ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ بُرائی اور اخلاقی پستی جتنے بڑے طبقے میں پھیلتی اور شدت اختیار کرتی ہے اُتنے ہی بڑے کردار کے مُصلح کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیائے سلف کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک قوم، کسی ایک بستی میں بُرائی کو بھلائی سمجھنے لگنا عام ہوتا تھا۔ اور باقی دنیا ایک حد تک گوارا کرنے کے قابل کردار رکھتی تھی۔ اور نبی بھی خاص مقام کے لئے روانہ کئے گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عہدِ نبوی کے آغاز پر دنیا کے کس کس مُلک میں مصلح کی ضرورت تھی۔ ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہونے کے باوجود روز افزوں پھیلنے والی نسل انسانی قدیم زمانے میں ذرائع معیشت کی ضرورتوں سے جب اپنوں سے بچھڑتی اور نئی نئی جگہ جا بستی تو پھر اپنے مرکز سے تعلق رکھنے کی ضرورت یا موقع کم ہی پیش آتا تھا۔ ایک تو ذرائع حمل ونقل کی کمی تھی۔ دوسرے ہر مقام اپنی ضرورتوں کے لئے جو زیادہ تر غذا، لباس وغیرہ پر مشتمل ہوتیں، خود اکتفا ہوتا۔ یہ نہ تھا کہ آج کل کی طرح ہر کوئی اپنی کسی نہ کسی ضرورت کے لئے

دوسروں کا محتاج ہو، کہیں غلہ نہ ہو، کہیں روئی نہ ہو، کہیں لوہا، کہیں کوئلہ یا پٹرول نہ ہو، کہیں کاغذ کا مواد نہ ہو۔ اس کا نتیجہ تھا کہ قدیم زمانے میں بین الاقوام اور بین الممالک تعلقات ناپید سے تھے۔ ناگزیر نبی اور مصلح بھی قومی ہوتے تھے۔ (عالمگیر اور بین الاقوامی نہیں) اور ان کی تعلیم کسی بربری، کسی غیر بنی اسرائیل، کسی غیر آریہ سے متعلق ہی نہ ہوتی تھی۔ انسانیت میں بین الاقوامی امتزاج رفتہ رفتہ ہی پیدا ہوئی۔ اور عہد نبوی کے آغاز پر اس کا عبوری دور اس حد تک گذر چکا تھا کہ مہات پسند عرب تاجر ایک طرف حبش و مصر و شام کو تو دوسری طرف چین و ایران و ہند کو کارواں سے جایا کرنے لگے تھے۔ بڑے بڑے جہاز بنانا اور زمین کے سلاسے ملانا انسان سیکھ چکا تھا۔ ناگزیر اب نبی بھی مختص المکان، اور مختص الزمان ہونے کی جگہ ایسا ہونا ضروری تھا جو معتدل اور مستقل تعلیم دے۔ سرد ممالک ہوں یا گرم، شہری باشندے ہوں کہ خانہ بدوش، سب کو ایک مرکز سے دوبارہ جوڑنا اور سب کے لئے بنیادی مذہب لانا ممکن ہو۔ تعلیم میں مستحب اور نفل کی تھوڑی سی لچک ضرور رہے۔ لیکن اقل قلیل فرائض بنیادی مذہب کا کام دے سکیں، اور وہ سب ہی کے لئے یکساں ہوں۔ یونان کسی زمانے میں حکمت اور فصاحت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لئے حکمت اور فصاحت کے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ روما نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا تھا۔ اور رسول عربی کی ولادت سے پانچ ہی سال پہلے مرنے والے شہنشاہ جسٹی نین نے رومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ انجام دے کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندیوں نے کچھ، مصریوں نے کچھ، ایرانیوں نے کچھ، ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر ان کی برتری مسلم ہو چکی تھی۔ اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن

Marfat.com

کی صحت مند بالیدگی کے لئے اِن پنپنے والے مواقع کو دُور کر دیا جائے۔ اور انسان کو عقل فکر، نظر، بصر، سمع، تفقہ، تدبر، شعور، علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے۔ ان عطایاتِ فطری کو معطّل کر لینا، اسے انفرادی جواب دہی، سزا و جزا سے بھی علٰحدہ کر لینا فی الحقیقت اطاعت شعار فرشتوں اور سرکش شیطانوں سے الگ ایک احسن تقویم والی مخلوق کے پیدا کرنے کی غرض کو فوت کر دینا ہے۔ ان تمہیدی نکات کے ساتھ دنیا کے بڑے ممالک کی عام حالت سے جو بعثتِ نبوی کے وقت تھی، ضروری واقفیت حاصل کر لینی چاہئے۔

چین چین نے اقصائے مشرق میں اپنی صلاحیتوں کے معراجِ کمال کا مظاہرہ اپنے مصلح کونگ فوت سیو (کنفوشیوس) (زمانہ ۵۵۱ تا ۴۷۹ ق م) کی صورت میں کر دیا تھا۔ عہد نبوی کے آغاز پر وہاں عجیب حالت تھی۔ کنفوشی نظام پارہ پارہ ہو چلا تھا۔ ہند کا بدھ مت وہاں گھسنے اور ایک عبوری دور پیدا کرنے کا باعث بنا ہوا تھا۔ مثلاً ہن (Huns) خانوادے کی حکومت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی۔ اور اس کی جگہ وئی (Wei) وو (Wu) اور شو (Shu) کی تین حکومتیں کیا قائم ہوئی تھیں کہ خانہ جنگیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چھڑ گیا اور ملک کو انسانیت کی کسی خدمت کے ناقابل بنا چکا تھا۔ مگر ملکی فتنے پر مستزاد تاتاریوں، ہسیونگ نو اور تبت والوں کے حملے تھے۔ عرصہ دراز کے افتراق کے بعد خانوادہ سوئی نے ۵۸۹ء تا ۶۱۸ء تیس سال کے قلیل عرصے کے لئے ملک میں بہت کچھ وحدت پیدا کی۔ مگر ہجرت نبوی سے دو سال پہلے ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر تانگ خانوادہ برسر اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ حالت کچھ سُدھری۔ اور ملک میں امن اور یک جہتی تو پیدا ہوئی مگر ہم چو من دیگرے نیست کا

Marfat.com

ترقی سوز جذبہ انھیں کچھ سیکھنے میں مانع ہی رہا۔ (تفصیلات انسائکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ میں)

ھند ہند میں ایک ہزار سال قبل مسیح آریہ قبائل آگھسے تھے۔ جات پات کے نظام، مظاہر پرستی کی سطحیت کے تحت کروڑوں دیوتاؤں کی ایجاد، رہبانیت اور ترک دنیا کو انسانیت کا کمال سمجھنے کا جذبہ تو اسی طرح کی چیزیں اُسے پوری انسانیت کی اجتماعی زندگی کی خدمت کے ناقابل بنا چکی تھیں۔ کنفوشیوس کے ہمعصر زمانے میں گوتم بدھ نے برہمنوں کی مراسم پرستی کے خلاف احتجاج کر کے ایک دوسری انتہا پسندی کی تعلیم دی۔ علاج صحیح تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ عارضی ضرورتوں کے لئے تھا۔ چند دن وہ پھلا پھولا۔ مگر ایک تو معتدل حالات کے لئے اس میں ٹھوس بنیادیں نہ تھیں دوسرے بدھ مت اور برہمنیت کی کشمکش ایک دوسرے پر عارضی فتح کے بعد بالآخر بدھ مت کو بڑے مظالم کے بعد ہند سے خارج کر دینے کا باعث بنی۔

عہد نبوی سے پہلے ہند پر وسط ایشیا کے سفید خان (Huns) خانوادہ کی حکومت تھی۔ مگر ولادت نبوی سے پانچ سال پہلے ۵۶۵ء میں دریائے جیحوں پر اس حکومت کو شکست ہوئی، تو ہند پر سے بھی اس کا تسلط جاتا رہا۔ پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرش (زمانہ ۶۰۶ تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام، بنگال، نیپال، مالوہ، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کئے۔ مگر ۶۲۰ء میں ہجرت نبوی سے کچھ پہلے اس نے دکن کا رُخ کیا تو چلوکیا خاندان کے راجہ پلی کے سن دوم نے اُسے دریائے نربدا پر شکست دے دی۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنا لیا تھا۔ اس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔

Marfat.com

چلو گیا والوں نے ہرش کو شکست تو دی، مگر کابجی ورم کے پلوا والوں کے ہاتھ خونریزی تباہ ہو گئے اور ان کی سلطنت پنپ نہ سکی (ماخوذ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ)

ترکستان یہ بڑا مردم خیز خطہ ہے۔ مگر سنہ عیسوی کی سات صدیوں تک یہاں کی حالت کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ عہد نبوی کے ہمعصر خان (Huns) تبت پر چھا گئے تھے۔ اور مغربی ترکوں کی مدد سے براج رہے تھے۔ مگر ان میں نہ کوئی تمدن تھا اور نہ خودغرضی کے سوا انسانیت کی خدمت کے لئے ان میں کوئی بلند مطمح نظر ہی۔

(انسائکلوپیڈیا برٹانیکا)

رومی و ایرانی یونان تو کبھی کا ختم ہو چکا تھا اس کی جگہ یورپ میں رومی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مگر جب وہ مشرقی و مغربی دو حصوں میں بٹ گئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کے زمانے میں مغربی رومیوں پر جرمن وغیرہ وحشی قبائل ٹوٹ پڑے اور پایہ تخت روما کے بھی مالک بن گئے تھے۔ ان ان پڑھ وحشیوں نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے نجات کے مذہب یعنی عیسائیت کو قبول کیا تو غیر عیسائیوں سے زیادہ بے رحمی اور بے اصولی دکھائی گئی۔ ادھر مشرقی رومی حکومت قسطنطنیہ کے صدر مقام سے ہمسایہ ایرانیوں کے ساتھ صدیوں تک آویزش میں مبتلا رہی۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں سے مصر و شام وغیرہ تک چھین لے تھے۔ اور قرآن نے غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ کا اعلان کیا۔ مگر سنہ ھ یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں نینوا (موصل) کے میدان میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور ایران سنبھل ہی نہ سکا

Marfat.com

قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطینی) اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جب کہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ و تاراج کر دیا تھا، تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابلِ بیان تھے۔

چنانچہ حضرت مسیح میں صرف خدائی طبیعت کا ہونا یا خدائی اور انسانی ہر دو طبیعتوں کا پایا جانا یا دو طبیعتوں مگر ایک مشیت کا پایا جانا وغیرہ نظریے فرقہ بندی پیدا کر رہے تھے اور ہر فرقہ اتنا تنگ نظر تھا کہ دوسرے کی زندگی تک کا روادار نہ تھا۔ یہ ایک دوسرے پر اتنے مظالم کرتے رہے کہ جب حکمران فرقے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو دوسرے فرقوں کے عیسائی دل و جان سے ان اجنبی غیر مذہب والوں کو خوش آمدید کہتے اور ان کو مدد دیتے رہے۔ اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا اُن کو غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت رہنے سے کہیں زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ (انحطاط و زوال روما مؤلفہ گبن)

یہی حال ایران کا تھا۔ مزدکیت کی دولت اور عورت میں اباحت پسندانہ اشتراکیت نے عرصے تک ملک کو نہ صرف خانہ جنگی میں مبتلا رکھا بلکہ ملک کے اخلاق کو ناقابلِ اصلاح طور پر تباہ کر دیا تھا۔ حد ہو گئی کہ مزدک نے بھرے دربار میں شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ یہ تیری ملکہ بھی صرف تیری نہیں ہے بلکہ اس سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے۔ اور اس پر نہ اُسے غیرت آئی اور نہ یہ شرمائی۔ پھر نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے باپ کے عمل کو اُلٹ دیا۔ اور اب آتش پرستی نے مزدکیت کے خلاف وہ وہ ظلم ڈھائے کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اسی زمانے میں رسولِ اکرم ؐ کی ولادت ہوئی۔ مگر جیسا کہ ہم نے دیکھا رومیوں نے ایرانیوں کو کچھ ایسی زک دی تھی کہ وہ پنپ نہ سکے۔

(کرستن سین، تساسانی)

حبش 7 حبش بھی کافی بڑا علاقہ تھا اس نے ایرانیوں سے یمن کو چھین لیا تھا مگر جب یہ شمالی عرب میں بڑھے تو ولادت نبوی کے سال یہ "اصحاب الفیل" تباہ کھا کر بوئے کھو کھلے دانوں (عصف ماکول) کی طرح ختم ہو گئے۔ اور جلدی ہی عہد نبوی میں ان کی حکومت عرب میں بھی اور خود حبش میں بھی خانہ جنگیوں وغیرہ میں پھنس کر بیکار و معطل ہو گئی۔ اور مسلمان مہاجرین ہمیشہ خود حبش کی ان خانہ جنگیوں سے پریشان رہے۔

غرض اس زمانہ میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا کسی جگہ بلند اخلاق عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پرور ی نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہے۔ اور ملک وار، قوم وار، نسل وار، اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے۔ اور تمام انسانی دنیا کے لئے ایک "بنیادی مذہب" پیش کیا جائے جو زمان و مکان کے فرق سے بالا اور جاتیوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو۔ اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض و غایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔

عرب اور مکہ معظمہ کا انتخاب
دعوت اسلام کے مرکز کے طور پر

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام ہی دنیا کی حالت اصلاح طلب تھی تو انسانی اصلاح کی دعوت کا مرکز کہاں ہو؟

جغرافی وجہ پرانی دنیا کے نقشے پر نظر ڈالئے تو نظر آجائے گا کہ ایشیا، یورپ افریقہ اور اوقیانوسیہ کے براعظموں میں جزیرہ نمائے عرب کو

ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ مرکز بھی ایسا کہ ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی وہاں سے افریقہ اور یورپ بہت قریب ہیں۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانے کے متمدن ترین علاقے یعنی یونان، مصر، روما سے بھی مرکزیت تھی، جس نے عرب کے بھی مرکز مکہ معظمہ کو ناف زمین کا نام دلا دیا تھا۔

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے۔ اور ہر جگہ پہنچنا مرکز ہی سے سہل ترین ہوتا ہے۔ آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا وہ اب مسلم ہے۔ سرد ممالک والوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی، زرخیز ممالک والوں کی تمدنی ترقیاں وغیرہ مسلمہ قانونِ قدرت پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک بہت ہی محدود رقبے کے اندر مکے کی وادیٔ غیر ذی زرع، طائف کی رشکِ شام و روم خنکیاں، مدینے کی زرخیزی وغیرہ کا ایسا اجتماع حجاز میں عمل میں آیا کہ اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ایشیا، یورپ، اور افریقہ سے طبعی مماثلت کے ساتھ ساتھ عرب میں ان تینوں براعظموں کے سیاسی مفادات بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت پوری قوت سے اثر انداز تھے۔ قسطنطنیہ کے رومیوں نے شمالی عرب پر، ایرانیوں نے شرقی، اور حبشیوں نے جنوب مغربی عرب پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور عرب تینوں براعظموں کا سنگم اور عمل و ردِ عمل کا مرکزی نقطہ بنا ہوا تھا۔

عمرانی وجہ تاریخ عالم پر محض ایک سرسری نظر سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وحشیت و بدویت کے بعد ہی کسی قوم کا ارتقا، اور اس کے ہاتھوں انقلاب آفریں کارنامے انجام پاتے ہیں۔ اور عروج و تمدن کے زمانے میں کسی قوم میں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اپنی آپ اصلاح نہیں کر سکتی، بلکہ جلد ہی انحطاط و زوال کے

Marfat.com

ذریعے سے اس کار ہنمایانہ وجود دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی متمدن قوموں کو عموماً وحشیوں اور بدویوں ہی نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود مغلوب کر لیا، روما شہنشاہی کو جرمنوں نے، چینیوں کو ترکمانوں نے جس طرح زیر کیا، وہ دنیا کو معلوم ہے۔ عہد نبوی کی متمدن دنیا کو صحرائے عرب کے بدویوں کے ذریعے سے مجبور کرنے کی ضرورت تھی۔

کوئی ملک پوری طرح حضری اور متمدن زندگی گذارنے لگے تو اس میں زندگی پیدا کرنے والے نئے پیوند کا لگنا اندرونی وسائل سے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر خانہ بدوش بدویوں کے ماحول میں کہیں کہیں شہری زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہوں تو ایسا علاقہ وقتاً فوقتاً صحرانشینوں کو اپنے اندر کھینچ اور جذب کر کے تازہ قوت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بات عرب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

نامعلوم وجوہ سے دنیا کے تین حصے بڑے نسل رکش ہیں، صحرائے گوبی، جرمنی کا کالا جنگل اور عرب۔ سینکڑوں ہزاروں سال سے انھیں علاقوں سے اجتماعی ہجرتوں کی موجیں اٹھتی رہی ہیں۔ اور آس پاس کے علاقوں پر چھا جاتی رہیں۔ کیوں کہ خود ان کے اپنے اندر آبادی کی تیز ترقی کی تو قوت ہے۔ لیکن آبادی کی پرورش کے لئے غذا وغیرہ کے وسائل بہت کم ہیں۔ یہ بات جو عرب کو حاصل ہے دنیا کے مرکز میں ہونے کے باعث مزید اہمیت پیدا کر دیتی ہے۔

عرب خاص کر حجاز میں اب تک کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اب تک اپنی ذہنی قوتیں کسی کام میں خرچ نہ کی تھیں۔ اور ان کی توانائیاں سب محفوظ بلکہ لبریز تھیں۔ نپولین کے استنباط کے مطابق سینکڑوں سال سے خانہ جنگیوں اور بے امنیوں کے باعث ان میں جفاکشی، جاں فروشی، صبر و ضبط، تندی، سادگی اور اسی طرح کے

دیگر بلند کردار جو ترقی کناں قوموں کے لئے درکار ہیں، خوب پرورش پا چکے تھے۔ بعض دیگر وجوہ سے بات کا پاس، خودداری، عزتِ نفس بھی اُن میں مستحکم تھے۔ صحرائی زندگی اور کھلی فضا میں پرورش کے باعث اُن کی بصارت، سماعت، اور دیگر حواس بھی شہریوں کے مقابل غیر معمولی طور پر تیز تھے۔ لکھنے پڑھنے کا (گنتی کے چند بیس آدمیوں کو چھوڑ کر تو) چونکہ کوئی رواج نہ تھا اس لئے حجازیوں کے حافظے بہت زبردست تھے۔ غذا میں سادگی، صحرا کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ اور برسوں میں بھی کوئی بیمار نہ ہوتا تھا۔

زراعت پیشہ لوگوں میں جو وابستگی وطن بلکہ زمین زدگی ہوتی ہے، اس کے باعث اُن کا بہمات پسند ہونا، وطن سے کسی بھی لمبے دور دراز مقام پر جانے پر آمادہ رہنا، اور اسی طرح کے مستعدی کے دیگر امور ممکن نہیں۔ صنعت و حرفت میں بھی زمین زدگی کافی ہوتی ہے۔ صرف تجارت پیشہ ہی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو سفر و سیاحت کی ترغیب بھی پاتے اور اس پر مجبور رہ کر اس کے عادی بھی ہو جاتے ہیں۔ مکہ والوں کی بستی قرآنی الفاظ میں "بن کھیتی" کی وادی ہے۔ یہاں زراعت تو کیا صنعت و حرفت کے لئے بھی کوئی سہولت نہیں۔ اور تو اور غذا تک کی درآمد کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگوں کی مستعدی اور تیار باشی کے کیا کہنے۔

فتوحات اور توسیع نیز اُن کے استحکام کے لئے حرکت پذیری (Mobility) کو جو اہمیت ہے وہ آج مسلّم ہے۔ جس زمانے میں بے جان سواریاں بجز سمندری جہاز کے اور کچھ نہ تھیں، اور برق اور بھاپ پر ابھی انسان کو تسخیر حاصل نہیں ہوئی تھی تو تیز ترین سواری گھوڑے کی تھی۔ اور کار آمد ذریعۂ حمل و نقل اونٹ، جس کا صبر و تحمل، غذا کی سادگی و کمی، کثیر بوجھ کا اٹھا سکنا، دودھ اور گوشت وغیرہ کا قابل غذا ہونا سب جانتے ہیں۔

Marfat.com

گھوڑوں اور اونٹوں سے عرب کو جو خصوصیت ہے وہ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہزاروں کی عربی فوج اپنے اونٹوں کی مدد سے جس تیزی سے حرکت کر سکتی اور لمبے لمبے دھاوے مار سکتی تھی، وہ عربی فتوحات کی سرعت، کامیابی اور استحکام کے اہم وسائل میں سے سمجھی جاتی ہے۔ اور ماہرین حربیات قدیم سے عربوں پر رشک کرتے رہے ہیں۔

چین اور ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انھوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور رحلۃ الشتاء والصیف کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قلابے ملاتے رہتے تھے وہ سب جانتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اقوام کی مزاج شناس، ملکوں کی راہ شناس، سب سے واقفیت کے باعث خود شناس قوم اس وقت کم ہوگی۔

حکمرانی کا سلیقہ مکے اور طائف اور یثرب کی شہری مملکتوں میں جو تھوڑا بہت سیاسی نظام تھا وہ خوش قسمتی سے سماجی مساوات پر مبنی تھا۔ سرداری اور اعیانیت سے کوئی جات پات کے ناقابل شکست بندھن نہیں پیدا ہو گئے تھے۔ سب آزاد اور سب برابر کے ہوتے تھے۔ محض عقل و تجربہ کسی کو سردار منتخب کراتے تھے۔ اس ماحول میں رچے ہوئے ہونے کے باعث انھیں جب دوسرا حکمرانی کا موقع ملے تو انسانوں میں مساوات کا جیسا توقع ان سے ہو سکتی اور رنگ و نسل اور وطن کے اختلافات کو بے اثر قرار دینے کی ان سے جتنی امید ہو سکتی تھی ویسی نہ ممکن تھی نہ ایرانیت میں، نہ رومیت میں، جہاں طبقات کا تفرقہ ذہنوں میں اتنا راسخ تھا کہ نکالے نہ نکل سکتا تھا۔

Marfat.com

لسانی عربی زبان بھی انتخاب کا ایک باعث ہو سکتی تھی۔ دس کا خط اچھا لسانیاتی اور خیلیاتی نقطۂ نظر سے جو صلاحیتیں رکھتا تھا اور خود زبان ادائے مطالب اور فصاحت و بلاغت کی جو غیر متناہی قابلیتیں رکھتی تھی وہ دیگر ہمعصر متمدن زبانوں مثلاً پہلوی، یونانی، سنسکرت اور لاطینی وغیرہ پر بدرجہا تفوق رکھتی تھی۔

نفسیاتی چند ساحلی یا سرحدی رقبوں کو چھوڑ کر عرب پر اب تک کسی بیرونی سلطنت کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ اپنی آزادی کے ساتھ ہمیشہ بیرونی پناہ جوؤں کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوتا رہا۔ دنیا کی رہنمائی کے لئے کسی غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوم کی جگہ وہی قوم اوروں پر ترجیح رکھتی سمجھی جا سکتی ہے جو آزاد دل بھی آزاد ہو۔

مکے کی حالت ولادت باسعادت سے قبل

یہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مکہ نافِ زمین پر آباد اور پرانی دنیا کے بیچوں بیچ تین براعظموں کے وسط میں واقع ہے، جس سے بہتر کوئی مرکز کسی عالمگیر تحریک و تبلیغ کا نہیں ہو سکتا اس طرح اس کا وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی بلکہ بے آب و گیاہ سرزمین) میں ہونا طماعوں کی طمع سے اس کو محفوظ رکھنے کا باعث تھا۔ تجارتی رحلۃ الشتاء والصیف" سے یہاں دولت جمع ہو سکتی تھی۔ اس کی حفاظت قدرت نے یوں کردی کہ ایک تنگ درے کو چھوڑ کر وہ وادی جہاں شہر مکہ آباد ہے بلند اور ناقابل عبور و مرور پہاڑیوں سے چاروں طرف گھری ہوئی ہے اور مدافعتی اغراض کے لئے بہت موزوں ہے۔ بنجر مکہ اور اس کے ہمشیر شہر یعنی زرخیز طائف نے مل کر یہاں کی آبادی میں وہ خصلتیں اور خصوصیتیں طبعاً پیدا کردی تھیں جن کا اجتماع نادر ہی ہوتا ہے۔ جب ہی تو انھوں نے

Marfat.com

رومی، ایرانی اور حبشی شہنشاہیوں کے قبضے کے لئے مسلسل جدوجہد کے باوجود اپنی چھوٹی سی شہری مملکت کو آزاد اور خود مختار رکھا اور کبھی اس پر اجنبیوں کا تسلط نہ ہونے دیا۔ اب ہم دیگر احوال کا مطالعہ کریں گے۔

سیاسی مکہ ایک خود مختار شہری مملکت تھا بستی کا رقبہ تو چند مربع میل سے زائد نہ تھا لیکن اس کے اطراف کا وہ حصہ جہاں تک اس کا موثر تسلط تھا اور جسے وہ حرم کہتے تھے تقریباً سوا سو مربع میل پر مشتمل تھا۔ یہاں مختلف زمانوں میں مختلف قبائل کی حکمرانی رہی۔ سرورِ کائنات کی ولادت کے وقت یہاں آپ ہی کے خاندان قریش کو سرکردگی حاصل تھی۔ اگرچہ دیگر لوگ بھی بستے تھے۔ لیکن فردی حکومت کا وجود نہ تھا آں حضرت ؐ کے پردادا کے دادا قصی نے تقریباً بادشاہ کی سی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن اپنی وفات کے وقت اپنے سیاسی فرائض اپنے بچوں میں بانٹ دیئے، تو پھر وہ کسی ایک فرد میں دوبارہ جمع نہ ہو سکے۔ بلکہ منتشر تر ہی ہوتے چلے گئے۔ اور ابن عبدربہ کے مطابق دس قبائلی سرداروں کی اعیانیت قائم ہو گئی۔ گویا دس وزراء تھے۔ اور بادشاہ کوئی نہ تھا۔ دارالندوہ کی پارلیمان کسی سے متعلق تھی، تو عبادت گاہ کعبہ کا انتظام کسی اور کے کوئی قوم کا علمبردار اور سپہ سالار تھا تو ضمان اور مہمانوں کا تعین کرنا کسی اور کا کام تھا کوئی افسرِ خارجہ تھا اور بوقت ضرورت خود ہی سفیر بھی بن کر چلا جاتا تھا تو ٹیکس کی وصولی آمد و خرچ کسی اور کے ذمے تھی۔ اُن کی تفصیلوں کی تو یہاں گنجائش نہیں لیکن اس اختصار سے اتنا ضرور معلوم ہو چکا ہو گا کہ اُن ذہین قریشیوں نے ایک خاصا ترقی یافتہ دستور مملکت قائم کر لیا تھا، جس میں تمام ہی اہم اور بنیادی امور کا انتظام تھا۔ ایک دو نہیں دس گھرانوں میں تنظیم و نسق کی روایتیں اور تجارب پیدا ہو گئے تھے۔ ایک عالمگیر شہنشاہی

Marfat.com

کے ہونے والے مالکوں کو ضرورت بھی اسی کی تھی۔

فوج کے سلسلے میں تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ غلاموں اور ملازموں کے ذریعے سے ایک مستقل فوج قائم بھی اُن کے ہاں قائم ہوگئی تھی، جو قومی جنگوں میں بھی ہاتھ بٹاتی اور کاروانوں کے ساتھ حفاظت کے لئے بھی جایا آیا کرتی۔ عدالتی نظام کے سلسلے میں خاندان وار اور قبیلہ وار حکم بھی تھے۔ خانہ کعبہ میں قرعہ و فال بھی تھا۔ موقتی ثالث بھی مقرر ہوتے تھے۔ لیکن اِن سب کے علاوہ ایک رضاکار انصاف رسانوں کی جماعت بھی بن گئی تھی۔ اس حِلف الفضول میں شریک ہونے والے یہ اقرار کرتے ہیں کہ حدودِ شہر میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے چاہے شہری پر ہو یا اجنبی مسافر پر اور اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک ظالم حق رسانی نہ کردے۔

سیاسی سلسلے میں مکے والوں نے آس پاس کے بہت سے قبائل سے حلیفیاں بھی قائم کرلی تھیں جو جنگی اہمیت بھی رکھتی تھیں، اور تجارتی کاروالوں کو آنے جانے میں محفوظ رہ گذر بھی مہیا کرتی تھیں۔ اور اُن کی اپنی قوت بھی اتنی تھی کہ دور دراز مثلاً مدینے کے قبائل اُن سے حلیفی کی کوشش میں رہنے لگے تھے۔

کچھ تھوڑا سا خانوادہ واری تذکرہ پس منظر کے لئے مفید ہوگا۔ مکے میں یوں تو ہزاروں کی آبادی تھی لیکن قبائلِ قریش کو وہاں سرداری حاصل تھی۔ اُن میں دس قبیلے ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اور اُن کے سردار یہ تھے:۔

(نقشہ آئندہ صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

کعب بن لوی بن غالب بن فہر

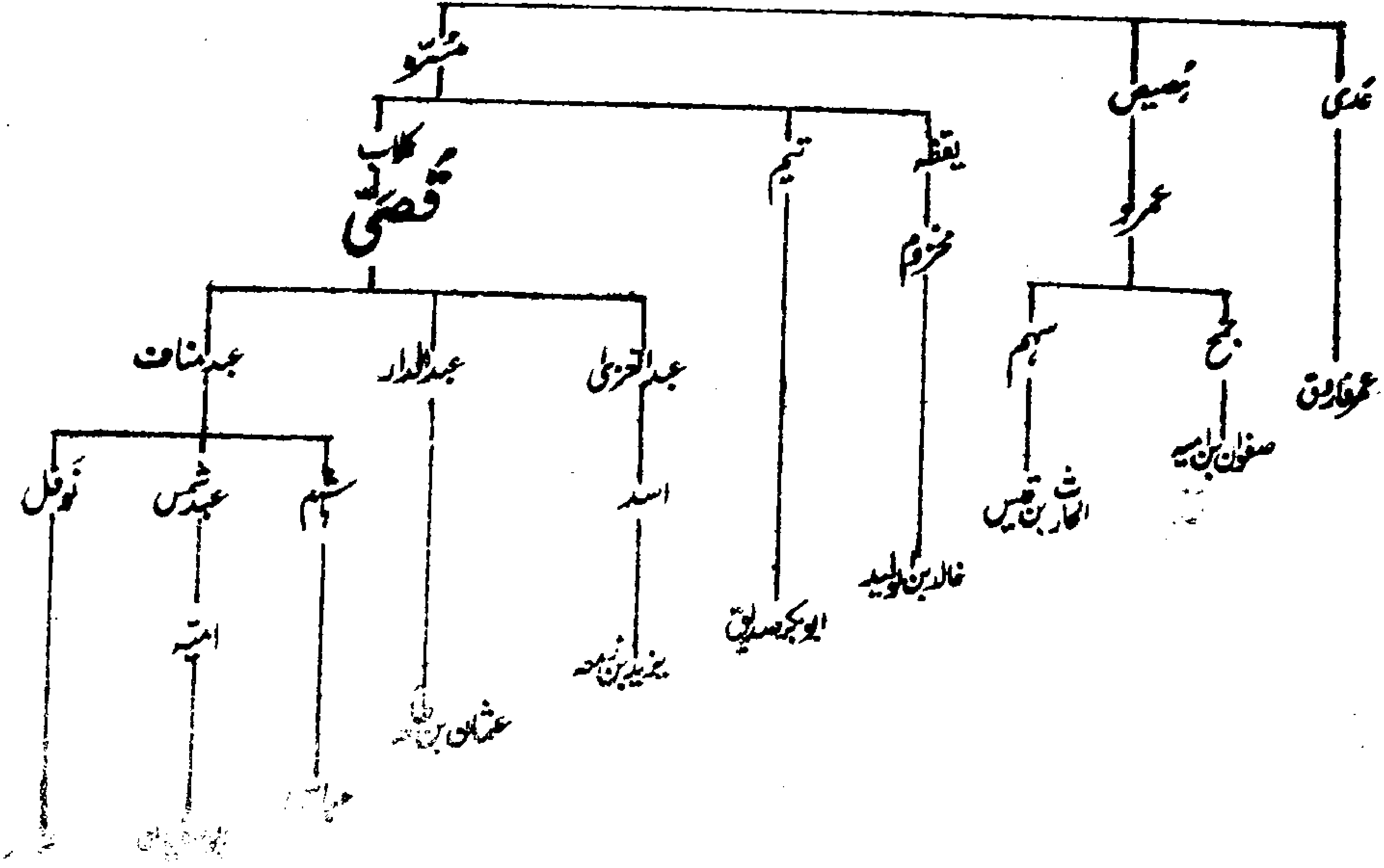

ان میں سے مکے پر قریش کے قبضے کے وقت اعلیٰ ترین سرداری قصی کو حاصل ہو گئی تھی قصی کے بعد اس کی اولاد میں عہدے بٹ گئے۔ اور خانہ جنگیاں اور رقابتیں چھڑ گئیں۔ عہد نبوی کے آغاز پر عبد مناف کے خاندان میں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں رقابتیں تھیں۔ اور عبد المطلب کی وفات کے بعد ابو طالب کے افلاس وغیرہ نے بنی امیہ کا پہلا مضبوط تر کر دیا تھا۔ ابو سفیان جیسے پیدائشی لیڈر اور عثمان غنی جیسے کاروباری مہارت رکھنے والے اسی قبیلے میں تھے۔ خود پیغمبر اسلام اگرچہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لیکن ایک تو عبد المطلب کے بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے یا اور طور پر جانشین نہ تھے۔ بلکہ یتیم پیدا ہوئے تھے، اور چچا نے پرورش کی تھی۔ یہ کہنا گستاخی کے لئے نہیں امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ آں حضرت ایک جونیئر گھرانے کے جونیئر فرد تھے۔ آپ کو نبی تسلیم کرنا بنی امیہ ہی کو نہیں خود بنی ہاشم کے سینیئر افراد کو گراں گذرتا تھا۔ ظالم چچا ابو لہب ہی نہیں بلکہ ہمدرد سرپرست چچا ابو طالب کو زندگی بھر اپنے سے چھوٹے کی یہ حیثیت تسلیم کرنا وقار کے خلاف ہی نظر آتا رہا۔ قریش کے دیگر قبائل میں بھی بڑی بڑی شخصیتیں تھیں۔ قبیلہ مخزوم میں الولید بن المغیرہ اور اس کے فرزند حضرت خالد بن الولید نیز ولید کا بھتیجا ابو جہل زمانہ جاہلیت میں اتنی ممتاز حیثیت رکھتے تھے کہ اس کا ذکر کئے بغیر چارہ نہیں۔ آنحضرت نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا تو بروایت طبری چھوٹتے ہی قریش نے کہا کہ ولید اس کا زیادہ مستحق ہے، جو ریحانۃ قریش (قریش کا پھول) کہلاتا تھا۔ خالد اگرچہ کم عمر تھے، لیکن حضرت عمر کا قول تھا کہ عورتیں خالد جیسا بچہ پھر جننے سے عاجز ہیں۔ ابو جہل زمانہ جاہلیت میں اپنی قابلیت اور عمدہ رائے کے باعث "ابو الحکم" کہلاتا تھا۔ اور دار الندوہ کی پارلیمان میں جہاں چالیس برس کی عمر سے کم کوئی رکن نہ ہو سکتا تھا بیس ہی برس کی عمر میں لے لیا گیا

خاص نشست دیدی گئی تھی۔ خودداری اس میں ہٹ دھرمی بن گئی تھی۔ اس کی غربا پروری و فیاضی کے بھی افسانے ملتے ہیں۔ جیسا کہ ابن حبیب نے کتاب المنمق وغیرہ میں بیان کیا ہے۔

ان سماجی رقابتوں کو ذہن میں رکھے بغیر آغاز اسلام کے قریشی معاندین اور مخالفین اسلام کی نفسیات کا سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

علمی مکے میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ گنتی کے دس بارہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ لیکن شعروشاعری اور فصاحت وخطابت کے خوب چرچے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو گھر میں رکھنے کی جگہ بدوی قبائل میں بھیج دیتے تھے، تاکہ ٹھیٹ عربی لہجہ اور خالص عربی زبان سیکھیں۔ یہ مکے ہی کا قومی معبد کعبہ تھا جس میں لٹکانے کی عزت حاصل ہو تو کوئی قصیدہ معلقات میں شامل ہونے کی زندہ جاوید عزت حاصل کرتا۔ عکاظ کی سالانہ بین العرب موتمر ادبی گویا قریش ہی کی سرپرستی کی رہین منت تھی، یہ امداد ائی حج کعبہ پورے عرب میں زبان کو ایک بنانے اور قریشی علاقے کی بولی کو معیاری اور ٹکسالی بنانے میں خاموش لیکن نہایت موثر حصہ لے رہے تھے۔ یہ قریش کی ادب نوازی ہی تھی کہ اُن کو نہ تو ید بیضا، کے معجزے کی ضرورت تھی، اور نہ دم عیسیٰ کی۔ بلکہ تھی تو ایک ادبی شہ پارے کی۔ جسے سُن کر وہ جھومنے لگتے۔ اور جس کی تلاوت کو سننے کے لیے وہ باوجود اپنی ضرب المثل مخالفت کے چھپ چھپ کر آتے۔

یہ ادبی ذوق لیکن نوشت وخواند سے اُمّی محض ہونا نسلہا نسل کی خصوصیت تھا۔ اسی لیے انھیں اپنے مطلب کی چیزیں خاص کر اپنے کاروباری حسابات اور قرضداروں کے نام اور رقمیں یاد رکھا کرنے پر مجبور کر کے اُن کے حافظے کی قوت کو غیر معمولی طور پر

مستحکم کردیا تھا، جو ناگزیر تھا۔ اس سے بعد کو قرآن و حدیث کے تحفظ کا خود بہ خود انتظام ہو گیا۔

معاشی "وادیٔ غیر ذی زرع" کے باشندوں کے لئے تجارت کے سوا کیا چارۂ کار تھا اُن کے پاس صنعت و حرفت کے لئے خام مواد بھی بالکل نہ تھا۔ اس طرح یکسُو ہو کر انھوں نے اپنی قابلیتوں کو تجارت پر مرتکز کردیا تو نتائج اس زمانے کا خیال کرتے ہوئے حیرت ناک معلوم ہوتے ہیں۔

عرب ایک صحرائی براعظم تھا۔ باہر والے اِن کے لق و دق ملک میں کیا آتے انھیں کو حاجت تھی کہ باہر جایا کریں۔ ہندوستان کے برابر بڑے اس صحرائی براعظم کی پوری داخلی و خارجی تجارت کو قریش ہی نے منظم کیا۔ اور اپنے کو اس کا مرکز و محور بنا دیا تھا۔

چناں چہ آں حضرتؐ کے پردادا عمرو بن عبد مناف (جو اپنی غریب پروری کے باعث ہاشم کے لقب سے مشہور ہیں) اتنے کاروان دکار برآر تھے کہ قیصر روم اور کسرائے ایران اور نجاشیٔ حبش اور اقیال یمن سے ایلاف یعنی "منشور تجارت" حاصل کرتے تھے کہ ان ممالک کو بے کھٹکے کاروان لایا اور لے جایا کریں۔ مکے سے عراق نیز عمان (جہاں سے مختصر بحری راستے سے بلوچستان و سندھ اور ہندوستان کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے) ایک طرف فلسطین و شام و عراق دوسری طرف مصر تیسری طرف حبشہ چوتھی طرف، اور یمن پانچویں طرف سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں میل کی مسافت پر واقع ہیں۔ ششماہی "رحلۃ الشتاء والصیف" آج چودھویں صدی کے نصف دوم میں بھی تصور کے ساتھ اوس کھٹک شے کر دیتا ہے۔ مگر قریشی تاجر برابر جاتا تھا۔ سفر کی مسافت اور

Marfat.com

راستے کے خوں، ولوش اور نکان سے بڑھ کر گذرگاہ کے لٹیرے خود مختار فاقہ مست قبائل سے سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے لئے ان کا حیرت انگیز نظام حلیفی وخفارہ (یا بدرقہ) وجود میں کیا آیا تھا کہ عرب کے کسی شخص کو بھی تجارتی سامان لے کر حجاز، نجد وغیرہ کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے مضری قبائل کی سرزمین سے گذرنا پڑتا تھا تو قریشی بدرقے حاصل کرتا۔ قریش کی طئی اور کلب قبائل سے حلیفی تھی جو شمالی عرب میں خیبر اور دُومۃ الجندل کے اہم رقبے پر چھائے ہوئے تھے اور یہیں سے عراق، شام اور مصر کو راستے پھوٹتے تھے۔ بنی عمرو بن مرثد سے دوستی کی بنا پر قبائل ربیعہ کی سرزمین قریش کے لئے محفوظ تھی جس سے بحرین و عمان یعنی پورے مشرقی عرب کی منڈیوں تک رسائی حاصل ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو بحرین کے سُوقِ مُشقّر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کیا جاتا۔ جنوبی عرب میں مہرہ اور حضرموت کے علاقے ہیں۔ سُوقِ مہرہ جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔ حضرموت کے سُوقِ رابیہ جانے کے لئے قریشی قبیلہ آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے۔ اور دیگر لوگ کندہ کے آلِ مسروق کا لیکن قریش کی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگئی۔ غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور وسط ہر حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں [illegible] اُن کے میلے اور ان کے کاروان جتنے منفعت بخش ہوتے اُن کی قرآن [illegible] لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ أطعمهم من جوع وآمنهم من خوف (انہیں بھوک میں کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت و فوقیت دیدی ہو اور حج کعبہ و عرفات کے لئے عرب کے انتہائی کونوں سے لوگ ہر سال آیا کرتے ہوں تو کیوں حیرت ہو۔[1]

[1] تفصیلات ابن حبیب اور یعقوبی میں ملیں گی۔ سورۂ ایلاف سے یہی مراد ہے۔

مذہبی مکے والے بت پرست بن گئے تھے۔ لیکن وہ بتوں کو خدا نہیں بلکہ خدا کے پاس (جو واحد اور خالق السماوات والارض تسلیم کیا جاتا تھا) سفارشی سمجھتے تھے۔ اسی لئے بتوں کے بارے میں اُن کے ہاں بڑی رواداری نظر آتی ہے۔ نہ صرف اُن کے اپنے شہر ہی کا بُت ہبل کعبے کے پاس تھا، بلکہ جملہ قبائلِ عرب کے تین سو ساٹھ بُت کعبے کے اطراف تھے، نیز صفا و مروہ پر خود کعبے کی کوٹھری کے اندر علاوہ دیگر تصاویر واصنام کے حضرت ابراہیمؑ ہی نہیں حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ کی تصویریں بھی تھیں، جو عیسائی مذہب سے روادارانہ سلوک ظاہر کرتی تھیں۔ ایک ہی گھر میں کوئی بت پرست ہوتا تو کوئی نصرانی اور کوئی دہریہ لامذہب (جس کی تفصیلیں معارف ابن قتیبہ وغیرہ میں ملتی ہیں۔ نیز ازرقی کی تاریخ مکہ میں۔)

بُت پرستی کے علاوہ وہ سالانہ حج کا مذہبی تہوار بھی مناتے۔ جس میں طوافِ کعبہ اور وقوفِ عرفات کے علاوہ اور طرح طرح کی رسمیں انجام پاتیں۔

مَعاد (مذہب) و معاش میں ہر ملک اور ہر زمانے میں جو قریبی تعلق رہا ہے اس کا مظاہرہ ہم دیکھتے ہیں کہ حج کے موقع پر ایک بین العرب عظیم الشان تجارتی میلہ لگتا ہے۔ حج کے مہینے (ذوالحجہ) ہی میں نہیں بلکہ اس سے ایک مہینہ پہلے اور ایک مہینہ بعد پورے تین مہینے "حرام مہینے" کہلاتے، جس میں قتل و خوں ریزی حرام تھی۔ حتیٰ کہ قاتل سے انتقام تک اس زمانے میں نہیں لیا جاسکتا۔ تجارتی کاروانوں کو عرب کے بعید ترین گوشوں سے ذی الحجہ کے میلوں کے لئے آنے اور وطن واپس جانے کے لئے تین مہینوں کے اس پُرامن زمانے کے سوا اور کیا مطلوب ہوسکتا تھا۔ اس طویل پُرامن زمانے کے وسط میں جو تہوار اور میلے پڑتے ہوں اُن کی مرکزیت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟

Marfat.com

اخلاق و عادات مکے والے اسلام سے عین ماقبل زمانے میں زندہ قوموں کی جملہ مطلوبہ صفتوں میں اعلیٰ ترین مراتب پر فائز تھے۔ وہ فیاض تھے، بہادر تھے، مہمات پسند اور دور دراز کے سفروں کے شائق و عادی تھے۔ امانت و دیانت کی اُن کے ہاں بڑی قدر تھی۔ بات کا پاس تھا۔ غرض ہر چیز تھی۔ لیکن ان پر ایک غلاف چڑھا ہوا تھا۔ توانائیاں تھیں لیکن مرکز گریز۔ اس لئے بے اثر تھیں۔ جان لینے یا دینے میں باک نہ تھا۔ لیکن بے اصول طور پر۔ اس لئے یہ خصوصیت بے سود ثابت ہو رہی تھی۔ دُھن کے پکے اور استقلال کے پُتلے تھے۔ لیکن کوئی مقصد و مطمحِ نظر سامنے نہ تھا، جس کی تکمیل اُنھیں عالمِ انسانیت میں کوئی مرتبہ دلاتی۔ بہادری تھی تو خانہ جنگیوں میں، غیرت و خودداری تھی تو لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے میں، فیاضی تھی تو بے اصول اور زیادہ تر مالداروں کی باہمی ضیافتوں میں، ادبی ذوق تھا تو عیاشی کی غزلیات میں، غرض اعلیٰ کردار اعلیٰ تک ادنیٰ ترین مقاصد کے حصول میں لگا ہوا تھا۔ شیر کی قوت خرگوش کے شکار میں ضائع ہو رہی تھی۔ اور قریش جانور کی طرح پیدا ہوتے۔ اور کھاتے پیتے زندگی گذار کر جانور ہی کی طرح ختم ہو جاتے۔ اور دنیائے انسانیت میں اُن کے مرنے کا نہ کسی کو افسوس ہوتا اور نہ خبر۔

اسلام نے جو کچھ کیا وہ انھیں صلاحیتوں کو اجاگر اور منظم کرنا تھا۔ اور حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو کر اللہ ہی کا بول بالا ہو جائے) کا نصب العین نظر اُن کو دینا تھا۔ ماسوی اللہ کی الوہیتوں کا خاتمہ اور امن چین کا دور دورہ پوری دنیا میں (صرف مکہ یا عرب ہی میں نہیں) کرایا جائے۔ اس مشن کو پورا کرنے کے لئے اس زمانے میں قریش سے بڑھ کر کوئی اور موزوں قوم پوری دنیا میں ناپید تھی۔

Marfat.com

اب ہم دیکھیں گے کہ عبداللہ کے یتیم و یسیر بیٹے محمدؐ (ارواحنا فداہ) ہی کا اس غرض کے لئے کیوں انتخاب ہونا تھا۔

ختم المرسلینی کے لئے آپؐ کے انتخاب کی وجہ

یوں تو کارساز عالم اپنی مخلوق میں سے جس سے جو چاہے کام لے سکتا تھا۔ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، اور اس کی مشیت پر کسی کا بس نہیں۔ لیکن اس نے اپنی ہی مرضی سے جب ہماری زمینی دنیا کو عالم اسباب قرار دیدیا ہے تو کوئی بات بے سبب نہیں ہونی چاہئے۔ چاہے ہماری نظر ہر صورت میں حقیقی سبب کو معلوم کرنے سے قاصر کیوں نہ ہو؟ بیانات بالا سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ کسی عالمگیر تحریک کے لئے عرب سب سے موزوں مقام تھا۔ اور عرب میں بھی حجاز اور حجاز میں مکہ۔

مکہ میں قریش[1] کی سرداری اور سربرآوردہ حیثیت مسلم تھی۔ لیکن ماہرین عمرانیات کا استقرا و استنباط ہے کہ مسلسل کئی نسلوں تک کوئی سرداری کرلے تو زمین کی قوتِ نمو کی طرح انسانوں کی نئی نسل بھی اپنے بہت سے جوہر ختم کر چکی ہے۔ آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب، بے شک، سردار تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کے والد عبداللہ کا انتقال اپنے بوڑھے باپ کی موجودگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اور عبداللہ کو اپنی وفات کے بعد اپنی

---

[1] قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان کعبے کے سامنے مقام ابراہیم میں اب تک محفوظ ہے۔ ابن سعد (۱/۴) کے مطابق ایک مرتبہ بنی مدلج کا ایک قیافہ شناس مکہ آیا۔ تو اس نے آنحضرتؐ کے متعلق کہا تھا کہ آپؐ کے قدم سے زیادہ مقام ابراہیم کے نقش سے کسی قدم کو مشابہت نہیں۔

Marfat.com

حاملہ بیوی سے جو بچہ پیدا ہوا اس کے لئے امارت و حکومت اور سرداری کا بظاہر حالات کوئی امکان نہ تھا۔ اول تو دولت، معاملہ فہمی وغیرہ کی بنا پر عبدالمطلب کے بعد قریش کے مختلف گھرانوں خاص کر بنی امیہ میں سرداری بٹ گئی تھی۔ اور خود بنی ہاشم و بنی مطلب کی سرداری بھی چھوٹے بیٹے عبداللہ کو نہیں مل سکتی تھی۔ اور نہ ملی ہی تھی جو ان کے اکلوتے یتیم کو وراثت میں ملتی۔ آنحضرت ؐ کی ولادت کے چند ہی سال بعد جب عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو ابوطالب بزرگ خاندان بنے۔ اُن میں دل کی خوبیاں چاہے جتنی بھی رہی ہوں، کاروباری سلیقہ اتنا نہ تھا کہ اپنی سرداری کے لئے اپنی دولت کو اپنا مددگار بنا سکتے۔ ابوطالب کے بعد اُن کے بچوں میں دل کی خوبیاں بھی اتنی نہ تھیں کہ بے رحم چچا ابولہب کو سردار بننے سے روک سکتیں۔ آنحضرت ؐ ہجرت پر مجبور ہوئے تو عقیل بن ابی طالب نے آنحضرت ؐ کے آبائی خاندان کا مکان تک بیچ کھانے میں باک نہ کیا تھا۔

غرض سرداری کا خون تو رگوں میں ہو لیکن سرداری کا کوئی امکان نہ رہے تو متاثر پشتوں کے ایسے شخص میں سرداری کی خوبیاں تو بہت سی ہوتی ہیں، لیکن موروثی سرداری کی برائیاں یعنی غرور، جلد بازی، آرام پسندی، ناتجربہ کاری وغیرہ نہیں ہوتیں۔ ورنہ ہونے والے جانشین کو ماں باپ کا لاڈ پیار، ماحول کی خوشامد و نازبرداری وغیرہ بگاڑنے سے بہت کم باز رکھ سکتی ہیں۔ اور ایک جونیر گھرانے کا جونیر فرد ہی پورے خاندان کا چشم و چراغ ہو سکتا تھا۔

یہ خصوصیت دوسرے افراد میں بھی پائی جاتی تھی۔ آپ یتیم پیدائش سے رہا سہا غرور اور لاڈ پیار ختم کر دیا ہوگا۔ پھر خاندانی رواج نے ماں کی محبت و توجہ تک سے محروم کر دیا۔ اور کئی سال تک ایک اجنبی دودھ پلائی کے ساتھ اجنبی ماحول میں خالص صحرا کی

Marfat.com

بدوی زندگی نصیب ہوئی۔ بی بی حلیمہ کا گھرانہ خود غریب تھا۔ وہاں سوائے اپنی مدد آپ کرنے اور سب کا ہاتھ سب بٹایا کرنے کے سوا کیا امکان تھا۔ بدویوں کے خانہ بدوش ماحول سے زیادہ کونسی چیز انسان کو وطن ہے سارا جہاں ہمارا کی تربیت بچپن کے تاثر پذیر دور میں دے سکتی ہے۔ جب کوئی گھر نہ ہو حتیٰ کہ کوئی مستقل سرزمین بھی اپنی نہ ہو جہاں خدا کا فضل نظر آیا اور پانی، چارہ موجود ملا خیمے ڈال پڑے۔ اور موسموں کی گردش نے وہ جگہ بے سود بنادی تو خیمے اکھیڑ پھر خدا کے وسیع ملک میں کسی اور بہتر مگو پھر بھی عارضی رہائش گاہ کی تلاش میں چل پڑے یہ بدوی زندگی ہے۔

سالہا سال تک ایسی متوکلانہ زندگی کی عادت کر لینے کے بعد جب گھر آنا پڑا تو دیکھتے کے دیکھتے ماں اور دادا کی مہر و شفقت بھی خدا کی مشیت نے ختم کرادی۔ اور کثیر العیال چچا کے گھر جا رہنا پڑا۔

ایسے فرد میں سرداری کے غرور خود نمائی کے آنے کا کیا امکان رہ جاتا ہے۔

پھر آنحضرت ؐ کا رشتہ ننھیال کی طرف سے مدینے والوں سے تھا۔ اور ماموؤں کی طرف سے رشتہ طائف والوں سے۔ مکہ، مدینہ، طائف، فطری و انسانی ہر جہت سے باہم انتہائی مختلف حیثیتیں رکھنے والی ان تینوں بستیوں سے یکساں تعلق رکھنے کی وجہ سے مقامی وطنیت کی جگہ خود بہ خود عالمگیر وطنیت کی طرف آپ کو مائل ہونا پڑا ہوگا۔ اور کسی عالمگیر رہنما کے لئے اسی کی ضرورت تھی

وطن آنے پر نوعمری میں چرواہا گری سے سابقہ رہا۔ بے زبان اور مسکین بھیڑ بکریوں کی خدمت جہاں تحمل، فرض شناسی، پابندی اوقات، نرمی، اور محنت و مشقت سکھلاتی ہے وہیں خدمتگاری میں سید القوم خادمہم کے بمصداق رہنمائی و سرداری کے حقیقی

Marfat.com

وصاف پیدا کر دیتی ہے۔

چرواہاگری ختم ہوئی تو تجارت کرنی پڑی۔ یہاں بھی گاہکوں کی مزاج شناسی و مزاج داری، امانت و دیانت، محنت وغیرہ سے سابقہ تھا، جس کے بغیر تجارت چل نہیں سکتی۔ اور سب متفق ہیں کہ آپ بہت اچھے تاجر تھے پھر جلدی ہی کاروانی تجارت میں حصہ لینا پڑا۔ فلسطین، یمن اور عمان جیسے شمالی جنوبی اور مشرقی کاٹے کوسوں دُور علاقوں کا سفر کرنا، اور رومی، ایرانی اور حمیری علاقوں کے انتظامات سے عہدہ برآ ہونا پڑا تھا۔ اور بعض معقول استنباطات صحیح ہوں تو حبش اور بحری سفر سے بھی آپ کو سابقہ رہا ہوگا۔ ایسے جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص ہی کو چالیس سال کی پختہ عمر میں سرداری کے فرائض سپرد کیے جائیں تو آوروں کے مقابلہ میں بہتر ہو سکتا ہے۔

تربیت انسان کے لئے صیقل کا کام دیتی، اور جوہر کو نکھار دیتی ہے۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ آپ میں فطری جوہر کیا تھا۔

ہر محتاج کو مدد دینا، حق رسانی میں پیش پیش لیکن حق طلبی میں سب سے پیچھے رہنا (جیسا کہ آپ کے شرکا، تجارت کی شہادت ہے) سادگی پسند، ملنسار، مخلص، فیاض، محنتی، فرض شناس، پابندِ وقت، غرض فطرت نے مکارمِ اخلاق کا آپ کو وافر حصہ دیا تھا۔ یہ چیزیں بچپن ہی سے آپ میں نظر آتی تھیں۔ اور مذکورۂ بالا شدائد و مصائب نے اُن کو اتنا مجلا کر دیا تھا کہ نبوت سے پہلے ایک طرف زبانِ خلق آپ کو الامین کا خطاب دلا کر آپ کی سرداری کو معنوی طور سے تسلیم کرتی ہے تو بقول ابوطالب سے

وابیض یُستسقی الغمام بوجہہ ۔۔۔ ثمال الیتامٰی عصمۃ للأرامل

(ترجمہ) وہ گورا چٹا جس کے روئے انور کا واسطہ دے کر بارش کی دعا، مانگی جاتی تھی۔

Marfat.com

اور جو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ تھا) کہہ کر آپ کی انسانی خوبیوں اور فطری وصفوں کی شہادت دی جاتی ہے۔ فرداً فرداً ایسے اوصاف اوروں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور رہے ہوں گے۔ لیکن ان سب کا اجتماع کسی اور میں نہ تھا۔ اور ضرورت اسی اجتماع کی تھی، جس کے بعد عالمگیر و دائمی نبوت کی خدمت پر مامور کیا جا سکتا تھا۔

ولادتِ باسعادت

ہمارے اس عالم اسباب میں عمل ہی کسی کو چھوٹا یا بڑا بناتا ہے۔ سکندر و افلاطون کے بچوں سے کوئی واقف نہیں۔ اور نہ سیزر و ارسطو کے والدین سے حقیقی عظمت کا آغاز اکثر غیر متوقع حلقوں سے ہوتا ہے۔

عام حالتوں میں ہمعصر معتقدین و واقفین کی قدر ناشناسی سے ایک ہی دو نسلوں میں قیمتی معلومات ہمیشہ کے لئے گم ہو جاتے ہیں۔ رسول کریمؐ کے متعلق اتنی عرب میں کون جانتا تھا کہ آپ رحمتِ عالم ہونے والے ہیں۔ آپ کی نبوی زندگی کا آغاز بھی چالیس سال کی پختہ عمر میں ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کے بچپن کے حالات کو دیکھے ہوئے اور واقف لوگوں میں بیشتر ختم ہو گئے تھے۔ ہمعمروں کو بچپن کی باتیں کتنی یاد رہ سکتی ہیں؟ پھر یہیں قلم و کاغذ سے قطعاً ناآشنا ملک سے سابقہ ہے۔ خاندانی ڈائریوں اور دوستوں کے روزنامچوں کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

بہر حال ۵۳ ق ھ کا واقعہ ہے (جسے عموماً ۵۷۰ء کے اور کبھی کبھی ۵۷۱ء کے مطابق سمجھا جاتا ہے) کہ سرکار دو عالم کی تشریف آوری سے دنیا کو سرفرازی حاصل ہوئی، آپ حمل ہی میں تھے کہ باپ یتیم کر گئے۔ ماں سسرال ہی میں مقیم رہیں۔

Marfat.com

صحیح تاریخ ولادت کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ہماری ضرورتوں کے لئے
س کو کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ سُنّی مسلمانوں میں یوم ولادت ربیع الاول کی
ھویں کو منایا جاتا ہے۔

یہ زمانہ سچ مچ عالم آشوب تھا۔ خدا کو اپنے بندوں پہ رحم آیا اور ایک رحمۃ للعالمین
پیدا کیا گیا، جو اُن کو درندگی اور شیطنت سے نکالے۔ اور انسان اور خدا کا سچا بندہ بننا
سکھائے۔ آپ کے بچپن کے حالات اپنے ہمشہریوں ہی کی طرح گذرے ہوں گے۔
ی بچے سے کارنامے ہو بھی کونسے سکتے ہیں۔

شرفاء مکہ میں رواج تھا (جو آج بھی وہاں بڑے گھرانوں میں برقرار ہے) کہ بچہ کسی
حرانشین دودھ پلائی کے سپرد کر دیا جائے اور کئی سال تک جنگل کی کھلی اور آزاد فضا
ں پرورش پانے کے بعد گھر واپس ہو۔ یقیناً بچے کو دکھانے کے بہانے لیکن درحقیقت
انعام و امداد حاصل کرنے ہر چند ماہ میں دو چار دن کے لئے دودھ پلائی کے ساتھ
ں کے پاس واپس آتا ہوگا۔

تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلعم کو بھی یہی پیش آیا اور
ب کو دودھ شریک کے طور پر ایک بھائی ضمرہ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ حلیمہ سعدیہ
ت حلیم الطبع بدوَن تھیں۔ زیادہ حریص و طمّاع نہ تھیں۔ اور قناعت پسند، ملنسار اور

۵ ابن سعد (۱/ ۲ ص ۶۰) کے مطابق دودھ پلائی کے سپرد کرتے وقت بی بی آمنہ نے یہ اشعار کہے تھے:

اُعیذہ باللّٰہ ذی الجلالِ　من شرّ ما مرّ علی الجبالِ　حتی اراہُ حامل الحلالِ
ویفعل العرف الی الموالی　وغیرہم من حشوۃ الرجالِ

با محبت تھیں. غریب اور بے وسیلہ بھی تھیں۔ بہر حال یہ جانتے ہوئے بھی بچہ کوے ل
کہ بچے کا باپ نہیں ہے، جو دودھ پلائی کی ناز برداریاں کرے۔ اور دلوا اگرچہ وجاہت
رکھتا ہے لیکن ایک درجن بیٹوں اور اُن کی کثیر ذریت کی پرورش کا ذمہ دار ہونے سے آ
ہوتے پروا جبی ہی خرچ کر سکتا ہے۔

تاریخیں تو تفصیل نہیں دیتیں۔ لیکن ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ایک بدون کی کسی طر
گذرتی ہوگی۔ سال کے مختلف حصوں میں مختلف مقاموں پر خیمہ زنی، دن بھر بچوں کا او
بکریاں چرانا یا خیمے کے آس پاس آپس میں کھیلنا، عورتوں کا لکڑیاں جمع کرنا، اُون کات
کبھی صرف کھجور اور دودھ پر قناعت کرنا اور کبھی گوشت ترکاری پکانا، اور اسی طرح کی
چند سادہ ضرورتیں رکھنا۔

سیرت کی کتابوں میں اُس زمانے کے صرف دو ایک ہی واقعے درج ملتے ہیں۔ ایک
یہ کہ آنحضرت ؐ اپنی رضاعی ماں کا صرف ایک طرف کا دُودھ پیتے تھے۔ اور ماں دوسری
طرف سے پلانا بھی چاہتی تو نہ پیتے کہ وہ بھائی کا حصہ ہے۔ دوسرا واقعہ یہ کہ جب آپ ذر
اور بڑے ہوئے تو نہ معلوم کس بات پر مچل کر ایک مرتبہ اپنی بڑی دودھ بہن شیما کو جو آپ
کو کھلایا کرتی تھیں کچھ اس زور سے کاٹا کہ ان کے کندھے پر عمر بھر اس کا نشان رہ گیا
(اور اتفاقاتِ زمانہ نے اسکو شیما کے حق میں ہی مفید ثابت کیا۔) ہونہار اور تیز بچوں
کی بے قرار طبیعتیں نو عمری میں اس طرح کی معصوم شرارتوں کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہیں
معلوم ہوتا ہے کہ صحرا کی زندگی سے محنت پسندی کی عادت ہونے کے باوجود آپ
کی صحت نازک ہی رہی۔ اور خاص کر جب شہر کو آتے تو بیمار ہو جاتے اور دوبارہ جنگل کو
جانے پر بھی سنبھلنے میں عرصہ لگتا۔ چنانچہ دودھ پلائی کے ساتھ بسر کرنے کی مدت اسی ق

Marfat.com

معمول سے بہت زیادہ رہی۔

بہر حال جب شہر واپس تشریف لائے تو جلدی ہی ماں آپ کو اور خادمہ ام ایمن کو بھی ساتھ لے مدینہ گئیں، جہاں بنی النجار کی بستی میں آپ کا ننھیال تھا۔ یہ سفر ممکن ہے کہ شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے ہو۔ سکونت بھی اُسی مکان میں رہی جہاں آنحضرتؐ کے باپ کی قبر تھی۔ (اور یہ اب ۱۳۶۶ھ تک مسجد نبوی کے مغرب میں چند منٹ کے فاصلے پر موجود ہے) مکہ تو وادیٔ غیر ذی زرع ہے۔ وہاں پانی کہاں؟ مدینہ کی شاداب بستی میں بڑے بڑے کنوئیں تھے۔ چنانچہ آپ نے یہاں تیراکی اچھی سیکھ لی۔ غالباً یہ گرمی کا زمانہ ہوگا۔ ابن سعد کے مطابق آنحضرتؐ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ زمانہ یاد ہے۔ بنی النجار کے اُطم (گڑھی) کے سامنے ہم کھیلا کرتے۔ اُطم پر کوئی چڑیا آکو بیٹھتی تو اُسے اُڑانا ہمارا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ہم عمروں میں اُنیسہ نامی ایک لڑکی بھی کھیل میں شریک رہا کرتی" جب مہینہ بھر قیام کے بعد واپس ہونے لگے تو ماں کے ساتھ آپ نابغہ سے بھی راستے میں ملے اور اسی کے خیمے میں اُترے۔ (معلوم نہیں یہ قبائل انصار کا کوئی رشتہ دار فرد تھا یا مشہور شاعر) آخر الذکر نے (بروایت ابن حبیب) جاہلیت میں بھی شراب نوشی ترک کر رکھی تھی۔ اگر وہی تھا تو ایسے کردار والے نے کم سن مہمان پر اچھا ہی اثر چھوڑا ہوگا) گو بقول ابن سعد مدینے ہی میں نابغہ کے گھر میں مہینہ بھر قیام رہا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی بیان کی جاتی ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا گھریلو واقعہ بیان کرتے چلیں۔ بعد کی زندگی میں رسولِ اکرمؐ کو یاد تھا کہ آپ کی والدہ سوکھا گوشت (قدید) کھایا کرتی تھیں کہ تازہ ہر روز کہاں ملتا۔ کفایت شعاری اور سلیقہ مندی ہی ہوگی، کہ قربانی سے غیرہ مواقع کا گوشت محفوظ کرتی تھیں۔

Marfat.com

مدینے سے واپس ہو رہے تھے کہ اثنائے راہ ابواء کے مقام پر والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وہیں دفن کیا گیا۔ ماں کو اپنے اکلوتے اور یتیم بچے سے جو اُنس ہوگا وہ ظاہر ہے۔ آپ کو بھی اپنی والدہ سے اُن کی شفقت اور اپنی سعادت مندی کے باعث محبت تھی۔ اس خورد عمری میں یہ دائمی جدائی جتنی جگر پاش ہوگی ظاہر ہے۔ چنانچہ بڑی عمر میں جب کبھی آپ کو ابواء سے گذرنے کا موقع ہوتا تو آپ ماں کی قبر پر بھی ضرور حاضری دیتے۔ اور آپ کا دل بھر آتا۔

جب کسی نہ کسی طرح گھر مکہ واپس پہنچے تو ایک سو آٹھ سال کی عمر کے بوڑھے دادا کے سوا، اور کس کے ہاں آپ رہ سکتے تھے۔ دادا کو اپنے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے کی یتیم وسیر اور واحد یادگار سے یوں بھی محبت ہونی چاہیے۔ پھر آپ کی سعادت مندی اور اطاعت شعاری اور مستعدی و ذہانت وغیرہ نے سونے پر سہاگہ کر دیا تھا۔ اور درون خانہ کی بے تکلف زندگی ہی میں نہیں، سنجیدہ شہر دارانہ محفلوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب دادا قبیلے کے اہل رائے لوگوں کے ساتھ ہم بزم ہوتے اور سرداری اور حاکم عدالت پنچ کی حیثیت سے اُن کے لئے مسند بچھائی جاتی تو اس وقت بھی لاڈلا پوتا ساتھ رہتا۔ اور مسند ہی پر اپنے نے بھی جگہ چاہتا۔ لوگ منع کرتے اور کسی کونے میں بیٹھنے کو کہتے۔ لیکن دادا فوراً دخل دے کر اپنے بازو بلا لیتے اور بتاتے کہ بچے میں خود شناسی کا نادر وصف ہے اور وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بہت بڑے مرتبے والا ہوگا۔" آپ کا ادب، تمیز محفل میں پھر کوئی شکایت کا باعث نہ بنتا۔

دادا کو یہاں تک محبت تھی کہ کہتے ہیں ایک مرتبہ خشک سالی میں اپنے اس پوتے کی خوبیوں کا واسطہ دے کر خدا سے بارش کے لئے گڑگڑا گڑگڑا کر التجا بھی کی تھی۔ بروایت ابن سعد وہ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اور پوتے کو بلانے کا حکم دیتے تھے (طبقات ۱،)

Marfat.com

دادا کی شفقت و تربیت کو مشکل سے دو سال گذرے تھے کہ قدرت کو اس آٹھ سالہ دل و دماغ پر ایک اور صدمہ پہنچانا منظور ہوا۔ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپؐ دادا کے جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔

عبدالمطلب نے بسترِ مرگ پر فیاض و فراخ حوصلہ بیٹے ابوطالب کو وصیت کی تھی کہ اپنے حقیقی مرحوم بھائی عبداللہ کی یادگار کو اپنی کفالت میں لے لیں، اور پوری خبرگیری کریں۔ نئے سرپرست چچا ابوطالب کا دل تو فراخ تھا لیکن کثیر العیال ہونے سے ہاتھ تنگ تھا۔ پھر بھی وہ اپنے عزیز بھائی کی واحد یادگار کو اس محبت و شفقت سے اپنے گھر لے جاتے ہیں کہ اس کا غم غلط ہو جاتا ہے۔ اور ناخواندہ مہمان کی جو تکلیفیں ایسی صورتوں میں ہوتی ہیں پیش نہیں آئیں۔

آں حضرتؐ کام سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ اور جب چچا کے گھر کی حالت دیکھی تو اس میں ذرا بھی عار محسوس نہ کیا کہ اپنی بساط بھر روزی کمانے میں ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ آپ شہر والوں کی بکریوں کو چرانے لے جاتے تھے۔ اور مقررہ خفیف اُجرت حاصل کرتے تھے۔ بکریوں کے گلے کی چوپانی سے شفقت، چوکسی اور حکومت کی تربیت ملی ہوگی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اراک کے وہ پھل کھاؤ جو سیاہ ہو چکے ہوں۔ چوپانی کرتے وقت میں بھی کھایا کرتا تھا۔

(ابن سعد ۱/۸۰)

مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔ شہر میں مال دار بھی تھے۔ اور وقتاً فوقتاً انکی خانگی تقریبیں شہر میں چہل پہل پیدا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی ایسی ہی تقریب میں گانے بجانے کا بھی انتظام ہوا تھا جو کسی قدر نادر موقع کہا جا سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے ایک ہمکار چرواہے لڑکے سے انتظام کیا کہ وہ ایک دن کے لئے دونوں گلوں کی رکھوالی کرے (یقیناً دوسرے

Marfat.com

مواقع پر آنحضرتؐ نے بھی اس طرح اُن رفقاء کا کام کیا ہوگا) اور یہ کہ آپ شہر جا کر گانا سنیں
معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے دن تھے۔ اور جب آپ شہر پہنچے تو ابھی تقریب کو شروع ہونے
میں دیر تھی۔ آپ تقریب گاہ کے باہر سائے میں انتظار میں بیٹھے تو غنودگی سے آنکھ لگ گئی
اور جب بیدار ہوئے تو بعد از وقت تھا۔ اس قدرتی سزا کا آپ کے حساس اور غیور دل پر
بڑا اثر ہوا۔ اور پھر کبھی اس طرح فرض کی نظر اندازی اور بے سود دل بہلائی سے جی نہ لگانے کا
عہد کر لیا۔

نوعمری

متفرقات بی بی آمنہ نے اپنے شوہر عبداللہ کی جوانا مرگی پر جو دلدوز مرثیہ کہا تھا اس کے چند شعر نووی ابن سعد (۱/۲ ۶۲) وغیرہ مولفوں نے محفوظ کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے گھرانے کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی ذہنی حیثیت سے کتنا ممتاز اور بلند مرتبہ رکھتی تھیں :-

عفا جانب البطحاء من ابن ہاشم   وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم
دعتہ المنایا دعوۃ فأجابہا   وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم
عشیۃ راحوا یحملون سریرہ   تعاورہ اصحابہ فی التزاحم
فان یک غالتہ المنایا وریبہا   فقد کان معطاءً کثیر التراحم

دودھ پلائی کے پاس سے واپسی پر بقول ابن حبیب (المنمق مخطوطہ ص ۲۷) یہ شعر کہے :-

لو عصاہ ولو جفا عصاہ   دعاہ ان بہ مولاہ
شقرا ان اللہ اذ سواہ   لو لم یخلقن ردیاہ
لن یخلف المجلس

بی بی آمنہ نے اپنے مرتے وقت بھی کہتے ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر چند اشعار پڑھے جو تاریخوں نے نقل کئے ہیں۔ مگر ان کی زبان بعد کے زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ بی بی آمنہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ عسرت سے زندگی گذارتی تھیں۔ چنانچہ سوکھے گوشت کے کباب کھایا کرنا خود آں حضرتؐ سے مروی ہے۔

آنحضرتؐ کی لوری بھی مشہور ہے جو بی بی حلیمہ دیا کرتی تھیں:-

یارب اذا اعطیتہ فابقہ　　　واعلہ الی العلی وارقہ

وادحض اباطیل العدی بحقہ

ایک لوری آپ کی دودھ بہن شیما سے (جو عمر میں آپ سے بڑی تھیں اور آپ کو کھلایا کرتی تھیں) منسوب سیرۃ حلبیہ میں منقول ہوئی ہے۔ مگر اس کے مشمولات عام بچوں پر صادق نہیں آتے ہیں۔ خاص آں حضرتؐ سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک جاہل بدوی نوعمر لڑکی سے ایسی لوری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنے گھر کی مروجہ لوریاں ہی سنا سکتی تھی۔

بی بی حلیمہ کی بدویانہ زندگی میں آس پاس کے میلوں کو جایا کرنا عادی بات ہوگی۔ ایک مرتبہ آں حضرتؐ بھی نوعمری میں سوق عکاظ میں بی بی حلیمہ کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں۔ عکاظ میں خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ شعر بازی بھی، کشتی کا دنگل بھی لگتا تھا۔ جیسے ان [illegible] کی دکانیں بھی سجتی تھیں۔ بی بی حلیمہ بھی ایک نجومی عراف [illegible] بہلانے پہنچیں۔ وہ بچوں کا زائچہ بتانے سے اختصاص [illegible] کچھ واہی تباہی باتیں کی ہوں گی۔

آپ کو سات برس کی عمر میں آنکھوں میں تکلیف [illegible] آشوب چشم کا بھی ایک

Marfat.com

بار پتہ چلتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مکے میں علاج ناکام رہا، تو لوگوں کے مشورے سے آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کو عکاظ لے گئے، جہاں قریب میں ایک عیسائی خانقاہ تھی۔ وہاں کے راہب نے آں حضرت ؐ کے لئے علاج کا نسخہ تجویز کیا تھا (جیسا کہ ابن الجوزی نے لکھا ہے) قفطی نے اخبار الحکما میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو بھیج کر حارث بن کلدہ نامی طبیب کو مکے میں اپنے علاج کے لئے بلایا تھا۔ معلوم نہیں کس مرض کا ذکر ہے۔

نوعمری میں آپ اتنے ذہین تھے کہ کبھی دادا وغیرہ بزرگ کوئی چیز گھر میں کھو دیتے اور آپ کو ڈھونڈ لانے کے لئے بھیجتے تھے تو کبھی آپ خالی ہاتھ واپس نہ آتے۔ ایک دفعہ عبدالمطلب کے کچھ اونٹ کھو گئے۔ بہت کچھ ملازموں سے تلاش کے بعد دادا نے آپ کو بھیج دیا۔ لیکن جب آپ کو واپسی میں دیر ہوئی تو پریشان ہوئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے کہ سات آٹھ برس کے بچے کو کس کام پر بھیج دیا۔ اور نہ معلوم اسے پہاڑ اور وادیوں میں کیا افتاد پیش آئے۔ چنانچہ کعبے کا طواف کر کے خدا سے گڑگڑا کر آپ کی سلامتی کی دعا کی تھی۔ اور کچھ دیر بعد آں حضرت ؐ نے آ کر اونٹوں کے ملنے کی اطلاع پہنچائی، تو بوڑھے دادا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اور عہد کیا کہ آپ کو آئندہ ایسے کاموں پر نہیں بھیجیں گے۔

ابن حبیب نے کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ عبدالمطلب مکے کے ان چند لوگوں میں تھے جو شراب نہیں پیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے گھرانے میں پلنا نوعمروں کو تاثر پذیر عمر میں بہت سی برائیوں سے خود بخود ہی دور رکھنے کا باعث تھا۔ اور چچاؤں، پھوپھیوں وغیرہ کی مدہوش ہستیوں کی جو بری تربیت ہو سکتی تھی اس سے آپ محفوظ رہے تھے۔

Marfat.com

دادا کی وفات پر آپ کی عمر آٹھ سال کی بتائی جاتی ہے۔ پھر چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ ابوطالب کے ہمراہ پہلی مرتبہ آں حضرتؐ کے سفر کا پتہ آپ کی نو سالہ عمر ہی میں چلتا ہے۔ آپ کے مچلنے اور اصرار کرنے ہی پر چچا آپ کو ساتھ لے گئے ہوں گے۔ لیکن سعادت مند نوعمر جتنے چھوٹے چھوٹے بے شمار کام اپنی پھرتی سے کر کے ہاتھ بٹاتے ہیں اس کے باعث ابوطالب کو آپ کے ساتھ لینے پر پچھتاوا نہیں ہوا ہوگا۔

اس سفر میں بحیرا راہب سے آں حضرتؐ کی ملاقات بیان کی جاتی ہے۔ ابوطالب مکے سے چل کر بصریٰ پہنچے (جو بیت المقدس اور دمشق کے مابین اس زمانہ میں ایک اہم تجارتی منڈی اور کاروانی اسٹیشن تھا) یہ علاقہ چونکہ بیزنطینی رومیوں کے قبضے میں تھا اس لیے ہوشیار عیسائی پادریوں نے کوئی تعجب نہیں جو اسے تبلیغ کے لیے تاک لیا ہو۔ اور یہاں خانقاہ اور راہب بستے ہوں جو ہر نو وارد غیر عیسائی سے تپاک سے ملتے اور ان میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہوں۔ اول تو ایک نو برس کے بچے کی تعلیم و تلقین ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے اس زمانے میں عیسائیوں میں آپس کی پھوٹ اور سر پھٹول ہو رہی تھی کہ راہبوں کا آپس کی مناظرہ بازی سے اجنبیوں میں تبلیغ کے لیے وقت نکالنا مشکل ہی تھا۔ یوں بھی بحیرا راہب کا ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کو ضیافت پر مدعو کرنا، اور کھانے کے بعد رخصت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کی صحبت نہیں رہی ہوگی۔ اور زیادہ تر سالار کارواں اور معمر لوگوں ہی سے بات چیت رہی ہوگی۔ گو سب سے کم سن مہمان پر بھی شفقت اور دو چار بچوں کی سمجھ کی باتیں بھی ناممکن نہیں ہیں۔ عرب مولفوں کا یہ بیان چاہے صحیح ہو یا نہ کہ بحیرا راہب نے قیافہ سے پہچان کر آنحضرتؐ کے متعلق بیان کیا کہ آپ نبی بننے والے ہیں۔ لیکن کا سانوا اور غیر عیسائی مولف

Marfat.com

یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں عیسائی دنیا میں یہ عام عقیدہ تھا کہ ایک مسیحا اور آخری نبی جلد مبعوث ہونے والا ہے۔ اور سب لوگ اس کے انتظار میں تھے۔ ممکن ہے کہ بحیرا نے بھی اس کا ذکر کیا ہو۔ عیسائی عقیدہ بہر حال یہ نہیں تھا کہ مسیحا کی آمد حجاز میں ہوگی۔ ان حالات میں بحیرا کی گفتگو سے آنحضرت میں نبی بننے کا شوق پیدا ہونا قرین قیاس نہیں۔

بصریٰ الشام سے واپسی کے بعد دس گیارہ سال تک زندگی کیسے بسر ہوتی رہی ہمارے مؤلف ساکت ہیں۔ بہر حال اعتدال اور شرافت کی زندگی گذارنا، اپنے سرپرست چچا کا ان کے کاروبار تجارت میں ہاتھ بٹانا اور شہری زندگی میں عفاف اور غریب نوازی کے شہرے کے ساتھ شریک رہنا فرض کر لیا جا سکتا ہے۔ ابن سعد کے مطابق ابوطالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا سب مل کر "لوٹ لیتے"۔ لیکن جب چند مرتبہ دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس لوٹ میں شریک نہیں رہتا تو پھر آپ کا ناشتہ الگ اور مستقل دیا جانے لگا۔ نوعمری میں یہ سنجیدگی مستقبل کی شخصیت کی خمیر کا پتہ دے کر اپنی وقعت ابھی سے پیدا کرنا شروع کر چکی تھی۔ سیرۃ حلبیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوطالب نے مکہ والوں کی ایک بت پرستانہ عید میں حصہ لینے کے لئے آپ کو بہت برا بھلا کہہ کر مجبور کیا لیکن کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ابوطالب نے پھر کبھی آپ کو اس پر مجبور نہیں کیا۔ کلبی کی کتاب الاصنام کا واقعہ بھی غالباً اسی موقع کا جزء ہے کہ آنحضرتؐ نے جاہلیت میں ایک بھوری بھیڑ قربانی دی تھی۔

اس کے بعد عالم نوجوانی میں چند واقعات ملتے ہیں جن سے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی۔

Marfat.com

تنبیہ: (ابھی اوپر سیرۃ حلبیہ کے حوالے سے زمانۂ جاہلیت کی جس جاترا کا ذکر کیا گیا، اس کی کچھ مزید تفصیل رسول اکرمؐ کی کھلائی بی بی ام ایمن کی ایک روایت میں ملتی ہے (جو اگرچہ واقدی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے لیکن وہ قرین قیاس ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ واقدی کی ہر بات غلط ہی ہو) اور وہ یہ ہے کہ یہ بوانہ نامی بت کی سالانہ تقریب تھی۔ لوگ اس کی پوجا کے بعد سر منڈاتے تھے۔ جب وہاں جانے [illegible] سال بسال آں حضرتؐ نے انکار کیا تو ایک سال ابوطالب بھی خفا ہوئے اور [illegible] پھوپھیاں بھی۔ اور کہا کہ اپنی قوم کی عید میں شریک نہ ہونا اور مجمع کو بڑھانے [illegible] حصہ نہ لینا بڑی بری بات ہے۔ اور پھوپھیاں اتنی بضد ہوئیں کہ آنحضرتؐ [illegible] جانے پر آمادہ ہوئے۔ اور پھر غیبی حوادث پیش آئے وغیرہ۔ اور یہ سب نو عمری اور زمانہ جاہلیت کا واقعہ ہے۔ اور بفحوائے آیت ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (سورۂ شوریٰ آیت ۵۲) کبھی نبی بننے سے پہلے پیش بھی آیا ہو تو ناممکن نہیں [illegible]

نوجوانی:

حرب فجار عشر: اہل عرب نے اپنی آمدنی کے ذرائع و وسائل میں ایک محصول [illegible] عشر بھی قائم کر رکھا تھا۔ اور میلوں جاترا دل میں جو لوگ [illegible] فروخت کے لئے لاتے اس کا دسواں حصہ (عُشر) میلے کے مقام [illegible] کو آنے اور زیادہ سامان لانے کی تشویق دلانے کے لئے قدیم زمانے سے انہوں نے حرام مہینوں کا ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ مختلف قبائل کی یہ تقریبیں مختلف زمانوں میں ہوتی تھیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میلے سے پندرہ دن پہلے اور پندرہ دن بعد

Marfat.com

جملہ ایک مہینہ "حرام" سمجھا جاتا تھا۔ جس میں انتقام جوئی اور معمولی قتل و لوٹ ناجائز سمجھے جاتے تھے۔ اور دشمن بھی امن و امان سے باز دے گذر سکتا۔ قبائل مضر رجب کے مہینہ کو حرام سمجھتے۔ قبائل ربیعہ کا کوئی اور زمانہ تھا۔[1] اور کعبے کے حج اور منا کے میلے کے سلسلے میں تین مہینوں کا زمانہ حرام سمجھا جاتا تھا۔ یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، اور محرم۔

ان حرام مہینوں کی کبھی حرمت شکنی ہو جاتی تو اسے فجار یعنی بُرا کام سمجھا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ماقبل نبوت میں ایسے چار واقعے بھی بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے بظاہر دو کے وقت آپ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ ان ہنگاموں کے وجوہ و اسباب سے یہاں بحث نہیں۔ یہ عام جاہلی ہنگامے ہیں کبھی قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول، کبھی کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ، کبھی ذاتی لن ترانیاں اور کسی غیر قبیلے والے کے جواب پر خفگی اور کبھی حرام مہینوں کی تازہ حرمت شکنی کا انتقام وغیرہ۔

عرب میں ابو براء ملاعب الاسنہ نامی ایک مشہور نیزہ باز تھا۔ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک حرب فجار میں بڑی بہادری سے اس کو نیزہ مارا تھا۔ ابن ہشام نے چوتھی فجار کے متعلق لکھا ہے کہ آں حضرتؐ ان تیروں کو روکنے میں حصہ لیتے جو آپ کے چچاؤں پر ان کے دشمن نشانہ لگا کر چلاتے تھے۔ ابن سعد نے اس وقت آں حضرتؐ کی عمر بیس سال بتائی اور آپ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "میں تب وہاں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا اور کچھ تیر بھی چلائے اور مجھے پسند نہیں ہے کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔"

حلف الفضول

چوتھے فجار میں بنی ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب تھے جیسا کہ ابن حبیب نے لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ خون ریزی زیادہ ہوئی تھی۔ اور بات بھی زیادہ معمولی تھی۔ چنانچہ قریش اس پر پشیمان ہوئے اور جلدی ہی

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی نے کسی حوالے سے رمضان لکھا ہے۔

Marfat.com

ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ (جس کا ذکر نیچے آئے گا) تو فجار کی لڑائی میں جو قریشی سردار شریک ہوئے تھے، خاص کر زبیر بن عبدالمطلب (آنحضرت ص کے چچا) اور قبیلہ تیم کے عبداللہ بن جدعان نے اہل شہر کو اُس "حلف الفضول" کے تازہ کرنے کی دعوت دی، جو جرہمی دور میں (قصیّ کے مکے پر قبضہ سے پہلے) پایا جاتا تھا۔ اور یہ حرب فجار کے چند ہفتے بعد کا واقعہ ہے۔

ابن قتیبہ نے جرہمی دور کے اس ادارے کی جو مختصر توضیح کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند افراد نے ایک انجمن امداد مظلومین قائم کی تھی اور اس میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو اُن کا حق دلاتے۔

حرب فجار کے بعد عبداللہ بن جدعان کے مکان میں لوگ ضیافت کی دعوت پر جمع ہوئے۔ وہ بہت بوڑھا اور با اثر بھی تھا۔ اور بعض دفینوں کے ملنے سے بڑا مالدار بھی تھا۔ اور غالباً اسی کا مکان سب سے کشادہ بھی تھا۔ بہرحال اصل محرک کون تھا؟ اس بارے میں سہیلی وغیرہ ہمارے مورخ ایک قصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک زبیدی (یمنی) تاجر نے مکے میں اپنے ادھار بیچے ہوئے سامان کی قیمت وصول نہ ہو سکنے اور ہر کوشش کو ہارنے پر کچھ دل جلے طنز و ہجو کے شعر کہے، زبیر بن عبدالمطلب کو اس سے دل پر چوٹ لگی۔ اور انھوں نے ایسی رضاکار جماعت کی تحریک کی۔ زبیر نے اس انجمن کی تعریف میں بہت سے اشعار بھی کہے ہیں جو سہیلی نے نقل کیے ہیں۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ محرک وہی ہوں۔ اور محض ان کی کم سنی اور کم مالی کی وجہ سے ابن جدعان کی سرپرستی حاصل کی گئی ہو اور اس کے گھر میں جلسہ طلب کیا گیا

Marfat.com

اور حسب عادت ضیافت ہوئی ہو (عبداللہ بن جدعان کے قبیلہ) تیم کے اور بنی ہاشم کے معززین بھی جمع ہوئے۔ اور بنی عبدالمطلب، بنی زہرہ، اور ایک روایت میں بنی حارث بن فہر کے بھی۔ اور ان سرداروں نے حلف اٹھا کر اقرار کیا کہ وہ حدود شہر مکہ میں کسی کو کسی پر ظلم کرنے نہ دیں گے۔ اور مظلوم کو متحدہ امداد دے کر ظالم سے اُس حق دلائیں گے۔

ابن ہشام اور حُمیدی وغیرہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی روایت کی ہے کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے شریک تھا۔ اور سُرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔ اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دُہائی دے کر بچارے تو اس کی مدد کو دوڑوں" انھوں نے حلف اس پر لیا تھا کہ حقوق اُن کے مالکوں کو دلائے جائیں۔ اور کوئی ظالم کسی مظلوم پر دست درازی نہ کرے۔

مکے والوں کو اس پر بجا طور سے فخر ہو سکتا ہے کہ جس زمانے میں باقی عرب بلکہ باقی دنیا میں لاٹھی راج کا دور دورہ تھا، اس وقت انھوں نے رضاکارانہ امدادِ مظلومین کے لئے اپنی جتھا بندی کی۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے رات کی بات دن ہوتے ہوتے بھلا دی۔ بلکہ ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کی دہائی سے ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے سرغنے تھراتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمانہ اسلام میں ہجرت سے قبل بعض وقت اس میں مؤثر عملی حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ہشام میں بیان ہوا ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ اسے مستقل ادارہ بنانے اور وقت بوقت نئے ارکان کو بھرتی کرنے کی جانب توجہ

نہیں کی گئی جس کے باعث ایک ہی نسل کے بعد یہ انجمن ختم ہو گئی۔ یوں بھی اسلام آجانے کے باعث اس کی زیادہ ضرورت بھی نہ رہی۔ حلف الفضول میں شریک ہونے والوں نے جو حلف لیا وہ یہ تھا۔

خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ	باللہ لنکونن یدًا
بن جائیں گے اور وہ مظلوم کیساتھ	واحدۃ مع المظلوم علی
رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف	الظالم حتی یؤدی
اٹھا ہوا رہے گا تاآنکہ وہ (ظالم)	الیہ حقہ ما بل
اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کر دے	بحر صوفۃ وما رسی
اور یہ اس وقت تک جب تک کہ	حراء وثبیر مکانھما
سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور	وعلی التأسی فی
حرا و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں	المعاش۔
اور ہماری معیشت میں مساوات	(روض الانف)
رہے گی۔	

اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے۔ مورخ ساکت سے ہیں کہاں [illegible] کیا تھا۔ بہر حال یہ تو یقین ہے کہ مدد کو جانے والے جب اپنی جان سے [illegible] تو اپنے مال کی کیا پروا کرتے ہوں گے۔

تجارت شہر مکہ ایک "وادی غیر ذی زرع" میں آباد ہے۔ اس لئے یہاں والوں کے لئے کسی کھیتی باڑی کا کوئی سوال نہیں۔ صنعت کچھ ضرور رہی ہو گی۔ لیکن اس کے لئے خام سامان باہر ہی سے لانا ہوتا ہو گا۔ اس لئے تجارتی کاروبار

ہی اصل ذریعۂ معاش سمجھنا چاہیے۔

خاندان بنی ہاشم میں کسی صنعتی پیشے، دستکاری کا ذکر مورخ نہیں کرتے ہیں۔ تجارت میں کپڑے، غلے، چمڑے، خشک میوے، اسلحہ، عطر اور سنگار کا سامان ہی اہم شعبے تھے۔ بظاہر اول الذکر دو شعبوں ہی سے آنحضرت ؐ کے خاندان کو تعلق تھا۔

کاروانی کاروبار میں عام طور پر سو فی صدی نفع کا مؤلف ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ایک تو اس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوتی۔ اور دوسرے جوکھم بھی کافی رہتا۔ کئی ہفتوں کے مسلسل کوچ میں کچھ نہ کچھ اونٹ تھکن سے مرجاتے۔ دوران سفر میں اپنے اور جانوروں کے کھانے چارے کے اخراجات بھی گھر سے لازماً بھیجا تے محافظ دستہ الگ ساتھ لینا پڑتا۔ کیونکہ بیسیوں قبائل کی سرزمین سے گذرنے میں دشمنوں کے علاوہ اتفاقی رہزنوں کا بھی خطرہ رہتا۔ اس لئے کاروانی کاروبار اکثر سرمایہ مشترکہ کے اصول پر ہوتا۔ یعنی ایک تو کئی کئی لوگ مل کر نکلتے اور پھر ہر شخص اپنے علاوہ دوست احباب وغیرہ کا سامان نصف نفع میں شرکت یا کسی ایسی ہی شرط پر ساتھ لیتا۔ اور جتنا زیادہ سامان ساتھ ہوتا اتنا ہی سفر کے نقصان اور مصارف کی پابجائی ہوکر کچھ نفع بچ رہنے کا امکان ہوتا۔

نو دس سال کی نوعمری میں چچا کے ساتھ دادا کی وفات کے ایک ہی سال بعد کاروانی سفر میں آنحضرت ؐ کا فلسطین جانا بیان ہوچکا۔ اس کے بعد پچیس سالہ عمر سے قبل مگر کسی سفر کا مورخ ذکر نہیں کرتے۔ اس کے معنے یہ تو نہ ہوں گے کہ آنحضرت یہ پورا عرصہ بیکار اور اپنے چچا پر بار رہے۔ بلکہ حضری تجارت میں مشغول رہے ہونگے۔ یقیناً چچا کی کوئی دکان شہر میں ہوگی۔ اور اس میں آپ بھی وقت دیتے ہوں گے۔ اس کا

Marfat.com

بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف سالوں میں جب دیگر لوگ کارواں لے کر جاتے تو آں حضرتؐ اپنا سامان اُن کے سپرد کرتے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک شخص (قیس بن السائب) سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ساجھی کوئی نہ پایا۔ اگر ہم اُن کا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر وہ ہمارا استقبال کر کے صرف ہماری خیر و عافیت پوچھتے اور چلے جاتے۔ اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے۔ حالانکہ دیگر لوگ سب سے پہلی بات صرف اپنے مال کی کیفیت کے متعلق پوچھتے۔ اس کے برخلاف اگر خود وہ ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بیباق نہ کر لیتے گھر تک نہ جاتے۔ اور اسی لئے ہم میں وہ الامین (امانت دار و دیانت مند) کے لقب سے معروف تھے"

طبری نے امام زہری کے حوالے سے ایک روایت کی ہے کہ بی بی خدیجہ نے آنحضرتؐ اور قریش کے ایک اور شخص کو اجرت پر سوقِ حباشہ بھیجا۔ جو تہامہ میں ہے۔ مکے کے جنوب میں چھ دن کے راستے پر یمن کے رُخ حباشہ کاروانی راستے پر ایک مشہور مقام تھا۔ اور وہاں کا میلہ جو رجب میں تین دن لگتا تھا فلسطین کے مقابلے میں یہ قریب اور سہل الوصول بھی تھا۔ ابن سید الناس کی روایت میں بی بی خدیجہ نے آپ کو دو مرتبہ جرش بھی سامان دے کر بھیجا اور ہر دفعہ معاوضے میں ایک اونٹ دیا۔ اگر یہ جُرش ہے تو وہ مکے کے جنوب میں طائف سے کچھ آگے یمن کے رخ ایک اہم قلعہ بند شہری مملکت تھی۔ اور وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ اور اگر جَرش ہے تو وہ شرق اردن میں ایک بڑا یونانی شہر تھا۔ ممکن ہے کہ ان سفروں کی کامیابی اور آں حضرتؐ کی خوش معاملگی ہی نے بی بی خدیجہ کو اس پر آمادہ کیا ہو کہ آنحضرتؐ کو اپنا سامانِ تجارت دے کر

Marfat.com

دور دراز علاقہ فلسطین روانہ کریں۔ بی بی خدیجہ بیوہ تھیں۔ تقریباً چالیس سال کی عمر تھی دولتمندی میں شہر میں اُن کی ٹکر کی عورتیں تو کیا مرد بھی کم تھے۔ وہ تاجرہ کہلاتی تھیں اور طاہرہ کے لقب سے معروف ہونا بیان کی جاتی ہیں۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب ہی نے آنحضرت ص سے کہا تھا کہ "بیٹا کئی سال کی قحط سالیوں سے ہمارا حال خراب ہے۔ ہمارے پاس سرمایہ ہے اور نہ مالِ تجارت کہ اپنا کاروبار کریں۔ تم خدیجہ سے جا کر کہو تو ممکن ہے کہ وہ اپنا کچھ سامان تمھاری تحویل میں بھی کرے"۔ غالباً یہ اولین سفر جباشہ ہی کے موقع کا واقعہ ہے۔ اگرچہ راوی اسی کو سفر فلسطین سے متعلق کرتے ہیں۔

بہر حال ایک قریشی کارواں جب شام جانے تیار ہوا تو بی بی خدیجہ نے اپنا بہت سا سامان آں حضرت ص کی تحویل میں دیا۔ اور ساتھ اپنے غلام میسرہ کو (خدمت کے لئے) اور اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ کو بھی کر دیا۔ خزیمہ کی موجودگی ممکن ہے کہ کاروبار سیکھنے یا آنحضرت ص کو سکھانے کے لئے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال کی نگرانی کیلئے ہو۔

اس سفر میں بھی آں حضرت ص کے بُصریٰ الشام تک جانے کا پتہ چلتا ہے۔ راستے میں بحیرۂ مردار پڑتا ہے۔ جو ممکن ہے آں حضرت نے دیکھا ہو۔ اور نسطورا راہب سے (جو غالباً نسطوری فرقے کا تھا) ملاقات بیان کی جاتی ہے۔ راہبوں کے کاروانوں سے ملنے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دن بی بی خدیجہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے مکان کے اوپر کی منزل میں بیٹھی تھیں کہ ایک کاروان دور سے شہر کی طرف آتا نظر آیا۔ اور یہ آنحضرت ص ہی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی مکے میں کئی کئی منزلہ مکان ہوتے تھے، جو شہر کی گرم آب و ہوا کے باعث ضروری بھی تھے۔

Marfat.com

مورخ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت ؐ کے حسنِ انتظام اور دیانت سے بی بی خدیجہ کو توقع سے دُگنا نفع ہوا تو بی بی نے آں حضرت ؐ کو بھی وعدے سے دُگنا معاوضہ خوش ہو کر دیا۔ اصل وعدہ کہتے ہیں کہ "دو اونٹنیوں" کا تھا۔ (دو اونٹ بھر سامان یا دو سادہ اونٹ، معلوم نہیں)

ابن سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے میں وقتاً فوقتاً آں حضرت ؐ بی بی خدیجہ سے ملنے جاتے تھے، جو آپ کو بہت چاہنے لگی تھیں۔ اور کسی وقت اپنی سہیلیوں میں بیٹھی ہوتیں اور آنحضرت ؐ آتے تو بھی آپ سے ضرور ملتیں۔ ان سماجی ملاقاتوں میں اور امور کے ساتھ معاشی و کاروباری امور پر بھی گفتگو ہوتی ہو گی۔

ابوداؤد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بعثت سے قبل ایک مرتبہ کسی کاروبار کے سلسلے میں عبداللہ بن الحما سنے آپ سے کہا تھا کہ ذرا ٹھیرئیے میں ابھی آتا ہوں، پھر بھول گیا۔ تین دن کے بعد اتفاقاً ادھر سے گذرا تو آں حضرت ؐ منتظر رہے ؟ پر منتظر تھے۔ بات کا آپ کو اتنا پاس تھا۔ اخلاق کا کیا ٹھکانا کہ پھر بھی اُسے کچھ بُرا بھلا نہ کہا۔

مسند امام احمد بن حنبل (ج ۳ ص ۲۰۶) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مشرقی عرب یعنی بحرین کے (جسے آج کل الحسا کہتے ہیں) قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت کی زندگی کے اواخر میں مدینہ آکر باریاب ہوا۔ اور آں حضرت ؐ نے ان سے ان کے ملک کی بعض تفصیلیں بیان کر کے کیفیت پوچھی تو وہ لوگ حیران ہوئے کہ آپ کو اس علاقہ کا اتنا گہرا علم کیسے ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ آں حضرت ؐ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ مشقر اور دبا کے شہرہ آفاق میلوں وغیرہ میں بھی آں حضرت ؐ شاید تجارتی کاروبار کے سلسلے میں گئے ہیں

اور ممکن ہے کہ یہ بھی بی بی خدیجہ کے کارندے ہی کی حیثیت سے ہو. مگر اس کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں. ممکن ہے شادی کے بعد بھی اپنی بیوی کا سامان لے کر آنحضرت ؐ کاروبار کے لئے جاتے رہے ہوں۔

آں حضرت ؐ نے نبوت کے ابتدائی سالوں میں (ہجرت مدینہ سے قبل) جب اپنے ساتھیوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو اپنے چچازاد بھائی جعفر طیار کو نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی دیا تھا، جسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس خط کا انداز ایسا ہے جو کسی متعارف شخص کے نام ہی ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ پھر اس وقت آں حضرت ؐ کا یہ فرمانا کہ "وہ ایک ایسے بادشاہ کا ملک ہے جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" نیز حدیث میں آں حضرت ؐ سے ایک سے زیادہ حبشی الفاظ کا مروی ہونا —— یہ سب اس بات کے قیاس کا موقع دیتے ہیں کہ غالباً آپ نے کبھی حبشہ کا بھی سفر کیا تھا۔ اور نجاشی سے ملاقات بھی کی تھی۔ (جس کا موقع حضرت عمرو بن العاص رضؓ وغیرہ کو بھی اسلام سے قبل ملا تھا) حبشہ جانے کا سہل راستہ تو وہی تھا جو مہاجرین اسلام نے اختیار کیا تھا کہ شعیبہ (جدہ) میں جہاز پر سوار ہو کر بحر احمر کے دوسرے ساحل پر جا اتریں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ ایلہ (عقبہ) اور جزیرہ نمائے سینا یا شاید غزہ سے ہو کر (جہاں آں حضرت ؐ کے پردادا مدفون بھی ہیں) مصر اور پھر وہاں سے دریائے نیل کے کنارے کنارے حبشہ جائیں۔ دریا کے بہاؤ کی سہولت کے باعث حبشہ سے مصر کشتی میں آنا بھی ممکن ہے۔ اگر یہ قیاس واستنباط بے جا نہ سمجھا جائے تو آنحضرت ؐ کے بحری سفر کا بھی اس طرح امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ قرآن مجید کے اولین مخاطب آں حضرت ؐ تھے۔ اس لئے شام کے "جنت تجری من تحتہا الانہار" اور سمندری

Marfat.com

سفر کے فوائد و خطرات کا قرآن میں بار بار اور تفصیلی ذکر آنا بے وجہ نہیں سمجھا جا سکتا اور قطع کلام کے طور پر یہ عرض کرتا ہے کہ باغوں میں نہروں کا بہنا ہم ہندیوں کو سمجھ میں آتا ہے مگر باغوں کے نیچے سے نہروں کا بہنا کم از کم مجھے شام جا کر مشاہدہ کرنے سے پہلے سمجھ میں آ سکتا تھا بحری سفر وغیرہ کی خیال آرائیاں سیرت نگاروں کی شان میں بے ادبی بالکل نہیں۔

اسلام سے پہلے کے ان واقعات کے واقف اگر حدیث قلم بند ہونے کے دور سے قبل فوت ہو چکے ہوں تو تاریخ انسانی کے لئے کوئی نادر بات ہے؟ سیروا فی الارض کا قرآنی حکم دس پندرہ جگہ آیا ہے۔ جو ذات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے وہ خود اس تعلیم کی تعمیل کر چکی ہو تو اس میں قباحت تو کوئی نہیں معلوم ہوتی۔

شادی خانہ آبادی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح آں حضرت اور بی بی خدیجہ ہم میں تجارت سے ہوا اور کس طرح الامین کی امانت داری و تجربہ کار ملک کے کمال نے بہتری پیدا کر کے بڑھا کر اور روابط میں تقرب اور دلّا قاتوں کی کثرت و موانست کے پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔

ایک طرف اگرچہ چالیس سال کی عمر ہے، لیکن مالی و نعمت کی فراوانی نے حسن کو غیر معمولی طور پر برقرار رکھا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی گرم و سرد بھی دیکھا جا چکا ہے۔ اور پہلے شوہر سے اولاد بھی ہے۔ ہندالی اور دوسرے شوہر عتیق بن عائذ مخزومی سے ہند نامی لڑکی ہو چکی ہے۔ لڑکے کی عمر چونکہ جب بارہ پندرہ سال کی اور لڑکی کی آٹھ دس سال کی ہو۔ لیکن تحمل و تعلق معلوم ہوتا ہے والی دعوت کی زندگی نے وہ رعنائی باقی رکھی تھی جس نے عورت کے حسن کے پرستاروں

کی کمی نہ تھی۔ ابن حبیب نے تو ایک روایت میں بی بی کی عمر (۲۸) سال ہی بیان کی ہے جو اگر صحیح ہے تو دل کے جذبات لطیف کی حساس کیفیت اور تاثر پذیری میں کمی نہیں ہوتی۔ اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔ (دیکھو کتاب المحبر بر موقع)

دوسری طرف ایک پچیس سالہ جوان ہے۔ مست شباب گر شرمیلا، عفاف اور نکوکاری میں لاجواب، سیاہ پتلیاں، سُرخ ڈوریوں سے بھرا ہوا صدقہ، بڑی بڑی آنکھیں، چاند سا مکھڑا، گورا رنگ، گٹھا ہوا بدن، معتدل قد، لب و دنداں ایسے کہ (ہند بن ابی ہالہ کے الفاظ میں) یاقوت کی ڈبیہ میں برّاق و آبدار موتی" کشادہ پیشانی پر اسر، کمان دار بھوں جو ناک کے قریب ملے ہوتے۔ اس نگاہ کی تیزی سے خرمن ہائے دل کا کیا حال ہو جو ثریا کے جھرمٹ میں گیارہ ستارے گن سکی۔ صراحی دار گردن، سینہ اور شکم ہموار، اور بالوں سے خالی، سر کے بال نہ سیدھے نہ گھنگر والے، مگر کندھوں تک لٹیں چھوٹی ہوئیں، بھری بھری ہتھیلیاں، اور تلوے ایسے کہ ننگے پاؤں قدم رکھیں تو نشان پورا پڑتا۔ چوڑا سینہ، مضبوط ہاڑ، پتلی پنڈلیاں، باریک ہموار لیکن درمیان سے اُبھری ہوئی کمان کی طرح کی ناک، مسکراہٹ غضب کی، آواز چاندی کی گھنٹی کی طرح لوچ دار، اور لہجہ اتنا صاف کہ الفاظ میں ایک ایک حرف پوری طرح ادا ہونے والا، پیاری پیاری گھنی داڑھی، اور پھر صفائی و سنگھار کا خیال۔

اس سراپا کے ساتھ پھرتی بھی ہے، استغنا بھی، عقل و ذہانت بھی، انکساری بھی، غریب نوازی بھی ہے، دلچسپی کی جگہ دائمی سنجیدگی بھی۔ اور اگر اس پر خدیجہ طاہرہ کے بجھے ہوئے چراغ آرزو میں پھر سے تیل آ گیا اور دل ہاتھ سے چھوٹ گیا تو کون سے تعجب کی بات ہے؟!۔

Marfat.com

ہونے والی ام المومنین نے جب تک ضبط ہو سکتا تھا ضبط کیا۔ مگر دل کی آگ دماغ کی خنکی کو کتنے دن باقی رکھ سکتی۔ شروع میں کاروبار کے متعلق گفتگو اور مشورے کے نام سے بلاوے بڑھتے گئے۔ اور ساتھ ہی تحفے بھی اضافے پانے لگے، جن میں یقیناً موسمی اور فصلی تازہ میوے اور دیگر سامان بھی ہوتا ہوگا۔ آخر بی بی سے رہا نہ گیا تو ایک دن اپنی ایک پرانی منہ چڑھی اور رازدار سہیلی نفیسہ سے شرماتے جھجکتے کہہ ہی دیا کہ کیا لگن اور تڑپ پیدا ہوگئی ہے۔ نفیسہ کے متعلق طبری نے مولاۃ اور مولدہ لکھا ہے یعنی کسی غیر قوم کی لونڈی کے بطن سے مکے میں پیدا ہوئی تھی۔ اور سہیلی نے کاہنہ ہونا لکھا ہے جس سے ممکن ہے یہودی خوان مراد ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر پیام رسانی کا کون سا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ کسی شریف زادی کے مقابلے میں ایک لونڈی زادی ہی آسانی سے ایک نوجوان سے مل سکتی اور بے تکلف گفتگو کر سکتی۔ اور ممکن ہے بی بی خدیجہ سے میل جول کے باعث پہلے ہی وہ آنحضرت سے صرف متعارف ہو بلکہ بی بی خدیجہ کے معمولی پیام سلام بھی پہنچاتی رہی ہو۔

بہرحال نفیسہ ایک دن موقع سے آں حضرت سے ملتی اور یہ ذکر چھیڑتی ہے کہ تمہاری عمر کافی ہو چلی ہے۔ تم اچھے خاندان کے ہو، تمہارے اخلاق و کردار کی دھوم ہے تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اچھی سے اچھی لڑکیاں تمہیں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ نبی نے معاشی عذر کیا کہ گھر چلانا مشکل ہے۔ نفیسہ نے کہا کہ اگر کوئی لڑکی تمہیں ملے جو حسین بھی ہو، خوب مال دار بھی ہو، اعلیٰ گھرانے کی بھی ہو؟ استفسار پر بی بی خدیجہ کی نشان دہی کی گئی۔ اور یہ کہنے پر کہ بھلا وہ جس کا شہر میں ہر کوئی خواہاں ہے، مجھ مفلس کو کیوں چاہنے لگی" نفیسہ نے کہا کہ تم آمادہ ہو تو اسے آمادہ کر لینا میرا ذمہ۔ آنحضرت نے منظور کیا

ہوں گے کہ ایسی وہ دانائی اطمینان دہانی کوئی فرستادہ ہی کر سکتا ہے۔ بہرحال آپ بی بی خدیجہ سے پھر ملے۔ اور شرماتے ہوئے انداز میں کسی نہ کسی طرح اپنا عندیہ ظاہر کر دیا۔ وہاں کیسے انکار تھا۔ بہرحال باقاعدہ پیام اور عقد کا انتظام ہو گیا۔ سیرت کا قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی چاہے کنواری ہو یا دو بچوں کی ماں اسے بزرگانِ خاندان کی منظوری کی محتاج تھی۔ آں حضرت صلعم تو اپنے چچاؤں کو لے کر لڑکی کے گھر پہنچے۔ لیکن لڑکی کو ابھی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اپنے بزرگوں کو کہتی۔ غالباً یہ ڈر لگی ہوئی تھی کہ اعتراض سے تعصب برتا جائے گا۔ بی بی خدیجہ کے باپ خویلد کا حربِ فجار کے زمانے سے بھی کچھ پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اب چچا عمرو بن اسد سے اجازت لینی تھی۔ بی بی نے راز کو آخر تک راز رکھا۔ صرف نکاح کے دن ایک ضیافت کر کے جس میں گانے کی تھی، چچا کو بلوایا۔ اور کھانے کے بعد خوب پلا بھی۔ اور جب وہ نشے میں چور ہو گیا تو بی بی نے چچا پر عبا و قبا بھی ڈال دی۔ اور خلوق یعنی زعفران ملا ہوا عطر بھی مل دیا۔ اور پھر آں حضرت صلعم کو بلا بھیجا اور کہا کہ اب اپنے چچا ابوطالب سے کہہ کر ابھی یہاں آکر منگنی کر لیں۔ ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی تعریف کی اور کہا کہ شرافت و نجابت اور فضل و عقل میں قریش کا کوئی نوجوان اس کی برابری نہیں کرتا۔ دولت بے شک کم ہے۔ لیکن دولت سایہ بھی تو ایک پرچھائیں۔ آج ہے تو کل نہیں۔ اور ایک عاریت ہے۔ کبھی آئی؛ آئی تو واپس بھی چلی گئی۔ اور پھر یہاں دونوں کو قبول ہوا ہے۔ ہم جسے دل سے چاہتے ہیں اور اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ عمرو بن اسد نے نشے میں، اور ایک روایت میں بی بی کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے) اس کی تائید کی

Marfat.com

کہ بے شک محمد ایک نوجوان ہے اور اتنا شریف ہے، اس کے نکاح کے لیے لڑکی کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر ہر طرف مبارک سلامت کا غل ہوا۔ اور پھر رفتہ رفتہ دعوتی کھانا کھا کر رخصت ہو گئے۔ لیکن باقاعدہ لڑکی کی رخصتی باقی تھی۔

ایک نسخہ شام کے قریب جب عمرو بن اسد ہوش میں آیا تو کہا یہ کیسا شور اور یہ کیسے بکرے کٹ رہے اور یہ گانا بجانا کیا ہے؟ خدیجہ نے کہا: تم ہی نے تو معززین قریش کے سامنے میرا نکاح محمدؐ سے کیا ... چچا سے کچھ مختصر سی تکرار ہوئی جس سے یہ ہو کہ دھوکے کا الزام لگایا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ نکاح تو ہو چکا ہے اور لڑکی تل ہوئی ہے۔ تو اس نے بھی زیادہ انکار مناسب نہ سمجھا اور شادی خوشی کی یہ تقریب تکمیل کو پہنچی۔ بیہقی کی روایت ہے جس میں ابن ہشام [illegible] کے مطابق بارہ اوقیہ (اونس) یعنی (۴۸۰) درہم اور ایک روایت میں پانچ سو درہم کا مہر باندھا گیا۔ گھر لانے کے بعد آنحضرتؐ نے ولیمہ بھی کیا۔ اور دو ایک اونٹ کاٹے گئے۔

زمانہ جاہلیت کا یہ واقعہ انسانی فطرت کا آئینہ دار اور اس زمانہ کی ذہنیت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود آنحضرتؐ کا طرز عمل اس [illegible] خفیہ آلائش سے بھی پاک ہے۔ آنحضرتؐ علی بی خدیجہ کے مکان میں [illegible] جلدی ہی ایک بیٹا قاسم پیدا ہوا۔ لیکن وہ ابھی ذرا چلنے ہی لگا تھا کہ رضاعت کی تکمیل سے قبل ماں اور باپ کو سوگوار کر گیا۔ پھر [illegible] نکاح سے [illegible] قبل نبوت کا واقعہ ہے۔ قاسم کی ولادت غالباً [illegible] یا [illegible]

قبل نبوت ہی میں ہوئی۔ ایک اور بیٹا عبداللہ بھی کسی زمانے میں پیدا ہوا۔ جسے آپؐ نے اپنے والد کے نام سے موسوم کیا۔ اسی کو طاہر بھی کہتے ہیں۔ جو شاید بی بی خدیجہ کے لقب طاہرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی بچے کو طیب بھی کہتے ہیں۔ یہ سب غالباً محبت کے نام ہیں۔ ممکن ہے وہ روایت صحیح ہو کہ ماں نے بڑے بچے کا نام جاہلیت کے پرانے خاندانی ناموں میں سے ایک رکھا تھا[1] مسند ابن حنبل (دیکھیے ۲۲۲) کے مطابق زمانہ جاہلیت میں قریش کے ہاں گھر گھر میں بت ہوتے اور سونے سے پہلے لوگ اُن کی پوجا کرتے۔ آں حضرتؐ نے نکاح کے بعد (نبوت سے بھی پہلے) بی بی خدیجہ میں اُس کی بھی چڑ پیدا کر دی تھی۔

سماجی اور شہری زندگی

شادی کے بعد بی بی خدیجہ کو ان کے دونوں متوفی شوہروں سے جو بچے تھے وہ غالباً عرب کے رواج کے مطابق بی بی کے سُسرالوں میں رہ گئے ہوں گے۔ خاص کر اس لئے کہ بی بی کے اس نکاح کے وقت ان بچوں کی عمریں کافی بڑی ہوں گی۔ بہرحال آں حضرتؐ کی گھریلو زندگی میں ان سوتیلے بچوں کا کوئی خاص ذکر نہیں آتا اگرچہ یہ قیاس کر لیا جا سکتا ہے کہ آپ کا برتاؤ اُن کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت ہی کا رہا ہوگا۔

---

[1] بخاری کی تاریخ کبیر کے مطابق ماں نے بچے کا نام شروع میں عبدالعزیٰ رکھا تھا آنحضرت کو اطلاع ہوئی تو نام بدلوا دیا۔

Marfat.com

رضاعی ماں سے بھی آپ کو ہمیشہ محبت رہی۔ چنانچہ سہیلی نے (ص ۱۱۱) میں
لکھا ہے کہ آپ کی شادی کے بعد بھی ایک مرتبہ بڑھی دودھ پلائی آئی۔ اور اس مرتبہ
نئی دلھن بی بی خدیجہ نے خاص سلوک کیا۔ اور کئی اونٹنیاں عطا کیں جن کو لے کر
حلیمہ سعدیہ دعائیں دیتی رخصت ہوئیں۔ ابن سعد (۱/۷۱ ص) کے مطابق بی بی حلیمہ نے
قحط سالی کی شکایت کی تھی۔ اور چالیس بکریاں اور ایک اونٹ بی بی نے عطا کیا تھا۔
آپ کی گھریلو زندگی کا یہ دور کتنا خوشگوار تھا، اس کا اندازہ نہ صرف اس سے
ہوتا ہے کہ دس سال کے عرصے میں چھ سات بچے ہوئے بلکہ اس سے بھی کہ بی بی خدیجہ
کی وفات کے بعد آں حضرت ؐ ان کا جس قدر اور جس پیرائے میں ذکر فرماتے تھے
اس سے آپ کی سب سے چہیتی بیوی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بڑا رشک ہوتا تھا۔
حدیث کی کتابوں میں اس کا خاصی تفصیل سے ذکر ہے کہ آں حضرت ؐ جب گھر
میں رہتے تو بیوی بچوں سے کس قدر پیار اور محبت سے پیش آتے، ان کا دل بہلاتا،
اُن کی سمجھ کے مطابق اُن سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ ایثار و خیرات کی تربیت
دیتے رہنا اور صحیح معنوں میں شریفانہ زندگی بتانا آپ کا شیوہ تھا۔
شادی کے بعد لیکن نبوت سے پہلے کی پندرہ سالہ زندگی کس طرح گذری اس کا
اندازہ ایک سب سے زیادہ واقف کار اور عینی شاہد کے چند جملوں سے ہو سکتا ہے۔
چنانچہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں ذات امی لقب کو گھبراہٹ ہوئی تھی تو اس وقت
آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی بیوی بی بی خدیجہ فرمایا کرتی تھیں "اندیشہ مت کرو
اللہ تعالیٰ تم کو آفات میں نہ ڈالے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بجز نیکی کے اور
کچھ نہ کرے گا۔ کیونکہ تم صلۂ رحم کرتے ہو، اور حق کے کاموں پر لوگوں کی اعانت

کے ہو اور کسب کرتے ہو اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو۔"

Marfat.com

کرتے ہو، اور یتیم کو جگہ دیتے ہو، اور راست بات کہتے ہو، اور امانت میں خیانت نہیں کرتے ہو، اور عاجزوں کی دستگیری کرتے ہو، اور فقیروں کے ساتھ نیکی اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرتے ہو"

اس اقتباس سے علاوہ اور خصوصیات کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسب معیشت بھی کرتے تھے۔ اور بعض مالدار بیوی کی دولت کھا کر گزارا کرنا بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ بعض روایتوں سے غلے کے بیوپار کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے آپ کسی بیوپاری کے شریک کاروبار رہے ہوں۔

اُس زمانے میں طبری کے مطابق مکے میں ایک بار قحط پڑا۔ اور ابو طالب کا بڑا کنبہ خاص کر دشواری محسوس کرنے لگا اس وقت آں حضرت صلعم اپنے سوتیلے چچا حضرت عباس رضؓ کے پاس گئے اور فرمایا کہ اس قحط سالی میں ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ کو آپ نے اور حضرت جعفرؓ کو حضرت عباس رضؓ نے لے کر اپنے گھروں میں رکھ لیا۔ نیکی کرنے کے ساتھ نیکی پر آمادہ کرنے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔

اس قسم کے شریفانہ طرز عمل سے شہر میں آپ کے وقار کا روز افزوں ہو جانا ناگزیر تھا۔ اور اگرچہ ازرقی وغیرہ مورخین کے مطابق بلدیہ مکہ کی رکنیت چالیس سالہ عمر سے قبل کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی تھی، لیکن آپ کی فراست اور نا طرفداری پر معترین کو جو اعتماد تھا اس کا اندازہ ایک سے زیادہ شہری جھگڑوں کو سلجھانے میں آپ کے حصہ لینے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلعم کی عمر تقریباً ۳۵ سال کی تھی کہ عبادت گاہ کعبہ کی عمارت ایک آتش زدگی اور پھر طغیانی کی سیل سے متاثر ہو گئی تھی۔ شہر مکہ ایک وادی میں ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور کعبے کا مقام اس وادی کا پست ترین

Marfat.com

حصہ ہے جس کے باعث شہر میں خفیف سی بارش بھی ہو تو سارا پانی وہیں چلا آتا ہے۔ سابقہ تجربوں کے باعث کعبے کی عمارت کو عامر لجادر نامی سردار نے ایک دیوار کے احاطے میں لے لیا تھا تاکہ سیل کی زد عمارت کعبہ پر نہ پڑے۔ لیکن زیر ذکر سال بارش اتنی زیادہ ہوئی تھی کہ احاطے کی دیوار بھی اس کو روک نہ سکی تھی۔ ناگزیر نئے سرے سے بنانے کی تجویز ہوئی تھی۔ اس وقت تک کعبے کا طول و عرض نو نو ہاتھ تھا اور اونچائی قدآدم سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ اور کوئی چھت نہ تھی۔ شہر میں طغیانی تھی تو سمندر میں بھی طوفان ناگزیر تھا۔ اتفاق سے رومی تاجروں کا جہاز شعیبہ (جدہ) کے پاس سے گذر رہا تھا۔ وہ طوفان سے خشکی پر چڑھ آیا۔ اور ٹوٹ گیا۔ ازرقی کے مطابق مکے والوں کو خبر ہوئی تو باوجود اپنی جہالت کے انسانیت سے پیش آئے چنانچہ جتنے آدمی بھی زندہ بچے تھے اُن کی خبرگیری کی۔ اور جو سامان بھی وہ بچا سکتے تھے اس کو نہ صرف اچھے داموں خرید لیا بلکہ محصول درآمد بھی معاف کر دیا۔ یہاں تک کہ جہاز کی لکڑی بھی لے کر معاوضہ دیا۔ مکے میں باقوم نامی قبطی (مصری) بڑھئی کا ذکر ملتا ہے ایک روایت میں وہ بھی طوفان زدہ پناہ گزینوں میں سے تھا۔ اور اہل مکہ کے اچھے سلوک کو دیکھ کر وہیں بس گیا تھا۔ اس طرح بعض روایتوں کے مطابق جہاز کا سامان نفیس تعمیری ستونوں یعنی سنگ مرمر، لوہے، لکڑی وغیرہ پر مشتمل تھا اور ایک گرجے کی تیاری کے لئے مصر سے حبشہ جا رہا تھا۔ وہ سامان بلا طلب ہاتھ آیا۔ ایک مزید نیک فالی یہ پیش آئی تھی کہ کعبے کے تمام چڑھاوے اور نذریں کعبے کے دروازے کے پاس ہی جس اندھے کنویں میں حفاظت کے لئے لوگ ڈال دیا کرتے تھے اس میں ایک بڑا سا سانپ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اکثر نظر آ کر دہشت کا

Marfat.com

باعث بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے کعبے کی ترمیم کی تجویز کے زمانے میں سانپ ایک دن سر نکالے کنویں پر سے جھانک رہا تھا کہ ایک عقاب آیا اور جھپٹا مار کر اُسے پکڑ لے گیا۔ ان تمام قدرتی اتفاقات نے اہل مکہ کو اس پر آمادہ کیا کہ اپنی اس پرانی اور مقدس عبادت گاہ کی تعمیر میں پیسہ بھی پاک لگائیں نہ کسبیوں کی کمائی، سود کی رقم اور ظلم سے لیا ہوا روپیہ؟ اس میں شریک نہ کریں۔ کعبہ ایک چار دیواری ہے، اس کی تعمیر اب بانٹ دی گئی۔

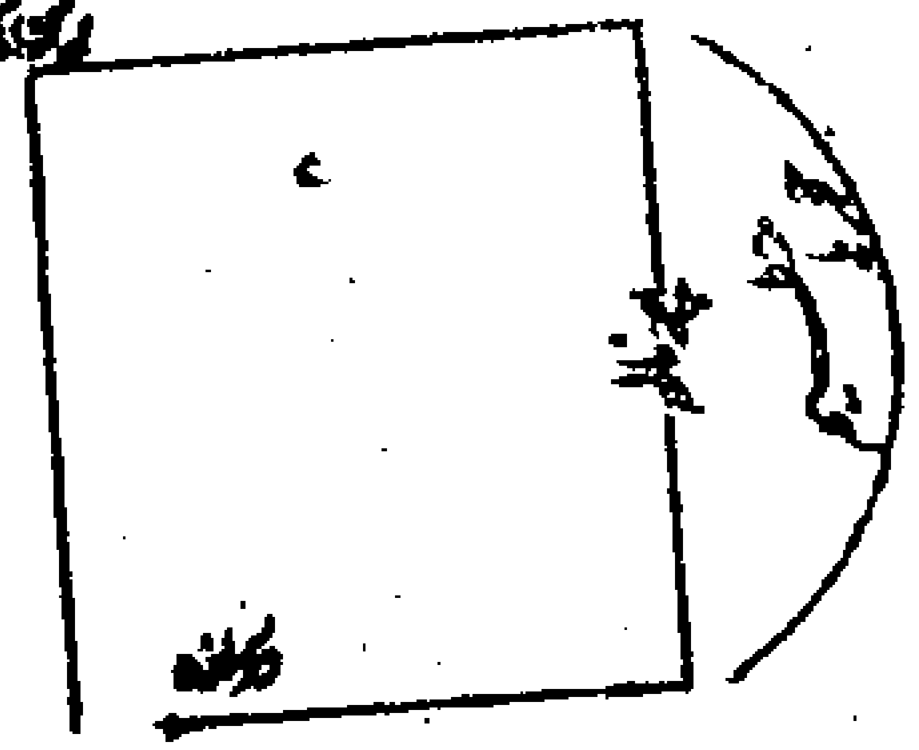

عمارت کعبہ

دروازے کے رُخ کی دیوار بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کی درمیانی دیوار کا بنی مخزوم وتیم وغیرہ نے ذمہ لیا۔ پشت کی دیوار بنی سہم اور بنی جمح نے لی، حجر یا حطیم کا رُخ بنی عبد الدار و بنی اسد اور بنی عدی نے لیا۔ پوری پرانی عمارت نہایت ادب سے اور ڈرتے ڈرتے ڈھائی گئی۔ طول و عرض بھی سابق سے دُگنا کر دیا گیا۔ اونچائی بھی بڑھائی گئی۔ اور دروازہ بھی عمارت میں اتنی بلندی پر نصب کیا گیا کہ سیڑھی کی ضرورت رہے۔ (اور دربان کے لئے آمدنی کا ذریعہ) اور اوپر چھت بھی ڈالی گئی کعبہ کا کچھ حصہ حطیم کے نام سے بغیر چھت کے نیم دائرہ شکل

کا باہر رکھا گیا۔ اور دیوار دونوں طرف سے کعبے کے ساتھ غیر متصل رکھی گئی تاکہ ہر کوئی ہر وقت وہاں جا سکے۔ اس کے اندر جانا گویا کعبے کے اندر ہی جانا تھا۔ اور معمولی معاہدہ کرنا، قسم وغیرہ کھانا ہو تو اب لوگ حطیم کو استعمال کرنے لگے اور اصل کعبے کے اندر ہفتہ میں صرف دو بار پیر اور جمعرات کو نیز خاص خاص تقریبوں کے موقع پر داخلہ دیا جانے لگا۔

غرض دیواریں اُٹھنے لگیں۔ اور تمام اہل شہر پتھر لانے اور جمانے میں حصہ لینے لگے۔ جب یہ کوئی ڈیڑھ گز اونچی ہو گئیں تو حجر اسود کو دیواریں ایسی جگہ نصب کرنے کا سوال پیدا ہوا کہ طواف کرنے والے کو وہ نظر آئے، جسے وہ بوسہ بھی دے سکے۔ حجر اسود ایک مقدس پتھر تھا۔ اس کی تنصیب ایک بڑا اعزاز تھا۔ اس لئے قبائل اس پر جھگڑنے لگے۔ اور مرنے مارنے کے لئے بھی تیار ہو گئے، جو سب سے زور کا حصہ عمارت رکھتے تھے یعنی حطیم والے انہوں نے تو ایک خون بھرا پیالہ لا کر حلف لیا کہ وہ اس اعزاز سے دست بردار نہ ہوں گے۔ اور نشان کے طور پر وہ چاٹنے لگے۔ چار پانچ دن تک تعمیر کا کام رُک گیا۔ پھر لوگ کعبے کے پاس ہی جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ایک بوڑھے (امیہ بن المغیرہ) نے مشورہ دیا کہ اس کو خدا ہی پر چھوڑ دو۔ اور اب جو شخص اس راستے سے سب سے پہلے آئے اُس کو ثالث بنا لو۔" اتفاق سے آں حضرتؐ آتے نظر آئے تو لوگ دور ہی سے چلانے لگے کہ "یہ تو امین آرہا ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں، تو محمدؐ ہے۔" آں حضرتؐ قریب پہنچے تو ماجرا آپ کو سنایا گیا۔ آں حضرتؐ چاہتے تو وہ اعزاز صرف اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر سکتے۔ مگر آپ نے فوراً ایک چادر مانگی اور اُسے بچھا کر حجر اسود کو (جو مشکل سے دس پندرہ انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے) اس پر رکھا۔ پھر جملہ قبائل کے نمائندوں سے خواہش کی کہ چادر کے کونے

Marfat.com

پکڑ کر اٹھائیں۔ اور جب وہ مقام نصب کے قریب پہنچا تو آپ نے دست مبارک سے اٹھا کر اس کو دیوار پر بٹھا دیا۔ اور اس طرح ایک طویل اور خوں ریز خانہ جنگی کے احتمال کا ہنسی خوشی سد باب فرما دیا۔ ان جھگڑالو لوگوں کے نام بھی اب کسی کو معلوم نہیں، اور نہ ان لوگوں کے جنھوں نے چادر تانی تھی۔ محمد الامین کا نام البتہ صلح جو اور صلح کل کی حیثیت سے قیامت تک یکساں عزت سے چمکتا رہے گا کہ جھگڑے کس طرح چکائے جاتے ہیں۔

اس سلسلے کا آخری واقعہ بھی ذکر کرتے چلیں مکے والوں کا لباس ایک تہمد اور ایک چادر ہوتا تھا۔ غرباء کے پاس تو چادر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس تعمیر کعبہ میں وزنی پتھر کندھے پر رکھ کر لانا پڑتا تھا تو خراش سے بچنے کے لئے بہت سے غرباء اپنے تہمد ہی کو لپیٹ کر کندھے پر گدہ بنا لیتے تھے۔ آنحضرتؐ کا کندھا بھی خراش سے متأثر نظر آنے لگا تو آپ کے چچا عباسؓ نے مشورہ دیا کہ تم بھی ایسا ہی کر لو۔ آپ نے ایسا ہی فرمایا۔ لیکن گر پڑے اور برہنگی پر اتنی شرم اور ندامت ہوئی کہ پھر اس کا کبھی ارادہ نہ فرمایا۔

جب مکعب شکل کا کعبہ تیار ہو کر خدا کے نام سے منسوب بھی ہو گیا تو اسی زمانے میں یا جلدی ہی بت پرست اہل مکہ نے اس کی آرائش و زیبائش بھی شروع کی۔ کعبے کی دیواروں پر عمارت کے اندر قسم قسم کی تصویریں بنائیں۔ چنانچہ فرشتے بھی تھے۔ اور مختلف انبیاء کے ساتھ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل بھی تیروں سے فال دیکھتے دکھائے گئے تھے۔ نیز بی بی مریم اور حضرت عیسیٰ بھی بنائے گئے۔ نیز کعبے کے اطراف تین سو ساٹھ بت بھی رکھے گئے جو تمام ہی قبائل کے تھے۔ کعبے کو اس طرح

Marfat.com

ایک ہر مذہبی دیوستھان بنا دینے سے قریش کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور سب ہی مذاہب و قبائل کے عرب کعبے کی زیارت کے لیے خوشی سے آنے لگے ہوں گے، جو تجارتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے قریش کے لئے بہت مفید ہوگا۔

لیکن خدائے واحد کے گھر کا دیوستھان بن جانا آں حضرت کے حساس اور نکار دماغ پر اثر ڈالنے لگا۔ اور آپ روز بروز شدت سے سوچنے لگے کہ یہ کیا تھا اور ہو کیا گیا!

آفتاب رسالت کا طلوع

بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر جس اعتقاد اور اہتمام سے ہوئی، اور اس کے چندوں میں ہر قسم کی حرام و مشتبہ کمائیوں سے پرہیز کر کے صرف پاک اور جائز آمدنی قبول کی گئی وہ شہر کے تو نگر اور حساس دماغوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہی ہوگی۔ اس کے احترام کا حال یہ تھا کہ لوگ وہاں جھوٹی قسم کھانے سے گھبراتے تھے۔ انتہائی اہم اور بلغی کا فیصلہ قسم کھانے ہو تو کعبہ کے حصہ حطیم میں لوگ حلف لیتے تھے۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جھوٹی قسم کھانے سے زندگی ختم، نام و نشان نابود اور گھر اُجڑ جاتا ہے۔

لیکن ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک عجیب [illegible] خدائے واحد کے اس گھر میں لا کر دیوستھان [illegible] کیا اور تین سو ساٹھ بت اس کے اندر اور اس کے ارد گرد [illegible] آ گئے تو [illegible] [illegible] ہوئے بغیر چارہ نہ تھا۔ [illegible] [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حرکت [illegible]

نہیں کہ کوئی ان کو ضرر پہنچائے تو روک بھی سکیں، وہ کس حد تک کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں! ان کا صحیح مقام قومی اور انفرادی زندگی میں کیا ہے؟ پھر یہ قصے بھی سننے میں آ رہے تھے کہ ایک غلہ پیدا کرنے والے رقبے کے باشندوں نے بجائے مٹی پتھر کے آٹے کا بڑے قد و قامت کا پتلا بنایا اور اُسے اپنا معبود ٹھہرایا اور پھر ایک سال قحط ہوا تو اسی معبود کو کاٹ کوٹ کر اور توڑ پھوڑ کر کھا گئے۔ یا جہاں لکڑی کے بت تھے تو مسافر سردی وغیرہ کے زمانے میں راتوں کو چپکے سے اپنے چولھوں کا ایندھن ان سے فراہم کر لیتے تھے۔ ایسے معبود کیا اہمیت رکھتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر نفرت پیدا کرنے والا مکے کے اندر یہ واقعہ تھا کہ اساف نامی شخص نے نائلہ کے ساتھ زنا کرنے کے لئے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے اندر چاردیواری کا آسرا پایا اور لوگوں نے شہر کے لئے اُن کے بت شہر کے دو ممتاز مقاموں پر رکھ دیئے تو چند ہی سال بعد مختلف ناواقف لوگ ان ملعون بتوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔

ایسے واقعات پر چند اعلیٰ دماغوں کا سوچ میں پڑ جانا ناگزیر تھا۔ عام اہل شہر تو بت پرست تھے۔ البتہ بعض لوگ بیرونی ممالک کے سفر سے متاثر آتے تھے۔ اور اپنے ملک کی بے سروپا بت پرستی سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اسی سلسلے میں مکے کے اندر ہی کچھ لوگ عیسائی ہو گئے تھے، کچھ مجوسی بن گئے تھے، اور کچھ دہریئے اور مادہ پرست ولامذہب ہو کر "خوش باش دمے کہ زندگانی این ست" یا "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے قائل ہو گئے تھے۔ کچھ توحید تک پہنچ گئے۔ لیکن حیران تھے کہ عبد و معبود میں رشتہ کس طرح قائم کریں۔ وہ اپنے دل کی تڑپ اشعار وغیرہ میں ظاہر کرنے لگے اور ایک مشہور شخص نے کہا کہ اے خدا تو ہی بتا کہ میں تیری کس طرح

Marfat.com

عبادت بجالاؤں، کھڑا رہوں یا جھکوں یا سجدے میں گر پڑوں۔ یا سر کے بل اُلٹا کھڑا ہو جاؤں۔ یا کسی پہلو پر پڑوں۔ مجھے کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ تو جیسا چاہے گا میں ویسا کرنے پر ہر طرح آمادہ ہوں"۔

غرض فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"۔ آنحضرت ؐ کا عام خاندان تو اہل شہر کا ہم خیال تھا۔ البتہ آپ کی بیوی خدیجہؓ کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ وقتاً فوقتاً اہل شہر میں مذہبی مسائل پر بھی گفتگو ہوتی ہوگی۔ بہرحال مختلف اسباب نے جلدی ہی اب تک حضرت ؐ کو انسان کے مقصد حیات اور خالق کائنات کے مسئلے پر متوجہ کردیا۔ غالباً چند دن آپ یوں ہی سوچتے رہے ہوں گے کبھی بیوی سے گفتگو کی ہوگی، کبھی احباب سے، کبھی بزرگان خاندان و شہر سے۔ اور کبھی سب طرف سے لاجوابی اور مایوسی دیکھ کر تنہا کسی درخت کے نیچے، کسی چٹان کے سائے میں بیٹھ جاتے اور گھنٹوں اسی طرح گذر جاتے ہوں گے۔ تحنث کرنے یعنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر کچھ عرصے کے لئے تنہا کسی غار میں جا کر چلہ بیٹھ جانے کی ترغیب یا ترکیب طبری کے مطابق مکے میں معروف و معمول چیز تھی۔ معلوم نہیں مکے میں یہ چیزیں کہاں سے آئیں۔ ممکن ہے سنت ابراہیمی کا بقایا ہو۔

بہرحال ہمارے مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ آپ شہر مکے کے باہر اپنے مکان سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلے پر حرا نامی پہاڑ کے ایک غار میں رہ جاتے تھے۔ کھانا پینا کچھ تو آپ ساتھ لے جاتے۔ اور پھر کبھی ضرورت پر عارضی طور سے گھر واپس آجاتے۔ یا آپ کی بیوی خادم یا غلام کے ہاتھ آپ کو ضرورت کا سامان تازہ بھیج دیتیں۔ یقیناً یہاں روزے اور ریاضت کا سلسلہ جاری

رہتا ہوگا۔ لیکن تفصیل معلوم نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا مسکین ادھر سے گزرتا تو آپ اپنے مختصر توشے میں اس کو بھی شریک فرما لیا کرتے اور یہ کہ مہینہ ختم ہوتا تو مکہ آکر آپ گھر جانے سے پہلے کعبے کا طواف کرتے۔

جبل حرا، (جو آب جبل نور کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ترجمہ بائبل میں فاران آیا ہے) مکے کے شمال مشرق میں منا و عرفات کو جاتے وقت بائیں ہاتھ پر سڑک سے چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ بارش سے جو سیلاب آتا ہے اس سے شہر کی حفاظت کے لیے ترکی دور میں یہاں ایک طویل پشتہ بنا کر سیلاب کے رخ کو بدل دیا گیا ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھیں تو سفید سا ایک نورانی پہاڑ ہے۔ کچھ پیچ دار پہاڑی چڑھائی کریں تو ترکوں کے لیے دعا نکلتی ہے کہ انھوں نے یہاں پانی پینے کے لیے حوض تعمیر کیے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہو کر خاصے طویل عرصے تک کام دیتا ہے۔ اور اوپر پہنچیں تو چوٹی کے قریب چند چٹانیں اور گنڈے اوپر تلے آڑے ترچھے اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ ان سے ایک مسطح فرش کے ساتھ ایک غار بن گیا ہے۔ اور چھ قدرتی سیڑھیاں سی بن گئی ہیں۔ اندر جاؤ تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ تقریباً چار گز لمبا، پونے دو گز چوڑا اور اتنا اونچا کہ ایک پورے قد کا آدمی یہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا اور اندر آرام سے پاؤں پھیلا کر سو سکتا ہے۔ وہ یہاں بارش سے بھی کافی حفاظت ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ غار جو لمبا سا مستطیل شکل کا ہے قدرۃً کعبہ رخ ہے۔ غارِ حرا میں آں حضرتؐ کا تحنث یا چلہ کشی کا سلسلہ ٹھیک کتنے سال جاری رہا باوجود تلاش مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن یہ تحنث بہر حال پانچ سال سے کم جاری نہ رہا ہوگی۔

Marfat.com

مادّی تجارب اور اُن کے نتائج کا تو آدمی بہت کچھ تذکرہ کر سکتا اور اُن کو الفاظ کا جامہ پہنا سکتا ہے۔ لیکن رُوحانی تجارب کا حواس ظاہری سے معلوم کرنا ممکن نہیں۔

آں حضرتؐ کو کیا گزری پورے طور سے کیسے بیان ہو سکتا ہے۔ بہرحال مستند روایات اور سوانح نگاروں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً دل کی خلش کو اُس سے سکون ملنے لگا ہو گا کیونکہ ہر سال اس کا اعادہ ہونے لگا تھا۔ بلکہ یقیناً اس میں زیادہ مزہ آنے لگا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ ان رُوحانی ترقیات مدارج کے سلسلے میں اوّلاً رویائے صادقہ پیش آنے لگے۔ یعنی بارہا ایسے خواب نظر آتے جن کی بعد میں جلد تعبیر نکل آتی۔ پھر رفتہ رفتہ بعض وقت آپ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ کوئی درخت یا کوئی پتھر آپ سے مخاطب ہے۔ اور آواز دے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں با معنی الفاظ کی صورت بھی اختیار کرتی گئیں۔

شروع میں اُن چیزوں سے آپ کو ڈر لگا۔ بارہا آواز پر کسی انسان کی تلاش کی مگر کوئی ہو تو نظر آئے۔ رفتہ رفتہ ان غیبی دوستوں سے انسیت بڑھتی گئی۔ ان کا انتظار رہنے اور اُن کے دوبارہ آنے پر لطف آنے لگا۔

رفتہ رفتہ دنیا سے جی اُچٹنے لیکن باہمہ وبے ہمہ رہنے کی طرف میلان ہونے لگا تزکیۂ نفس پر ارتکاز وانہماک پہلے ہی سے تھا۔ جلّی اور پاک وصاف دل پر وہ اثرات دکھنا لگا جو انسان کو انسانیت کاملہ تک پہنچاتے اور عبد ومعبود، خالق ومخلوق میں رابطہ رشتہ جوڑتے ہیں۔ ضمیر یوں تو ہر کسی کو بُرائی سے روکنے اور بھلائی کی ہدایت کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ایسے پاک ضمیر کا مخبر کتنا صحیح ہادی ومصلح نہ ہو جاتا ہو گا۔

چند سال تک اس تزکیۂ نفس اور صفائی باطن کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں

Marfat.com

بیوی بچوں اور گھربار سے تعلق بے تعلقی کا سا ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی آخری اولاد تعمیر کعبہ کے پہلے ہی پیدا ہوئی۔ بی بی خدیجہ سے پھر کوئی بچہ نہ ہوا۔

اب عمر اپنی پختگی کو پہنچی۔ چالیس سال ہونے کو آئے تو قدرت کی طرف سے وحی و الہام کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ اللہ رسولِ امی کو رب العالمین نے چاہا کہ رحمۃ للعالمین بنا دے۔

آخر پھر رمضان کا مہینہ آیا۔ چلہ شروع کر کے چند ہفتے ہو گئے تھے کہ جبریل امین خدا کا پیام پہنچانے یا وحی کا ذریعہ بننے کے لئے حاضر ہوئے اور خاتم النبیین کو عہدۂ رسالت کا جائزہ دلا دیا گیا۔ اللہم صل علی محمد

پہلی وحی کے وقت تو کوئی پاس نہ تھا۔ لیکن آنحضور (۲۳) سال تک مسلسل وحی آتی رہی۔ اور اس کا مشاہدہ کرنے والے بہت سے موجود بھی ہوتے تھے۔ بہتوں نے اپنے مشاہدے کا ذکر بھی چھوڑا ہے۔ ہم بھی تشبیہ کچھ دے کر اپنے ماحول کی چیزوں کی مدد سے کچھ کہہ سکتے ہیں۔ وحی کو ایک ٹیلیفون سمجھنا چاہئے جو خدا سے پیغمبر [illegible] [illegible] اور [illegible] کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] آپ سے بہت قریب ہے والے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہت [illegible] [illegible] سی [illegible] [illegible] آپ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رکھتی تھی اس [illegible] بعض صحابہ [illegible] [illegible] کہ [illegible] کے جاڑوں میں بھی [illegible] [illegible] آں حضرت کی پیشانی [illegible] [illegible] اونٹنی [illegible] [illegible] [illegible] بیٹھ جاتی۔ اور اگر بیٹھی نہ تو اس کے پاؤں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

جاتے گی۔ ایک مرتبہ ایسی حالت میں ایک صحابی کی مانڈی پر آپ زانو رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ بوجھ کی شدت سے حواس باختہ ہو گئے۔ اور خیال کیا کہ ران کی ہڈی بوجھ سے ٹوٹ جانے والی ہے۔

فرشتہ یا ملائکہ کے معنی "بھیجے ہوئے" یا "پیام رساں" کے ہیں۔ اور اس سے وہ مخلوق مراد لی جاتی ہے جو انسان اور خدا کے مابین رابطہ بنتی اور پیام رسانی کرتی ہے۔ رسول کریمؐ کا بیان ہے کہ پیام رساں فرشتہ (جبریلؑ) کبھی انسان کی شکل میں نظر آتا، کبھی پچھو شوں سے اڑنے والی ایک نئی نوع خلقت کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں۔

چونکہ ہی ہر شخص نبی نہیں بنتا۔ اس لئے نبوت کے یہ تعلقات بھی ہر کسی کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور ان چیزوں کو متبعین کے نقطۂ نظر سے کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ کہ وحی کس طرح آتی تھی۔ بلکہ وحی کیا آئی اور کس طرح محفوظ رہی یہی ہمارے لئے اہمیت رکھتا ہے۔

غرض سنہ … عیسوی مطابق سنہ ۱۳ قبل ہجرت م … کے رمضان میں وہ دور ختم ہو گیا جو نبوت محمدؐ کا پیش منظر تھا۔ وحی کی آمد ایک عہد آفریں واقعہ تھا جس کے آپ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اب اسی کا مطالعہ کرنا ہے۔

نبوت کا مکی دور

نبوت کا آغاز ربانی وحی سے ہوتا ہے۔ خدا [illegible] اور حکم اپنے پیغمبر [illegible] کے پاس بھیجتا ہے۔ کہ بندوں اور انسانوں تک [illegible]

Marfat.com

نہیں کہ بچہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو بچپن ہی سے اس پیشے میں مشغول دیکھ کر اس سے مانوس اور خود بخود واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک نکوکار راست باز لیکن اُمی شخص کو جب یکایک یہ اطلاع ملی کہ "تو خدا کا رسول ہے۔ اور تیرا فریضہ ہے کہ اپنی قوم کو حق و ہدایت کی طرف بُلائے" تو جو نفسیاتی کیفیت اور ذہنی ردِعمل پیدا ہوا ہوگا اُس کا تھوڑا بہت اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ جو مشہور سیرت نگار ابن اسحاق نے بیان کی ہے کہ "آں حضرت ﷺ نے اپنی بیوی خدیجہ سے کہا کہ جوں ہی میں تنہا ہوتا ہوں تو آواز سُنا کرتا ہوں جو مجھے اے محمد اے محمد کہہ کر پکارتی ہے۔ مجھے نیند نہیں بلکہ بیداری میں ایک نور سا محسوس ہوتا ہے۔ خدا کی قسم مجھے اُن بُتوں اور کاہنوں کی غیب گوئیوں سے بڑھ کر کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔ کیا میں بھی کوئی کاہن بن گیا ہوں؟ کیا مجھے آزار دینے والا کوئی جن اور شیطان تو نہیں؟"

غرض یہ خوف ناگزیر تھا کہ لوگ جھوٹا، مجنوں یا آسیب زدہ اور کاہن سمجھنے لگیں گے۔ کیونکہ مُلک میں نبوت اور خدا کی رسالت سے کوئی واقف نہ تھا۔ اور اسی بنا پر اس نازک فرق کو بھی محسوس نہ کر سکتا تھا جو شیطانی القاء اور ملکوتی الہام میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بظاہر دونوں غیب دانی کی حد تک مماثلت رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔

غمگسار بیوی نے طرح طرح سے تسلی کا سامان کیا۔ ایک طرف تو اپنے غیر متزلزل ایقان کا اظہار کیا کہ تم جیسے نکوکار اور سراپا فیض منش کو خدا کبھی آسیب وغیرہ شیطانی مصائب میں مبتلا نہ کرے گا۔ پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے

Marfat.com

پاس جو عیسائی تھے لے گئیں۔ اور انھوں نے یہ ماجرا سُن کر اطمینان دلایا کہ یہ باتیں شیطانی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ تو حضرت موسیٰ ؑ کے ناموس[1] یعنی توریت سے مشابہ ہیں۔ اور یہاں تک کہا کہ تمھارے اصلاحی کام میں اگر رُکاوٹیں اور مشکلیں پیش آئیں اور اس وقت تک میں زندہ رہوں تو ہر طرح تمھارا سینہ سپر رہوں گا۔ (یہ یاد رہے کہ خود عیسائی مورخوں کے مطابق آغاز اسلام کے وقت عیسائی عام طور پر آخری تسلی دہندے اور مسیحا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ اس پر تعجب نہ ہو) اس کے ساتھ بی بی خدیجہ نے ایک اور اطمینان دہانی اور تشفی کا ذریعہ بتایا جو بی بی کو غالباً اپنے عیسائی رشتہ داروں سے معلوم ہوا ہوگا۔ چنانچہ ابن ہشام کے مطابق بی بی نے آں حضرت سے کہا کہ جس وقت تمھیں جبریل فرشتہ نظر آنے لگے تو مجھ سے کہو۔ آں حضرت نے کچھ عرصہ بعد کہا۔ وہ مجھے اب نظر آ رہا ہے۔ بی بی نے کہا آؤ میرے دائیں پہلو میں بیٹھو۔ اور کہو، کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ تو کہا اٹھو میرے بائیں پہلو میں بیٹھو اور کہو کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ پھر آپ کو اپنے سامنے بٹھا کر وہی سوال کیا۔ آخر میں آپ کو اپنی قمیص کے اندر کھینچ کر بے تکلفی اختیار کر لی اور پوچھا کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اب نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس پر بی بی نے کہا کہ اگر وہ شیطان ہوتا تو ہماری اس شرم کے وقت ہرگز نہ ہٹتا۔ وہ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔

ابتدائی وحی کے بعد پھر کچھ عرصے تک تازہ وحی نہیں آئی۔ اور ابن اسحاق کی

[1] ناموس یونانی لفظ ہے بمعنی توریت عبرانی دونوں کے لفظی معنے "قانون" کے ہیں

Marfat.com

روایت میں یہ واقعہ (جسے اصطلاحاً فترت وحی کہتے ہیں) تین سال تک جاری رہا۔ یہ تین سال کا عرصہ نا گزیر کئی طرح سے گذرا ہوگا۔ ابتدائی زمانے میں اولین وحی کی دہشت، بعد کے زمانے میں سکون و اطمینان، پھر اس کی طرف رغبت، اور آخر میں انتظار اور بے چینی۔ اس آخری دور کے متعلق مورخین بیان کرتے ہیں کہ انتظار کی شدت اور ناکامی پر رنج کا آپ حضرت پر ایسا اثر طاری ہو جاتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے کو گرا کر جان دیدینے کو جی چاہتا تھا۔ ایسے دفور بیخودی کے وقت پھر آپ کی دنیوی آنکھوں پر پردہ چھا جاتا۔ اور چشمہائے بصیرت وا ہو جاتیں۔ اور آپ کو جبرئیل بھی نظر آ جاتے۔ اور کہتے کہ تم خدا کے سچے رسول ہو۔ اس پر آپ کا پھر اطمینان ہو جاتا اور مجاہدہ و ریاضت کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں بیوی اور گھر سے تعلق برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ راتوں کو آپ طویل عبادت کے بعد کعبے کے احاطے میں سو جایا کرتے تھے۔ دن کو عبادت اور نماز میں مشغول رہتے۔ اور تزکیہ نفس اور خدمت خلق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔

آخر ریاضت نے نفس کے آخری زنگار کو بھی صاف کر دیا۔ اور دنیا کی آخری خواہش کو بھی ختم کر دیا۔ اور ایسا انسان تیار ہو گیا جو شکل تو انسان ہی کی رکھے، لیکن اس کی ہر حرکت، ہر لفظ، اور ہر ارادہ فنا فی اللہ ہو جائے۔ یہ ہونے کے بعد آپ کو تو نہیں آپ کی بیوی کو یہ خطرہ گزرا کہ کیا خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے؟ کیا خدا اُس سے ناراض ہو گیا ہے؟ تو تربیت اور تیاری کی مدت کا آخری لمحہ بھی ختم ہو گیا اور یہ وحی آئی۔

Marfat.com

قسم ہے روزِ روشن کی اور قسم ہے شبِ تاریک کی تیرے ربّ نے
نہ تو تجھے چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔ تیرے لئے ہر آنے والی
چیز، ہر گزشتہ چیز سے بہتر ہوگی۔ اور جلد تیرا رب تجھے وہ چیز دے گا
جس سے تو خوش ہو جائے گا۔ کیا اس نے تجھے یتیم پانے کے بعد
سہارا نہیں دیا اور بھٹکا ہوا ہونے کے باوجود سیدھے راستے
پر نہیں لگایا؟ کیا محتاج پانے کے بعد مالدار اور غنی نہیں کر دیا!
تو بھی اب کسی یتیم کو نہ دبا۔ اور کسی سائل کو نہ جھڑک۔ اور اپنے
رب کی نعمت سب سے بیان کر۔" (سورۃ والضحیٰ)

"اپنے رب کی نعمت سب سے بیان کر" ——— کی ہدایت تم کی ابتدائی تعلیم بطور
رسالت کے متعلق آپ کو وصول ہوئی۔

اس ابتدائی زمانے میں جو سورے اور آیتیں نازل ہوئی تھیں ان میں سے
سورۂ اقرء میں خدائے واحد کی خلاقی کا ذکر ہو کر تمام مادہ پرستی اور دہریت کا خاتمہ
کر دیا گیا تھا۔ سورۂ مدثر میں لوگوں کو ہر قسم کی بُرائی کے بُرے انجام سے ڈرانے،
ربِّ اکبر ہی کی عبادت کرنے، نماز کے وقت جسم اور لباس کو پاک رکھنے، خدا کو
ناراض کرنے والی ہر بات (رجز) کو چھوڑنے، اور کسی بھی عنایت وغیرہ کے
بدلے احسان نہ جتانے کا حکم آیا۔ سورۂ حجر میں یہ حکم آیا کہ "تجھے جو بھی حکم دیا جاتا ہے اسے
خوب کھول کر بیان کر دیا کر اور مشرکوں کی پرواہ نہ کر۔" سورۂ شعراء میں ایک طرف
تو یہ حکم آیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ اور دوسری طرف نجومی کاہنوں
باطنوں، بتوں سے نکلنے والی آوازوں اور دیگر تمام شیطانی باتوں اور خود ساختہ

Marfat.com

شعروں اور خیال آرائیوں سے الگ قرار دے کر معترضوں کا جواب دیا گیا۔ پارۂ عم کی مختلف سورتوں میں انسان کو خدا کی وحدانیت ماننے اور نکوکار رہنے کی بار بار نئے انداز میں تاکید آئی اور دلیل و ترغیب بھی مہیا کی گئی کہ انسانی دسترس سے بالا زمین و آسمان، چاند سورج، ہوا اور سمندر، بارش اور موسم اور خود ہم انسانوں کو سوائے خدا کے کون بنا سکتا ہے۔ وہی نیست سے ہست کرتا ہے اور وہی زندوں کو موت دے کر فنا کرتا ہے۔ کیا وہی دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا، اور زندہ کر کے اس زندگی کے اعمال پر سزا و جزا نہیں دے سکتا؟ پھر نکوکاری اور بدکاری، پر جنت، دوزخ اور قیامت و حساب کتاب کے تذکرے کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح وہ اساس اور وہ اصل بنیاد مہیا کی گئی جو انسان کو اختیار رکھنے کے باوجود ضبط پر آمادہ کر سکتی ہے اور لذت کے باوجود برائی کو انسان اچھا نہیں سمجھتا۔

اسلام اور جہالت کا فرق یہی بتایا گیا کہ جاہل اچھے اور برے کا معیار اپنی لذت اور آرام کو قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح برائی بھی اچھی بات نظر آنے لگتی ہے، جو محض شیطنت ہے۔ (زین لہم الشیطان اعمالہم۔ "زین لہم سوء اعمالہم") اب ہم یہ دیکھیں گے کہ تبلیغ و دعوت رسالت کا کام کس طرح انجام پایا۔

تبلیغ رسالت

جب تک فراغت اور فراوانی نہ ہو، پیٹ کا دھندا، انسان کا ہو کہ کسی اور جانور کا،
کسی کام خاص کو "ذہنی تعیش" کی طرف توجہ کا موقع نہیں دیتا۔ اور اگر عبادات اور اوہام و
خرافات کی طرف انسان کی کچھ توجہ بھی ہوتی ہے تو روزگار میں فراوانی کی تمنا میں۔
عہد رسالت سے کئی نسل پہلے ہی سے مکے والوں نے بین الممالک تجارت
اور کاروانی کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اور سلسلہ نبوی میں ایسے کافی لوگ تھے جو انسان
کی تخلیق کی غرض و غایت اور خالق و مخلوق کے تعلقات سے دلچسپی لینے لگے تھے/ نئے سرے سے
لے رہے تھے۔ انہیں حالات میں بعثت محمدی عمل میں آتی ہے۔
ایک طرف مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی وحی کے بعد تین سال تک فترت
کا زمانہ رہا۔ یعنی پھر کوئی اور وحی نہ آئی۔ دوسری طرف ان کا یہ بھی بیان ہے کہ ابتدائی
تین سال تک مخفی تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان دونوں میں کچھ نہ کچھ تعلق ہونا چاہیئے۔
وحی کے آغاز پر رسول اکرم ﷺ نے یقیناً اپنی رازداں رفیق زندگی سے اس کا ذکر
کیا ہوگا۔ اس صفائے باطن، صاف دل کو آمنا کہنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ حضرت علی
آپ کے چچازاد بھائی تو تھے لیکن ساتھ ہی زیر پرورش طفل نابالغ بھی۔ انھوں نے
بھی اور گھر کے لونڈی غلام اور حسن سلوک کے پروردہ احسان زید بن حارثہ اور ان کی
بیوی وغیرہ بھی اسی کے بعد مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ آپ کے رفیق خاص حضرت
ابوبکرؓ سے بھی آپؐ نے ذکر کیا ہوگا، ان کو بھی تصدیق کرتے کیا دیر لگتی ہے۔

Marfat.com

تاریخ بتاتی ہے کہ اُس ابتدائی دور کے "نومسلم" یکایک اپنے اندر ایک بجلی کی رَو سے اتصال محسوس کر کے اس بے پناہ جوش سے تبلیغ خدا پرستی کرنے لگے کہ اسکی نظیر دیگر مذاہب میں کم ملتی ہے۔ عورتوں کی جدوجہد کا ہم الگ ذکر کریں گے۔ مردوں میں حضرت ابو بکر رضؓ کی کوششیں خاص طور پر کامیاب رہیں۔ ایک طرف اُن کے حلقۂ احباب میں سے زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ اور ایک روایت میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم خاص انھیں کی تبلیغ بحث و ترغیب پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور دوسری طرف انھیں نے بلال، عامر بن فہیرہ، ام عبیس، زنیرہ، نہدیہ اور لبینہ رضی اللہ عنہم متعدد مردوں اور عورتوں کو خرید کر آزاد کیا۔ یہ ظاہر یہ اس لئے خریدے گئے تھے کہ اسلام لانے کی پاداش میں اُن کے آقا ایذا رسانی کر رہے تھے۔ یہ ٹھیک طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ ان لونڈی غلاموں میں اسلام کس طرح اور کس کی کوشش سے پھیلا۔ بہرحال صدیق اکبرؓ کا "تن من دھن" اسلام کے لئے وقف ہو گیا تھا۔ اور مسلمان لونڈی اور غلاموں کو کفر کی اذیتوں سے نجات دلانے میں وہ بہت خاص مسرت محسوس کرتے تھے۔

تبلیغ کیا تھی؟ اُس زمانے کی نازل شدہ آیات و سور تہائے قرآنی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ایک ماننے، اسکے ہر طرح کے شرک سے پاک ہونے اور مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینے اور اسی کے مطابق جنت یا دوزخ کی جزا و سزا پانے پر مشتمل تھی۔ ضمناً بت پرستی کی لغویت، فرشتوں کا وجود، انھیں کے ذریعے سے خدا کا اپنے رسولوں پر وحی کرنا اور بندوں کی ہدایت کرتے

امور کرنا بیان ہوتا تھا۔ اخلاق حسنہ اور خیر خیرات کی ترغیب بھی دی جاتی تھی۔

تبلیغ کا طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی دوست یا نجس پسند ملتا تو رسول اکرم خوش الحانی سے قرآن مجید کی کچھ آیتیں اسے سناتے، پھر ان کی تشریح و توضیح کر کے پھر مخاطب کے حسب حال اسلامی اصولوں کی تفصیل بیان کرتے۔ ایک طرف خدا نے خلق و رحیم کی بے پایاں نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ دوسری طرف اس کی قدرت و قوت یاد دلا کر آخرت کے حساب و کتاب سے ڈرایا جاتا ہے۔ اسی طرح مکہ کے مروجہ اخلاق کی برائی بیان کی جاتی ہے کہ خود ہماری ہی دستکاری کے نمونے، جو خود اپنے آپ کی بھی کوئی حفاظت نہیں کر سکتے، اور نہ بول، سن حرکت کر سکتے ہیں وہ خدا یا خدا کے ہاں شفیع کیسے ہو سکتے ہیں۔

خود آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ ہی اس تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ ہے جو اس زمانے میں دی جاتی تھی۔

قرآن مجید کی تلاوت میں کچھ ایسا سحر تھا اس کے سامنے جادو بیان عرب بھی سر دھننے لگتا تھا۔ ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ اسلام کے سخت ترین مخالف بھی راتوں کو چھپ کر مسکن نبوی کے پاس جاتے اور تلاوت نبوی سے اور کچھ نہیں تو موسیقی کا لطف اٹھاتے اور کوشش کرتے کہ کوئی انہیں دیکھنے نہ پائے۔ اور بار بار راستے میں دیکھ لئے جاتے تو فضیحت بھی ہوتی۔

تاریخ طبری میں خاص کر تفصیل سے اس کا ذکر ہے کہ کب کب اور کس کس طرح رسول اللہ لوگوں کے مجامع سے استفادہ کرتے اور تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیتے۔ ابھی نماز پنجگانہ لازم نہیں ہوئی تھی لیکن ابتدا ہی سے دن میں غالباً دو بار عبادت

اور عشاء کے وقت) خدائے واحد کی عبادت ہو جایا کرتی تھی۔ مورخ کہتے ہیں کہ ابتداءً سویرے چاشت (ضحیٰ) کے وقت آں حضرت ؐ کعبے کے سامنے نماز با جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ بُت پرستی کی مذمت میں جب شدت ہوئی تو قریش نے اس سے روکنا اور اذیت دینا شروع کیا۔ اس وقت ہی کا ذکر ہوگا جو سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ آپ شہر کے باہر وادیوں اور دروں میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے۔

یہ ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ الارقم نامی صحابی کے مکان میں آپ کب اور کن حالات میں جا فروکش ہوئے۔ آپ کا مکان غالباً مرکز شہر سے ذرا دُور تھا۔ بیت الارقم کعبے سے بالکل قریب کوہ صفا پر تھا۔ اس میں کافی گنجائش تھی (وہ آج بھی موجود ہے اور ترکی دور کے تحفظ کے بعد سعودی دور میں اُس کی تزئین بھی ہوئی ہے۔ اور اس تک جانے کی تنگ گلی کو بعض دوسرے مکان توڑ کر چوڑا بھی کیا گیا ہے) اس مقدس و مبارک مکان میں تبلیغی اجتماع بھی ہوتے اور غالباً نماز باجماعت بھی ہوتی وہاں سے بیت اللہ کعبہ بھی نظر آتا۔

خود حضرت ابوبکر کا بھی اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنانا اور وہاں تلاوتِ قرآن کی محفلوں کا منعقد کیا کرنا تاریخ میں ثبت ہے۔ اُس کو سُننے کے لئے پاس پاس کے آزاد لوگ اور لونڈی غلام بھی آجایا کرتے تھے اور اُن کے سوز و گداز اور بہی خواہانہ فہمائش و تبلیغ سے متاثر ہوا کرتے تھے۔

تین برس کی سینہ بسینہ راز میں تبلیغ کے بعد علانیہ کام کا آغاز ہوا تھا۔ اور اس سلسلے میں اصابہ ابن حجر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب پہلی مرتبہ علانیہ نماز باجماعت حرم کعبہ میں ہوئی اور قریشی انداز سے مختلف طریقے کی عبادت بجا لائی گئی تو ہنگامہ مچا اور قریش

کی دست درازیوں سے ایک مسلمان حارث بن ابی ہالہ (جناب بی بی خدیجہ کے پہلے شوہر کے کسی اور بیوی کے بطن سے پیدا شدہ فرزند) اس موقع پر شہید ہو گئے اس کے بعد عرصہ دراز تک پھر حرم کعبہ میں مسلمانوں کی نماز بند ہو گئی ہوگی۔

جب مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت سعید بن زید و حضرت ابوذر جیسے بالغ العمر لوگوں کو اسلام لانے پر ان کے معمر رشتہ داروں نے مارا پیٹا اور طرح طرح کی تکلیف دی تو رسول اللہؐ کے خلاف آپ کے بزرگ قبیلہ ابو طالب کے پاس شکایتی وفود کا آنا بے جا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک وفد نے آکر ابو طالب کو نہائیہ دیا کہ اپنے بھتیجے کو یا تو بتوں کی مذمت وغیرہ سے روکئے یا پھر اپنی حمایت سے نکال دیجئے۔ ابو طالب کے سمجھانے پر آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج بھی توڑ کر لا کر رکھ دیں تو میں اپنے فریضے سے باز نہیں آ سکتا۔ اگر آپ میری حمایت نہیں کر سکتے تو بھی پرواہ نہیں۔ میں خدا کے حکم سے یہ کام انجام دے رہا ہوں۔ اور اسی کی حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ ایک اور موقع پر عتبہ نامی ایک سنجیدہ مزاج قریشی نے تنہا آکر آپ سے بحث کی اور پوچھا کہ آپ کا اس تبلیغ سے کیا منشاء ہے؟ دولت چاہتے ہو؟ خوبصورت بیویاں چاہتے ہو؟ پورے شہر کی سرداری چاہتے ہو؟ ہم ہر چیز کے لئے آمادہ ہیں۔ صرف ہمارے دیوتاؤں کی مذمت سے باز آجاؤ۔ اور ان کی پوجا کرنے والوں کے (جن میں ہمارے محترم آباواجداد بھی تھے) جہنمی ہونے کے اعلان سے دست بردار ہو جاؤ ۔ آں حضرتؐ نے جواب میں قرآن مجید کی تلاوت شروع فرمائی اس میں خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔ عتبہ اتنا متاثر ہوا کہ اسے خوف ہوا کہ کہیں وہ دھمکی

اسی لمحے پوری ہو کر خدا کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔ اس نے قسمیں دیں کہ مزید تلاوت نہ فرمائیں اور وہاں سے خاموش چلا گیا۔

اعلانِ نبوت پر چھ سال گذر گئے۔ اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا ہی گیا۔ اور جو ایک مرتبہ مسلمان ہوا پھر کوئی ترہیب یا ترغیب حتیٰ کہ سخت سے سخت ایذا رسانی بھی اس کو اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ کر سکی۔ اس سے قریش کے مشرک سرغنوں کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایذا رسانی پیغمبر بلکہ موذی کی خدمت بھی اس زمانے میں رسول اللہؐ کا ایک اصول نظر آتا ہے۔ اس سے بھی بعض غیر متوقع اور اچھے نتائج نکلے۔ مثلاً آں حضرتؐ کے چچا حمزہؓ کو ایک دن شکار سے واپسی پر اطلاع ملی کہ آں حضرتؐ کی استہزا، اور جسمانی ایذا رسانی اس روز خاص طور پر ابوجہل نے بہت کی۔ اب تک حمزہ کو اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس اطلاع پر وہ یکایک بپھر گئے۔ ہاتھ میں کمان تھی۔ اسی سے ابوجہل کو مرم کر بھرے مجمع میں مارا اور کہا کہ اچھا اب میں بھی مسلمان ہوتا ہوں۔ کسی کی ہمت ہو تو آ کر روک تھوڑا لے۔

رکانہ پہلوان کے اسلام کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ اس نے تصدیقِ نبوت کے لئے آں حضرتؐ کو کشتی لڑنے کی دعوت دی۔ اور یہ بھی کہا کہ ہار جاؤں تو میری ایک تہائی بکریاں نذر۔ اس کے اطمینان کے لئے آں حضرتؐ نے اس کو ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ پٹک دیا۔ اور اس کی ساری بکریاں بھی لے لیں۔ وہ رونے لگا تو ساری بکریاں اسے واپس دے دیں۔ اس پر وہ اتنا متاثر ہوا کہ خلوص دل سے مسلمان ہو گیا۔ (شرح سیر کبیر) یہ وہ پہلوان تھا کہ کسی چمڑے پر تن کر کھڑا ہو جاتا اور لوگ چمڑا کھینچ کر پھاڑ ڈالتے مگر اس کے قدموں کے نیچے سے نہ نکلتا۔

حضرت عمرؓ کا اسلام ایک اور نوعیت کا ہے۔ وہ نہ معلوم قریش کے کن لوگوں سے کہتے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جو آں حضرتؐ کا قصہ پاک کرے۔ انہیں خودداری و بہادری پر چونکہ محمدؐ کی پیغام اسلام کا لالچ ہوا۔ بہرحال آنحضرتؐ کو قتل کرنے اور اپنے قبیلے کو آنحضرتؐ کے قبیلے سے جنگ کے جوکھم میں ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ آں حضرتؐ کے مکان کی طرف جا رہے تھے کہ ان کے ایک رشتہ دار سے ملے [illegible] آں حضرتؐ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو جہاں تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ غصے کی حالت میں گھر آئے [illegible] مسلمان ہو گئے ہیں۔ [illegible] آگئی اور غصہ [illegible] کس کا دل ہے [illegible] سکتا ہے [illegible] ہیں۔ اور اس سے غرض [illegible] ہے۔ اب وہ کچھ مزید تفصیلات دریافت کرتے [illegible] بھی اس نفسیاتی کیفیت میں [illegible] نہیں ہو سکتا۔ [illegible] غسل کر کے آئے [illegible] ملے۔ وہ فولاد اب گرم [illegible] ملتے [illegible] ہو چلا [illegible] ہے۔ [illegible] کے بعد [illegible] رسول اللہ [illegible] کے قدم لے۔ اسی کا [illegible] تین سال تک [illegible] حضرتؐ کا [illegible] ہے۔

Marfat.com

اب سنہ نبوی کا زمانہ ہے۔ مقاطعہ برخاست ہو چکا تھا۔ لیکن بی بی خدیجہ اور ابو طالب یکے بعد دیگرے اس عام الحزن میں داغ فرقت دے جاتے ہیں۔ نئے بزرگ قبیلہ ابولہب سے پہلے بھی نہیں بنتی تھی۔ اب اس نے اعلان کر دیا کہ آں حضرتؐ کو کنبہ بدر کر دیا گیا ہے۔ مجبوراً آپ طائف قسمت آزمائی کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں تبلیغ کی مختصر کوشش اتنی ناکام رہی کہ زخموں سے چور آپ کو مکہ واپس ہونا پڑا۔ خاندان سے اب تعلق نہ تھا۔ اس لئے بعض احباب کی حمایت حاصل کر کے آپ شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ بظاہر شرط یہ تھی کہ اب شہر مکہ میں کوئی تبلیغی تقریر نہ کریں۔

مکہ میں ہر سال حج ہوتا تھا۔ اور میلے بھی لگتے تھے۔ وہاں کوئی پابندی نہ تھی۔ آپ سوق عکاظ میں بھی نظر آتے ہیں۔ سوق ذوالمجاز و مجنہ میں بھی۔ پھر شہر مکہ کے عین باہر میدان منا میں۔ پہلے سال آپ مختلف قبائل کے پڑاؤوں میں جاتے ہیں۔ مورخین کے بقول پندرہ قبیلوں سے یکے بعد دیگرے آپ وہاں ملے۔ اُن سے کہا کہ مجھے اپنی حمایت میں لے کر اپنے ساتھ لے چلو اور میری تبلیغ کی تائید کرو۔ نہ صرف دین ہی نہیں دنیا میں بھی بہت جلد قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج تمہارے قدموں میں آگریں گے۔ کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ہر اجتماع اور تخاطب کے وقت ابولہب خدائی فوجدار کی طرح پیچھے پہنچتا اور قبیلے کو آگاہ کر دیتا کہ اس مجنوں کی بات میں نہ آنا۔ ورنہ پورے قریش سے لڑائی مول لینی پڑے گی۔ آخر آں حضرتؐ منا کی مکہ شاہد واپس ہو رہے تھے کہ سوچا کہ ذرہ عقبہ میں بھی آخری کوشش کر لینی چاہیے وہاں مدینے کے چند حاجی نظر آئے۔ معلوم نہیں تفریحاً آئے ہوتے تھے، یا وہیں پڑاؤ

ڈالا تھا۔ اُن سے آں حضرت ﷺ کا ننھیالی رشتہ بھی تھا۔ یہ لوگ یہودیوں کی ہمسائیگی کے باعث پیغمبروں اور حشر و نشر کے مسائل سے مانوس بھی تھے۔ اور اس زمانے کے اہل کتاب کے اس تصور سے بھی آشنا تھے کہ ایک آخری تسلی دہندہ اور نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ وہ یہودیوں سے یہ طعنہ بھی سنتے رہتے تھے کہ جب "وہ" نبی آجائے گا تو یہودی اپنے سب دشمنوں کو مزہ چکھائیں گے۔ جنگ بعاث کے یہ ستم دیدہ نبی کی بعثت کی خبر سنتے ہیں۔ اور خود اس کے پاس جانے کی جگہ وہی ان کے پاس آتا ہے تو خوش نصیبی سے کھل اٹھتے ہیں۔ وہ فوراً اسلام لاتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے ملک میں اس کی تبلیغ بھی کریں گے۔

ان کی کوشش سے دس بارہ آدمی جو مدینے میں مسلمان ہو چکے تھے وہ دوسرے سال درۂ عقبہ میں حج کے موقع پر آں حضرت ﷺ سے ملتے ہیں۔ اور اپنے اور اپنے خاندانوں کی بیعت پیش کرتے ہیں کہ توحید و عبادت کے علاوہ زنا، سرقہ، اور قتلِ اولاد نہ کریں گے۔ کسی پر جان بوجھ کر بہتان نہ لگائیں گے۔ اور کسی بھی اچھی بات کے حکم میں آں حضرت ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے، اُن کی خواہش پر ایک مسلم مبلغ بھی ان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور وہ مدینہ جا کر جاں فشانی سے تبلیغ بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ اس [illegible] نے جس لطیف انداز میں اپنا فریضہ انجام دیا، اور [illegible] جس خوبی سے رام کیا اس کی تفصیل داستان [illegible] اس کی متحمل نہیں۔ انھیں سرداروں میں سے ایک وہ تھا جو [illegible] عمر تھا، سپاہی تند مزاج اور [illegible]

اس کو اسلام کا حریف کر دیا تو شدت تو نہ گئی لیکن رخ بدل گیا مکے میں اگر اعلان کیا کہ میرے ہاتھوں پر جو چاہے ہو تو مسلمان ہو جاؤں ورنہ مجھ سے بدتر کوئی دشمن نہیں۔ شام ہونے سے پہلے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ایک اور مثال لیجئے۔ حضرت عمیر کے ہاتھوں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے ان میں بہت سے مکے کے ہو چکے تھے اور درۂ عقبہ میں اپنے آقا و مولیٰ سے عہد کر رہے تھے کہ اگر آپ یا آپ کے مکی ساتھی مدینہ آ جائیں تو وہ ان سب کی میزبانی کریں گے اور ان کی نصرت و حفاظت گویا وہ اپنے ہی کنبے رشتے والوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آں حضرت بھی فرماتے ہیں کہ تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح، اب تم اسی گھر کا ایک فرد ہو گیا۔"

یہ معلوم تاریخ عالم کا پہلا تحریری معاہدہ عمرانی تھا جس میں چند لوگوں نے ایک فرد کو اپنا سردار بنایا اور معاہدے کے ذریعے سے حقوق و فرائض متعین ہوئے۔ پھر ہجرت عمل میں آئی ہے۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں حکومت کا بھی اولین مقصد تبلیغ دین ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کے ذرائع کام میں لائے جاتے ہیں اور مختلف وسائل ان کی حفاظت و پشت پناہی کے لئے مہیا ہیں۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ پورا انصاف ہوتا ہے لیکن انہیں محسوس کرایا جاتا ہے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی حکومت کی جگہ ایک ایسی حکومت قائم ہے جو ایک خاص نصب العین رکھتی ہے، قومی حیثیت کی کوئی برتری ان کے پیشِ نظر نہیں ہے مگر ان پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ مسلمان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کم کر دیا گیا ہے، مسلمان تاجر سے محصول درآمد نصف کر لیا جاتا

مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور غیر مسلم اگر جہاد میں سرفروشی کے لئے مانتہا اتحاد عمل نہ کرے بلکہ آرام سے گھر میں بیٹھا رہنا چاہے تو جزیہ ادا کرے۔ غیر مسلم رعیت تو بنا کر لیکن صدر مملکت اور حاکم جن سکنا اب اس کا حق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ بھی حکومت کے تصورحیات کو اپنا تصورحیات قرار دے اور گھوارے سے قبر تک زندگی کے ہر لمحے اور ہر شعبہ میں اسی تصورحیات کے لئے تن من دھن سے لگ جائے۔

اسلام آسان چیز نہیں۔ امر بالمعروف مگر نفی الانفس کی وہاں گنجائش نہیں۔ خود رسول اللہ دوسروں کو جتنا حکم دیتے تھے اس سے زیادہ نوافل کے طور پر خود کام انجام دیتے تھے۔ صدقات و خیرات کو اپنے اور اپنے کنبے کے لئے حرام کر لیا اس کا اثر کیسے دیکھتا۔

Marfat.com

رسول اکرمؐ کا تبلیغِ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا؟

تمہید اپنے بہت سے ہم وطنوں کی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نوعمری میں تجارت اور کمیشن ایجنسی کر کے اکل حلال حاصل فرمایا کرتے۔ اور خود محتاج تر ہوتے اُن کی ممکنہ دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ لیکن چالیس سال کی عمر میں ۱۳ ق ھ / ۶۱۰ء میں جب آپ تبلیغ رسالت پر مامور ہوئے تو پھر اس کے بعد آپ کا پورا وقت اصلاح و تبلیغ ہی میں صرف ہونے لگا۔ اور دن کے چوبیس گھنٹے آپ تن من دھن سے اسی فریضے کی انجام دہی میں مشغول رہنے لگے۔

دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں انبیاء کو اپنے مقدس کام میں بھی کن فیکونی کامیابیاں نہیں ہوئیں۔ ہر نئی اصلاحی تحریک کی طرح اسلام کو بھی پھیلنے میں ان گنت لوگوں سے تعاون کی ضرورت تھی۔ آج کی صحبت میں عورتوں سے اس سلسلے میں جو مدد و جہد مہیا ہوئی ان کا مختصر تذکرہ مطلوب ہے۔ ہمارے مرد مورخوں نے مواد کم چھوڑا ہے لیکن جو بھی ملتا ہے وہ سبق آموز ہے۔

خدیجہ بنت خویلد اس سلسلے میں سب سے پہلے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر ناگزیر ہے۔ آپ نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدم و ہمراز تھیں بلکہ تبلیغ اسلام کے ابتدائی اور نہایت کٹھن کام میں انمول خدمات بھی آپ نے انجام دیں۔ اگر یہ مخلص غمگسار اور رفیق بہتر و علیٰ رسول کریمؐ کو میسر نہ آتیں

تو عالم اسباب کے لحاظ سے اسلام کا آغاز معلوم نہیں ہو بھی سکتا یا نہیں۔ اور بہت سے دیگر انبیاء سلف کی طرح ختم المرسلین بھی شاید بعثت محمدی کارکردگی کے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاتے۔

غربا پروری اور محتاج نوازی ہی سے کسی آدمی کا اثر اپنے ماحول پر قائم ہوتا ہے۔ امیروں کی دعوت اور ہمسروں کی ضیافت سے مُلک میں حقیقی وقار، ہر دلعزیزی بالکل قائم نہیں ہوتی۔ لیکن غریبوں محتاجوں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جیسے کہ کہا، راوست اندر درم نیست کی بےبسی ہو۔ زمانۂ نبوت سے قبل ہی بی بی خدیجہ کی پوری دولت اپنے فیاض ہاتھوں یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کے لئے مدد و خدمت گزاری شوہر کے لئے وقف تھی جو یتیموں، محتاجوں اور بیواؤں کی بے مزد خدمت گزاری میں صرف ہوتی۔ بادشوہر کے لئے امیر و غریب سب کا احترام حاصل کروا چکی تھی۔ یہ وقار زمانۂ اسلام کی تبلیغ میں کچھ بے اثر تو یقیناً نہیں رہا ہوگا۔

اسلام کے عین آغاز پر کام کی دشواریوں اور دیگر وجوہ سے جو ہیبت رسول کریمؐ کے دل میں تھی، اس وقت ایک مونس غمگسار سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی۔ بی بی کا کوشش کرتے رہنا کہ آپ کا دل بڑھا ہے، تقاضائے بشریت سے کوئی بات ہو تو اطمینان دلانا اور حوصلہ افزائی کرنا۔ لیے گئی واقعہ تھے جو صرف انہیں سے ممکن تھے۔ اسی طرح اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل تک رجوع کرنا اسلام کے آغاز کی اطلاع کا پہنچانا، اور اس سے آں حضرت کی ملاقات کروانا یہ سب جانتے ہیں۔ بعض روایتوں میں دیکھو سیرت کراست علی، مکے میں ایک اور بھائی عداس تک اسلام کی تبلیغ کرنا انہی کی طرف منسوب ہے۔ بی بی کا خود ایمان لانا اور اپنے گھر کے تمام بیٹیوں کی

غلاموں میں اس کی اشاعت میں مدد دینا بھی شاید قابل ذکر ہے۔ بی بی کا اپنے میکے کے خاندان میں بھی ضرور اثر پڑا ہوگا۔ قریش کے مظالم، ہاشمی و مطلبی مقاطعے میں بی بی بھی شعب ابی طالب میں محصور رہیں۔ اور آپ کے بھتیجے حکیم بن حزام کا کبھی کبھی آپ کو آذوقہ بھجوانا، اور قریش کا آڑے آنے کی کوشش کرنا شاید اس کی مثال کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ کاملاً مسلمان نہ بھی ہوں تو اہل خاندان مخالفت نہیں کرتے بلکہ معاونت ہی کرتے تھے

غُزَیّہ

محمد بن حبیب البغدادی (فوت ۲۴۵ھ) نے اپنی کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ یہ خاتون مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں۔ اور بہت سی عورتیں ان کی کوشش سے مسلمان ہوئیں تو قریش بہت بگڑے۔ چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرا نشین بدوؤں میں تھیں، اس لیے ان کو خارج البلد کرنا کافی تھا۔ چنانچہ ایک قافلے کے سپرد ان کو کر دیا گیا۔ قید و بند کی حالت میں ان کے قبیلے پہنچا دیا جائے۔ قافلہ والوں نے انھیں ایک اونٹ کی ننگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا۔ بی بی کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھے کئی بار بھی کھانا پانی نہ دیا بلکہ منزل میں اترتے تو مجھے بھی باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ تین رات دن اس حالت میں گزرے تو میری حالت غیر ہوگئی۔ اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی یکایک غیب سے کوئی چیز آکر منہ کو لگی۔ کچھ پانی پیا تو ہوش آیا۔ اور سیر ہو کر پانی پیا۔ صبح لوگ اٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے۔ لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ۔ جب انھیں اطمینان ہو گیا کہ کوئی چوری نہیں ہوئی بلکہ محض خدا کا فضل اور غیبی تائید ہوئی تو وہ اس سے سخت متاثر اور تائب ہوئے،

[illegible] بی بی کی جناب [illegible] کا یہ حال تھا،
اور سب سے سب اسلام لائے [illegible]
کہ آیت اِن وَہَبَت نَفسَہَا لِلنَّبِی انہی کے متعلق [illegible]

ام شریک [illegible] سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فاطمہ بنت الخطاب [illegible]
[illegible]
معروف واقعہ [illegible] ان پڑھ [illegible]
بھی لکھ پڑھ سکتی تھیں۔

سبیعہ بنت کریز [illegible]
[illegible] حضرت عثمان [illegible]
تفصیلی بیان [illegible]
بہت [illegible] کی [illegible]
سے قبل [illegible] واقعات [illegible]
چار عورتیں [illegible]
میں حصہ لیتی تھیں [illegible]

ام سلیم بنت ملحان [illegible]
[illegible]

کے متعلق لکھا ہے کہ جب معرکہ حنین میں اسلامی فوج کے مکی رضاکار بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو فتح کے بعد طلحہ بی بی نے آں حضرت کو مشورہ دیا تھا کہ ان سب مکی مفرورین کا سر قلم کر دیا جائے۔ (بحوالہ صحیح مسلم، سیر الصحابیات)

ان کے شوہر ابو طلحہ بُت پرست تھے، اور ایک درخت کی پوجا کرتے تھے۔ یہ مسلمان ہو چکی تھیں بار بار اپنے شوہر کو جھنجوڑتی رہیں اور طعن و تضحیک کرتی رہیں، کہ جو پودا زمین کے اندر سے نکلے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ رفتہ رفتہ شوہر متاثر ہوتے اور مسلمان ہو گئے۔

(اصابہ، ابن سعد، وغیرہ بحوالہ سیر الصحابیات)

متفرقات

مسجد نبوی میں رسول کریمؐ نے وعظ کے لئے اُن کی ایک الگ محفل رکھی تھی۔ اور ہفتے میں اُس کے لئے ایک دن مخصوص کر رکھا تھا۔ چندوں کی خصوصی اپیلوں پر بھی ایسی محفلیں لبیک کہتی تھیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت بلال رضؓ صفوں میں پھر کر اُن سے چندہ جمع کرنے لگے اور خواتین اپنی بالیاں، کنگن، اور زیور اُتار اُتار کر رسول اللہ کی درخواست پر چندہ دیتی گئیں۔

عورتوں کا نرس، باورچی وغیرہ بن کر جنگوں میں رضاکارانہ جانا یہاں غیر متعلقہ ہے البتہ شاید اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ بیرون سے غیر مسلم قبائل کی سفارتیں جب مدینہ آتیں تو ابن سعد وغیرہ میں اکثر ایک انصاری عورت کے مکان کا ذکر آتا ہے کہ وہ وہاں اُترتیں اور وہیں اُن کی خوب ضیافت اور مہمانداری ہوتی تھی۔

غرض اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ تبلیغ اسلام میں عورتوں نے بھی رسول اکرمؐ کا خوب ہاتھ بٹایا۔ اپنے شوہروں کو، اپنے ملازموں، لونڈی، غلاموں کو نیز اپنے رشتہ داروں اور ملنے والی سہیلیوں کو اسلام لانے کی ترغیب دی۔ اسلام کی راہ میں اُنھوں نے طرح طرح

Marfat.com

کی تکلیفیں بھی سہیں۔ حبشہ کو ہجرت بھی کی۔ ان کی پختہ ایمانی کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ حبشہ کے عیسائی ماحول میں بی بی ام حبیبہ کے شوہر عبیداللہ بن جحش اور بی بی سودہ کے شوہر سکران اسلام سے ارتداد کر کے عیسائی ہو گئے۔ مگر یہ دونوں بیبیاں اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے اجر میں دونوں کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی دو لونڈیاں زنیرہ اور لبینہ ابتدا ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ اسلام سے قبل ان کو اس پر سخت ایذا دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ مارتے مارتے خود ہی تھک جاتے تو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم پر رحم آیا ہے بلکہ تھک گیا ہوں اس لئے چھوڑ رہا ہوں۔ ذرا سستا لوں تو پھر ماروں۔ مگر یہ تکلیف بھی ان کو گوارا تھی۔ علاوہ ازیں ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے بھی جس نے چند دن رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ چونکہ آزاد کر دی گئی تھیں اس لئے غالباً ابولہب کا بس نہ چلتا ہوگا کہ بیچاری بڑھیا کو سزا دیتا۔

یہ تو ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ شفاء بنت عبداللہ العدویہ نے کب اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی رشتہ دار تھیں اور لکھنے پڑھنے کی بھی ماہر۔ آں حضرت ﷺ نے انھیں کو مامور کیا تھا کہ اپنی بیوی ام المومنین حفصہ کو بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ یقیناً انھوں نے بھی ترویج اسلام میں خاص حصہ لیا ہوگا۔

Marfat.com

قریش سے تعلقات

رسول اکرمؐ و خلفاء کے تعلقات قریش سے اگر پوچھئے تو پوری سیرت نبوی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا آغاز بعثت کے وقت سے ہوتا ہے۔ درحقیقت پورا مکی دور ہی جو دعوت کا دور ہے اسی میں ہوا ہے۔ اس کے مختلف اجزاء مختلف ابواب میں آ چکے ہیں۔ حقیقی سیاسی تعلقات کا آغاز بیعت عقبہ ثانیہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد قریش نے آں حضرتؐ کے قتل کی سازش کر کے گویا اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا۔

ہجرت، کاروانوں کی گذرگاہ کی بندش، بدر، احد، خندق کے معرکے سب اسی سلسلے کے اجزاء ہیں۔ چونکہ عہد نبوی کے میدانِ جنگ میں ان معرکوں کا پس منظر اور نتائج کافی تفصیل سے بتلائے گئے ہیں، اس لئے یہاں ناظرین کو صرف اس کتاب کا حوالہ دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ پر دو مضمون یہاں شریک کئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی قریش سے سیاسی تعلقات پر کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش یا ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

صلحِ حدیبیہ کی فتح

یا

عہدِ نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تاریخ عالم میں ایک انقلابی تھا اور ایک عہد آفریں دور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ایران اور روم کی سلطنتیں دنیا پہ چھا جانے کی کوشش میں باہم زندگی و موت کی آویزش میں مبتلا ہو گئی تھیں ۔ اگرچہ چین اور ہند میں بھی متمدن قومیں حکمران تھیں ۔ لیکن بحر متوسط اس زمانے میں بھی نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بلکہ سیاسی و معاشی حیثیت سے "وسط الارض" (میڈی ٹرانین) تھا ۔ یونان اسی سمندر پر آباد ہے تو روم بھی ۔ مصر و شام بھی اسی کے ساحل پر ہیں تو خود عرب کی شمالی سرحدیں اسی پر ختم ہوتی ہیں ۔ ایران بھی اپنے حدود مملکت اس تک پہنچانے کی کوشش میں تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کئی بار کامیاب ہو چکا تھا ۔ قدرت نے عرب کو ایشیاء یورپ اور افریقہ کے تینوں براعظموں کے بیچوں بیچ پیدا کیا ہے اور اس عرب میں بھی مکہ آباد ساحلی علاقوں کے وسط میں واقع ہے ۔ اور یہ کوئی شاعری نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے کہ مکہ معظمہ ناف زمین پر آباد ہے ۔ اور انسانی دنیا کی کوئی عالمگیر تحریک اس سے بہتر مرکز مشکل سے پا سکتی ہے ۔ یورپ کی سردیوں ، افریقہ کی گرمیوں اور ایشیاء کی سرسبزیوں میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ حجاز کو عطا ہوا ہے ۔ اور اس امر نے وہاں والوں کو تینوں براعظموں کی اخلاقی خوبیاں عطا کر دی تھیں ۔ جنگی نقطہ نظر سے بھی اس سے صفرول تا کم مل سکتے تھے ۔

Marfat.com

سنہ ۱۲ ق ھ ۶۱۰ء میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے آبائی شہر مکہ میں اصلاح دین کی کوشش شروع فرمائی۔ اور معدودے چند لوگوں کے ہم خیال ہونے کے ساتھ ساتھ عام اہل مکہ کی دشمنی اور عملی مخالفت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر تیرہ کٹھن سالوں

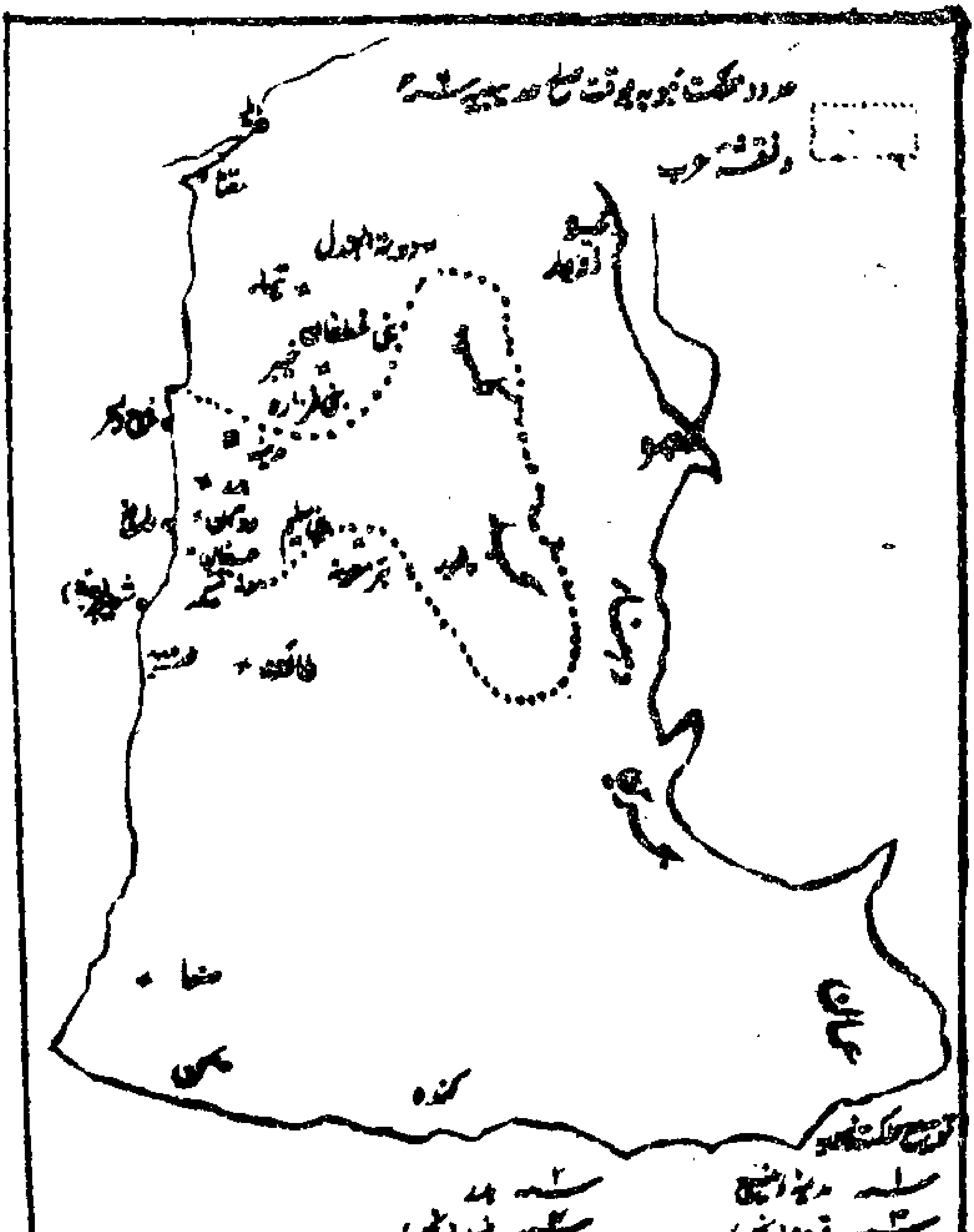

سے اختتام پر ۶۲۲ء میں آپ کو وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ منورہ جا بسنا پڑا جیسا کہ معلوم ہے۔ نزاع میں آپ نے ایک تنظیم پیدا کرنے اور ایک شہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی حاصل فرمائی جس کا تحریری دستور تاریخ نے آج تک (۵۳) دفعات کی ایک دستاویز کی صورت میں محفوظ رکھا ہے۔[1] مدینہ آنے کے چند ہی مہینوں بعد آپ آس پاس کے قبائلی علاقوں کا دورہ فرمانے اور ان سے حلیفانہ تعلقات قائم فرمانے لگے۔ چنانچہ مدینے سے ینبوع تک جو علاقہ ہے وہاں کے قبائل (بنی ضمرہ، مدلج وغیرہ) نے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر کوئی مدینے پر حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں اور اگر ان کے علاقے پر کوئی چڑھائی کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں۔ البتہ جارحانہ پیش قدمی میں غیر جانبداری برتی جائے۔[2] یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے کاروانی قافلے گذرا کرتے تھے۔ اور مکے والے اگر شام، مصر یا عراق جانا چاہتے تو اسی راستے سے گذرتے تھے۔ اس راستے کی بندش قریش پر معاشی دباؤ ڈالنے میں اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ بدر کی فاش شکست بھی انھیں اتنا بے بس نہ کر سکی۔ ۳ھ میں احد میں مسلمانوں کو صدمہ پہنچا لیکن فوراً ہی انھوں نے اس کی تلافی یوں کی کہ نجد کے علاقے میں جو مدینے کے مشرق میں ہے اپنے اثرات پھیلا دیئے۔ اور مکے والوں کو عراق جانے کا جو متبادل گو تکلیف دہ راستہ باقی رہ گیا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ [illegible] قینقاع اور بنی النضیر کے یہودی جو مدینے سے جلاوطن ہو کر خیبر پہنچ گئے تھے تو انھوں نے مدینے کے شمال میں خیبر کو یہودی بستیوں کا [illegible] بنا کر [illegible] مسلمانوں کے خلاف

---

[1] اس کے متن کے لیے میرا مضمون "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور" مجلہ طیلسانین حیدرآباد دکن، ۱۹۳۹ء

[2] اس کے متن کے لیے دیکھئے میری عربی تالیف "الوثائق السیاسیہ" (قاہرہ ۱۳۶۰ھ)

Marfat.com

سازشیں کرنی شروع کیں۔ اور قریش و غطفان وغیرہ قبائل کو ورغلانا آغاز کیا۔ عرب
کے شمال میں دومۃ الجندل ایک بڑا اہم کاروانی جنکشن تھا۔ مدینہ آنے والے کاروانوں
کو یہاں پھیر لیا جانے لگا۔ تو کوئی تعجب نہیں کہ یہودی سرمایہ داروں کے اثرات ہی کے
باعث ہوا ہو۔ انہیں یہودیوں کی کوشش سے غطفان و فزارہ نے ایک طرف سے
اور قریش اور ان کے حلیفوں نے دوسری طرف سے خندق کے موقع میں مدینے
کا محاصرہ کیا اور اہتمام کر لیا گیا کہ عین جنگ کے دوران مدینے کے اندر کے باقی یہودی یعنی
بنو قریظہ بھی غداری کریں۔ جب کسی طرح یہ مشکل ٹلی اور بنی قریظہ کو ٹھکانے لگانے کی ضرورت
پڑی تو خیبر و تیماء اور وادی القریٰ و مقنا وغیرہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف
نئے سرے سے شدید جدوجہد کا آغاز کیا۔

مسلمانوں کے لیے بڑا نازک زمانہ تھا۔ شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز
تھے۔ شمال مشرق میں فزارہ و غطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے۔ اور
ان کی مسلمانوں سے ٹھنی ہوئی تھی۔ اور جب موقع ملتا مسلمانوں کی تاخت کے درپے
رہتے تھے۔ جنوب میں مکہ تھا۔ جس کی قوت چاہے معاشی طور سے متاثر ہوئی ہو،
جنگی حیثیت سے برقرار تھی۔ اور یہ سب کے سب غم و غصہ سے بے قرار ہو کر
مسلمانوں کے خلاف ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اور سب ناکامیوں کی جلن الگ تھی۔ آثار
بظاہر آ رہے تھے کہ خیبر میں جا بسے ہوئے (جلاوطنان مدینہ یعنی) بنی النضیر کی کوششیں
رنگ لائیں گی، اور یہود، غطفان اور قریش کی سہ گانہ قوت مدینے پہ حملہ کر دے گی،

۱؎: تمدن یہود و اشراف لغوی صفحہ ۱۲۳۔ ۲؎: عیینہ بن حصن الفزاری کا تاخت مدینہ
وغیرہ کی طرف اشارہ ہے

Marfat.com

جس کی مدافعت آسان نہ تھی۔ معرکہ خندق میں دس ہزار کا لشکر مدینے پر چڑھ آیا تھا۔ جس میں یہود شریک نہ تھے۔ مجوزہ حملے میں کچھ نہیں تو تین چار ہزار مزید سپاہیوں کا اضافہ ہو جاتا۔ خندق میں جوان اور بچے ملا کر مسلمانوں کے پاس کوئی تین ہزار آدمی تھے اور ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔

ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقت واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کر سکتے۔ اور کم از کم مدینے کی مدافعت کے قابل محافظ دستہ چھوڑ کر کسی ایک مرکز کو تباہ کر سکنے والی فوج روانہ کر سکتے۔ ساتھ ہی اس کا بھی خوف لگا ہوا تھا، (جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے کتاب المبسوط میں نہایت بلیغ نظری انداز میں سے واضح کیا ہے) کہ اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر و غطفان مدینے پر چڑھ دوڑیں۔ اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکے والے اپنے حواشی و موالی کے ساتھ آکر مدینہ لوٹ لیں۔ کیونکہ مدینہ بھی بیچ میں واقع ہے۔ خیبر اس کے شمال میں کوئی پانچ منزل کی مسافت پر ہے تو مکہ اس کے جنوب میں بارہ منزل پر ہے۔

ان حالات میں سیاست مدانی کا اقتضا یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی

ف جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ نیز ملاحظہ ہو کتاب شرح السیر الکبیر للامام محمد الشیبانی جلد اول صفحہ ۲۰۱ جہاں ذکر ہے کہ خیبر والوں میں ایک معاہدے کے ذریعے گٹھ جوڑ کا ذکر ہے۔ ... من اہل خیبر ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجہ الی احد الفریقین ... الآخر علی المدینۃ ... اہل مکۃ ... الی خیبر۔

Marfat.com

ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم غیرجانبدار بنا دیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہو جائے گی تو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا اور پھر اُسے سرزوری کی جرأت نہ ہوگی۔ سوال یہ تھا کہ صلح مکے والوں سے کی جائے یا خیبر والوں سے۔ خیبر کے حلیف و معاون یعنی فزارہ و غطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ خیبر میں یہودی تھے، جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے۔ ان کو اپنی جلاوطنی اور جائداد کے لٹنے کا داغ تھا جو جائداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا۔ سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی مابہ الاحتکاک اُن کو مطمئن نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی اُن کی بات پر کوئی اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ خیبر کا مالدار مرکز ایک نسبتاً غیر جنگجو قوم کے قبضے میں ہونے سے آسان مال غنیمت بھی تھا۔

دوسری طرف مکہ مسلمانوں کے لئے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا مسلمان مہاجرین سب مکی ہی تھے۔ اور اہل مکہ اُن کے رشتہ دار۔ کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزل مقصود تھا۔ اہل مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے۔ اور ان کی صلاحیتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیونکہ ان میں بات کا پاس تھا۔ وہ دشمن کے پکے تھے۔ قومی مفاد کے لئے تن من دھن سے لگ جاتے تھے طبیعت مہمان پسند تھی، ادبی ذوق اور انتظام ملک کی قابلیت و سلیقہ بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اور شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی معاشی دباؤ کے باعث اب وہ داخلی صلح پر آمادہ بھی ہو چکے تھے۔ اور صرف ملازمت کی

کے لئے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا۔ اور مکے والوں کی پیداوار کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی۔[1] رسول کریم نے اس بندش کا اثر محسوس کرانے کے بعد بذات خود مرضی اور اختیار سے ممانعت ختم کر دی[2] اور مکے والوں سے غرباء و فقراء کی امداد کے لئے سرمایہ بھیجا۔ اسی زمانے میں پانچ سو اشرفیاں روانہ کر کے وہاں کے عوام کے دل موہ لئے تھے۔ اور مکے کے سب سے بڑے اور بااثر سردار ابو سفیان کی لڑکی بی بی ام حبیبہ سے جو حبشہ گئی ہوئی تھیں آپ نے غائبانہ عقد غائبانہ کر لیا تھا۔ نیز مختلف ضرورت کی چیزیں ابو سفیان کو ہدیۃً بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں۔[3] غرض باوجود حالت جنگ قائم رہنے کے یہ خاموش دلداری کے کام جاری تھے۔ قریش کے لئے بیچ کا زمانہ بھی آگیا تھا جس میں وہ مسلسل نہیں بلکہ اکا دکا لڑائی بھڑائی جاری رکھتے اور اس میں ان کا سخت ترین دشمن یعنی قابل قصاص ملزم بھی ان کے شہر میں انھیں ملتا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قریش ہی کے کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور حج کعبہ کو بھی اپنے دین کا جزو بنا لیا تھا جس کا نفسیاتی اثر قریش پر پڑے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۹۷-۹۹۸، استیعاب ابن عبد البر، سوانح ثمامہ [illegible]
[illegible]

[2] مبسوط سرخسی جلد [illegible] ص ۹۱ تا ۹۲۔ شرح السیر الکبیر سرخسی جلد ۱ ص ۶۹۔

[3] [illegible] جلد ۱ [illegible] السیر الکبیر [illegible] ص ۷۰۔

Marfat.com

ان حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ نے یہ سوچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکہ جائیں، اور ارادہ طواف کعبہ اور قربانی و عمرہ کے لئے ہو اور قریش کو منہ مانگی شرطیں پیش کی جائیں تو کوئی تعجب نہیں جو وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں۔ اور اتفاق سے اسی زمانے میں نینوی کے مقام پر ایران و روم کی صدیوں سے چلی آنے والی جنگ ایران کی مکمل اور قطعی شکست پر منتج ہوئی تھی[1] اور کچھ اور نہیں تو عرب میں جو "لاوارث" ایرانی صوبے مثلاً یمن، بحرین اور عمان تھے وہاں کے متعلق حسب دلخواہ کارروائی کرنے کا اس بین الممالک صورت حال کے باعث ایک خداداد اور نادر موقع بھی ہاتھ آگیا تھا۔ یمامہ پر قبضے کے باعث مسلمان پہلے ہی بحرین و عمان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ قریش کا ہموار ہونا یمن کا راستہ بھی کھول دیتا تھا۔ اور رومیوں کی نینوا میں کامیابی ابھی فی الحال شمال میں کسی بڑی کارروائی میں مانع تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ مدینے میں قابل کار مسلمان مرد تقریباً تین ہزار تھے۔ اب ذی قعدہ کے مہینے میں رسول کریمؐ چودہ سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے چلتے ہیں۔ حج کا احرام باندھا ہوا ہے، ساتھ قربانی کے جانور ہیں۔ اور ہتھیار محض مسافرانہ ہے یعنی ساتھ جنگی ہتھیار تک نہیں ہیں۔ (البتہ کچھ دور جانے کے بعد حضرت عمرؓ کے مشورے سے احتیاطاً مدینے سے فوجی مخزن منگا لیا جاتا ہے[2]۔ جو ساتھ تو رہتا ہے مگر بند رہتا ہے۔) مسلمان کافی فوج مدینے میں چھوڑ گئے تھے اور خاموشی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس برائے کشف حال کے لئے پیشگی بھیج دیا گیا تھا اس نے آکر

---

[1] دیکھئے گرلانڈ کی جرمن کتاب: قیصر ہرقل کی جنگی مہم۔ Gerland. Persische Feldzuge des Kaisers Heraklius

[2] تاریخ طبری، ص ۱۵۳۱۔

اثنائے راہ میں اطلاع دی کہ قریش کو پتہ چل گیا ہے۔ اور وہ مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور احابش وغیرہ حلیف قبائل کو بھی جمع کر رہے ہیں۔ آں حضرت نے فوراً ایک جلسۂ شوریٰ کر کے سب سے دریافت کیا کہ آیا حسب ارادہ عمرے کے لئے بڑھے چلے جانا چاہیے، یا قریش کے حلیفوں کے مسکنوں پر حملہ کیا جائے جہاں صرف عورتیں بچے ہوں گے، اور مال غنیمت، جانور، لونڈی، غلام آسانی سے حاصل ہوں گے، اور ان کو اچھا سبق مل جائے گا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کے مشورے پر عمل کیا گیا کہ عمرے کی مسالمانہ غرض ہی سے ہر وکار رکھا جائے (بدایہ ابن کثیر ۱۶۴/۴ بحوالہ بخاری) آپ بڑھتے چلے گئے۔ اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے حدود حرم شروع ہوتے ہیں اور جہاں سے ساحلی میدان ختم ہو کر دشوار گذار وادیاں اور پہاڑی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ مکے والوں کو اطلاع مل گئی تھی۔ اور جنگی نقطۂ نظر سے حدیبیہ کے درے کے ڈھانے پر حریف کو روکنے سے بہتر اُن کے لئے کوئی اور مقام نہیں مل سکتا تھا۔ یہ جگہ مکہ سے صرف دس بارہ میل پر واقع ہے اور اپنے گھر ہی میں رہ کر دور دراز سے آئی ہوئی اور ہر طرح کی رسد اور مدد سے منقطع اسلامی فوج سے لڑ سکتے تھے۔

حدیبیہ میں آتے ہی سفارتی سرگرمی شروع ہو گئی۔ قریش کے نمائندے آ کر مقصد معلوم کرنے لگے۔ آخر رسول کریمؐ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا کہ مختار کل کی حیثیت سے گفت وشنید کر سکیں۔ مکے میں عجیب بدنظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کا سب سے با اثر سردار ابوسفیان بھی کسی نا معلوم راستے سے چھپ چھپا اور بچ بچا کر اُن دنوں شام گیا ہوا تھا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ

Marfat.com

نظر بند ہو گئے اور اُن کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں انھیں شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور حدیبیہ میں انھوں نے مرنے مارنے کا اقرار کیا جس کا "إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" کے الفاظ میں قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ قریش کو خبر ملی تو وہ گھبرائے۔ آخر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے سہیل بن عمرو کو مختارِ کل کر کے سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا اور تھوڑی سی رد و قدح کے بعد صلح نامہ طے پایا۔ قریش کو اطمینان ہو گیا کہ ان کا مطالبہ کہ

(۱) مسلمان اس سال مکہ آئے بغیر واپس چلے جائیں اور سال آئندہ عمرہ کرنے آئیں۔

(۲) کوئی مسلمان بھاگ کر مکہ آ جائے اور پناہ گزیں ہو تو اس کی تحویل عمل میں نہ آئے لیکن کوئی مکی بھاگ کر حضرت ﷺ کے پاس آئے تو مطالبے پر اس کی قریش کے ہاتھ تحویل عمل میں آ جائے۔

(۳) دس سال تک باہم صلح رہے۔ ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانب دار رہیں اور تجارت وغیرہ مالی ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقے سے گزرنے کی اجازت ہو۔

جب مسلمانوں نے منظور کر لیا اور معاہدے کے متن میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بجائے قریش کے فارمولے "باسمک اللہم" لکھا جانا اور "محمد رسول اللہ" کی جگہ "محمد بن عبداللہ" لکھا جانا طے ہو گیا تو بظاہر قریش کو کہیں نہیں دبنا پڑا۔ اور بظاہر یہ بھی تھا کہ مسلمان دب گئے ہیں۔ عام طور پر یہ بات ناگوار گزری حتیٰ کہ حضرت عمرؓ جیسے شخص بھی بے چین ہو گئے۔ لیکن مآل میں نظر رکھنا تھا کہ جب آں حضرت ﷺ نے یہ طے کر لیا

ہے۔ اور آپؐ اس کو پسند کرتے ہیں تو پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ سوائے خاموشی اور اطاعت شعاری کے کچھ اور کریں۔

حدیبیہ کی اس صلح (یا بقول قریش "شکست") کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بادی النظر میں حیرت ہوتی ہے کہ یہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کیوں؟ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلامی حکومت تو قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے تیار تھی۔ حضرت خیبر سے جنگ میں ان کی غیرجانبداری مطلوب تھی۔ اسے قریش نے منظور کر لیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ رعایتیں منظور کر لی تھیں۔ "باسمک اللھم" کے خارہونے میں کوئی شرک یا بت پرستی نہیں ہے۔ اور اس کو بجز "محمد بن عبد اللہ" کو منظور کرنے میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ اسی طرح عمرے میں رکاوٹ معمولی امر ہے اور "من استطاع الیہ سبیلا" کے باعث اس وقت وہ مسلمانوں پر فرض ہی نہ تھا۔ ایک طرف تحویل ملزمین کی توجیہ خود جناب رسالتؐ نے یہ فرمائی کہ ہمارے پاس سے بھاگ کر جانے والا کافر ہی ہوگا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور قریش کے پاس سے بھاگ کر آنے والا مسلمان ہی ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے ہم وطنوں کے مظالم پر صبر کرے گا تو خدا اسے اجر دے گا، یوں بھی چند ہی دنوں میں اسلامی عملداری سے باہر نومسلموں نے قریشی کاروانوں کا کچھ اتنا ناطقہ تنگ کیا کہ خود قریش نے جناب رسالتؐ سے التجا کی کہ اس شرط کو منسوخ کر کے ان نومسلموں کو مدینہ بلا لیں۔ اور تیسری شرط تو مسلمان خود ہی چاہتے تھے کہ قریش مسلمانوں سے صلح کر لیں اور مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے لئے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ

Marfat.com

ہو جانا اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک واقعی "فتح مُبین" اور "نصرِ عزیز" تھی۔ جس کے باعث اُن کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انھوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پُرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا۔ اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پہ پھیل گئی۔ اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالا قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شہکار کہنا چاہیے۔ اس معاہدے کا متن عربی ماخذوں میں کہیں تو پورا پورا، کہیں جستہ جستہ ملتا ہے، جس کی تفصیل میں نے الوثائق السیاسیۃ (مطبوعہ مصر ۱۳۶۰ھ) میں دستاویز ۱۱ کے تحت دی ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ کافی ہوگا:-

مُعاہدۂ حُدَیبیہ

ف۱ تیرے نام سے اے اللہ!

ف۲ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سُہیل بن عمرو میں طے ہوا۔

ف۳ ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران میں لوگ امن سے رہیں۔ اور ایک دوسرے سے رُکے رہیں

ف۴ یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کا امان ہوگا۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام

(بروایت ابو عبید عراق یا شام) ——— جاتے ہوئے مدینے سے گذریں گے تو انہیں جان و مال کا امان حاصل ہوگا[۱]

۵ یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ اُسے اُن کے سپرد کر دیں گے۔ اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اُسے آپؐ کے سپرد نہیں کریں گے۔

۶ یہ کہ ہم میں باہم سینے بہر طرح بند رہیں گے (یعنی ہمارے درمیان باہر سے کوئی اشتعال انگیزی داخل نہ ہو سکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جا سکے گی نہ علانیہ نہ خود غدر و عہد دغا کریں گے

۷ یہ کہ جو محمدؐ کے معاہدے اور ذمّہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمّہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہو وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ (اس پر قبائل خزاعہ نے اُٹھ کر کہا کہ ہم محمدؐ کے معاہدے اور ذمّہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔ اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں)

۸ یہ کہ تو اس سال ہمارے پاس سے واپس چلا جائے گا اور ہمارے مکہ میں نہ آئے گا البتہ سال آئندہ ہم باہر چلے جائیں گے اور تو اپنے ساتھیوں سمیت (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھیر سکیں گے۔ تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ...

۱؎ یہ دفعہ ابن اسحاق اور ابن ہشام میں نہیں ہے۔ نہ ہی تاریخ طبری میں لیکن تفسیر طبری، ابو عبید کی کتاب الاموال، فتوح بلاذری اور بکری وغیرہ میں ہے۔

Marfat.com

یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تو وہاں نہ آسکے گا۔

ف۹ یہ کہ یہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے اُن کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا۔ اور اُن کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لئے) نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت کہ ہمارے اور تمہارے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔

(غالباً) مہر سہیل بن عمرو	(غالباً) مہر نبوی

گواہان اسلام :- ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاصؓ، محمود بن مسلمہ، ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ۔

گواہان قریش :- مکرز بن حفص وغیرہ۔

کاتب :- علیؓ بن ابی طالب۔

ماخذہائے متن :- تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۶۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۴۷، تا ۷۴۸، فارسی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق : ورق ۲۰۱/۱ (مخطوطہ پاریس) مغازی واقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم) ورق ۱۴۷/۱۔ طبقات ابن سعد ج ۱ حصہ ۲ ص ۷۴ نیز ج ۲ حصہ ۱ ص ۷۰ تا ۷۱۔ تاریخ طبری ص ۱۵۴۶ تا ۱۵۴۷۔ سیرۃ طبری بروایۃ البکری (مخطوطہ آیا صوفیا) فصل حدیبیہ۔ تاریخ ابن کثیر ص ۴ ص ۱۶۸ تا ۱۶۹۔ تاریخ الخمیس للدیار بکری ج ۲ ص ۲۳۔ تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۵۶۔ سیرۃ حلبی ج ۳ ص ۲۴۔

ماخذہائے اقتباس متن :- کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۴۴۲ تا ۴۴۴۔ صحیح البخاری ۲۹/۲۵، ۶۴/۳۵ ... وغیرہ۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون۔

Marfat.com

فتوح بلاذری ص ۳۶۰۔ تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۵۵۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد[1]

جدید بحث و ترجمہ بہ کائتانی کی اطالوی تاریخ اسلام حالات سنہ ۶ھ فقرہ ۳۴۔ ہیفننگ کی جرمن کتاب "اسلام کا قانون خارجہ" ضمیمہ دوم۔ اشپرنگر کی جرمن سوانح و تعلیمات محمدیؐ" ج ۳ ص ۲۴۶، جہاں تیمی کے ایک اور متن کا ذکر ہے، نقل نہیں۔ مجید خدوری کی انگریزی کتاب "اسلام کا قانون جنگ و امن" ص ۸۹۔ مزید حوالے فنسنک کی مفتاح کنوز السنۃ میں تحت عنوان حدیبیہ ہیں۔

---

[1] بعض اور حوالے یہ ہیں:۔ خراج لابی یوسف ص ۱۲۹۔ کنز العمال جلد ۵۔ ح ۵۳۴۴، ۵۳۴۵ عن ابن ابی شیبہ۔

Marfat.com

فتح مکہ

یعنی

اِنسانیت کی فتح بہیمیت اور شیطانیت پر

۲۷ رمضان ۱۳ قبل ہجری کو شہر مکہ کے مضافات میں جبل نور کے غار حرا سے ایک بجلی کوندی اور سینکڑوں ہزاروں سال سے وہ حق کی تلاش میں انسان جس سرگردانی میں مبتلا تھا اُس سے اُسے نجات مل گئی۔ اپنے اور اپنے بنانے والے کے صحیح تعلقات اور اپنی زندگی کا مقصد معلوم کرنے کے سلسلے میں وہ من مانی باتوں اور من گھڑت اوہام سے جس تاریکی در تاریکی میں گھسا چلا جا رہا تھا اور مختلف ادوار میں کسی روزن سے ہلکی سی روشنی نظر آنے کے باوجود وہ پھر جلدی ہی جس بھول بھلیاں میں پھنس جاتا تھا اُس سے باہر آنے کا اُسے راستہ مل گیا۔ اور اُس نے یہ عجیب چیز معلوم کی کہ وہ اب تک غار کے دروازے ہی میں مگر اندر کی طرف منہ کیے کھڑا ہے۔ اُس نے منہ دوسری طرف کیا اور توحید کے روشن میدان میں نکل آیا۔ اوّلاً یہ راستہ ایک شخص نے دیکھا اور اس نے ساتھیوں کو آواز دی کہ پیٹھ پھیرو اور سامنے بڑھو (اباؤٹ ٹرن۔ فارورڈ مارچ) چند نے فوراً تعمیل کی۔ چند نے اُن باہر نکلنے والوں کو روکنا بلکہ پیچھے سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ لیکن پشت کی طرف چلنے والے کو فوراً روشنی نظر آجاتی تھی۔ وہ اب کسی برخود غلط کے روکے کہاں رُکتا تھا۔ برخود غلط دلسوزی سے راہ یاب کو روکتا اور کش مکش پر نوچتا کاٹتا اور پیٹتا تھا۔ اس پر رہبرِ اعظم اور اس کے راہ یاب ساتھیوں نے انتہائی ایثار اور بے نفسی سے ان مصیبت زدہ

Marfat.com

بلا رسیدوں اور برخود غلط حماقت پردازوں دونوں کو بزور تاریکی سے باہر نکالنے کی ٹھان لی۔ اس کوشش میں خود تکلیف اٹھائی۔ مگر خوشی سے اسے گوارا کیا۔ اور برخود غلط کی انتہائی ظالمانہ تکلیف دہی پر بھی اس رہبر اعظم اور کوہ ثبات کی زبان سے نکلا بھی تو یہی نکلا، رب اھدِ قومی فانھم لا یعلمون (خدایا! میرے لوگوں کو ہدایت دے کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔) غرض کسی کو پچکار کر، کسی کو دھمکا کر، اور کسی کو زبردستی دھکیل کر باہر نکالا یہاں تک کہ وہ ایک غار رعب پوری طرح خالی ہو گیا۔ اور اس رہبر اعظم اسم کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اب اس کے جانشینوں نے اپنے ناف ارض کے کھلے میدان سے دیکھ لیا کہ اطراف کتنے اور غار ہیں۔ اور محسن اعظم کے اسوۂ حسنہ میں تمام غاروں کے مصیبت زدوں کی رہائی کی ٹھان لی۔ اور یہی کام اب تک روز افزوں کامیابی سے جاری ہے۔

یہ کوئی افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ اس رہبر اعظم کی اس بے نفسانہ کش مکش کے آخر منازل ہی فتح مکہ کی صورت میں پیش آئے اور اس کی کچھ توضیح و تفصیل مطلوب ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ روحی فداہ نے غار حرا میں حقیقت و صداقت کا جو ماہتاب شب قدر کو دیکھا تو گھر آ کر اہل و عیال کو پھر اہل خاندان اور پھر اہل شہر کو اس کی طرف متوجہ کیا اس سے سب واقف ہیں کہ توحید اور خدا پرستی اور صحیح انسانیت کی اس تعلیم و تبلیغ میں آپ کو کیا دشواریاں پیش آئیں۔ اور کس طرح دس سال کی شبانہ روز تن من دھن کوشش کے باوجود پچیس پچاس سے زیادہ لوگ ہم خیال نہ ہو سکے۔ کس طرح تبلیغ میں تکلیفیں سہنی پڑیں، کس طرح طائف جلا وطن ہونا پڑا۔ کس طرح

Marfat.com

چند مدینے والے ایک موقع پر اتفاقاً ملے اور اتباع قبول کی۔ کس طرح اُن کی تائید کے وعدے پر سب مسلمان ہجرت کرکے مکّے سے مدینہ چلے گئے۔ اور ان کے مال و منال پر اہل مکّہ نے غاصبانہ قبضہ کرلیا۔

مدینے پہنچتے ہی آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے اپنے بے خانماں ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا۔ پھر ان مہاجرین اور مدنی مسلمانوں اور ہمدردوں میں تنظیم پیدا کرکے ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالی۔ شہر میں اب مہاجرین مکہ، مدنی مسلمان اُن کے رشتہ دار غیر مسلم عرب، اور یہودی قبائل تھے۔ ان سب کو اپنی سرداری میں ایک مرکز پر جمع کیا۔ اور ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی۔ خوش قسمتی سے اس وفاق کا دستور جو ۱ھ میں مرتب ہوا تھا اور جو پچاس ایک دفعات پر مشتمل ہے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ (دیکھئے کتاب "عہدِ نبوی کا نظام حکمرانی" باب "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور عہدِ نبوی کی ایک اہم دستاویز")

اس دستور کے ذریعے سے شہر کی حفاظت و مدافعت اور قریش سے مقابلے کا انتظام شروع ہوا۔ ہجرت کو دو چار مہینے ہوئے تھے کہ ان امور سے فارغ اور اندرونی حفاظت و استحکام سے مطمئن ہونے کے بعد اطراف پر توجہ شروع ہوئی۔ مدینے سے ساحل ینبوع کوئی پچھتر اسّی میل ہوگا۔ اس علاقے میں بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل بستے تھے۔ ان سے آنحضرت ص نے حلیفی کی کہ اُن پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں گے۔ اور مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے تو یہ مدد کو آئیں گے۔ یہ معاہدات بھی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔

نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اہل مکہ جو ہر سال تجارتی کارواں شام و مصر

بھیجے اور خشکی کی راہ سفر کرنے تھے جو بنی ضمرہ وغیرہ قبائل کے علاقے سے گزرنے پر مجبور تھے۔

اب آنحضرت ص نے اپنے ان حلیفوں کی مدد سے قریش کا یہ راستہ بند کر دیا۔ اور اس پر معاشی دباؤ ڈال کر بدلہ لینے اور مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ قریش نے جھنجھلا کر ماہ رمضان ۲ھ میں بدر میں آنحضرت اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر لینے کی کوشش کی۔ مگر منہ کی کھائی۔ اور ایک بہترین فوجی نظام سے تین سو مسلمانوں نے ایک ہزار کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے قریش نے سال بھر تیاری کی۔ اور شوال ۳ھ میں مدینے پر چڑھ دوڑے۔ اور شہر کے باہر احد کے میدان میں مقابلہ کیا۔ اور مسلمانوں کی فوج کو اتفاقی شکست دینے کے باوجود لڑائی ادھوری کر کے مکہ واپس ہو گئے۔ مسلمانوں نے بہت جلد اپنا وقار دوبارہ حاصل کر لیا۔ اور ساتھ ہی آنحضرت ص نے اپنا اقتدار مدینے کے جنوب مشرق میں نجد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ اور قریش نے ساحلی راستے کی بجائے عراق وغیرہ جانے کا صحرائی راستہ بھی بند کر دیا۔ پھر مکے کے حالات سے بالکل ... سے مدارات و دوستی کے ... ان کی اپنی مدد کا ... دلایا اور قریش سے تعلقات منقطع کر لینے پر آمادہ کیا۔ پھر مدینے کے شمال کی طرف بڑھ کر دومۃ الجندل کے اہم مقام تک (جو شام اور عراق جانے والے کاروانوں کا راستہ تھا) اپنے اثرات پھیلا دیے۔ اور قریش کے تجارتی تعلقات شمال سے بالکل بند کر دیے۔ اسی اثنا میں مدینے کے یہودی مسلمانوں سے لڑ کر اپنے گھر سے نکالے جا چکے تھے۔ اور مدینے سے نکل کر خیبر وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں کے ورغلانے اور مدد دینے کا یقین دلانے پر قریش نے ایک انتہائی کوشش

Marfat.com

کی۔ اپنے تمام حلیف قبائل کو جمع کیا۔ یہودی اور یہودیانِ خیبر کے حلیف قبائل غطفان وغیرہ کو بھی لوٹ کی طمع دلائی۔ غرض دس ہزار کے جم غفیر سے مدینے پر حملہ کیا۔ خود مدینے کے ما بقی یہودی بھی بغل گھونسہ بننے کی دھمکی دینے لگے۔ یہ شوال ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اپنے تین ہزار سپاہیوں کی مدد سے آنحضرت نے شہر کے غیر محفوظ رُخ پر پندرہ دن کے عرصے میں خندق کھدوائی۔ اور عین اس وقت فارغ ہوتے جب دشمن آ پہنچا۔ محاصرہ کنندہ متحدین میں سے چند قبائل کو آنحضرتؐ نے ابتداءً توڑ لینے کی کوشش کی اور مدینے کے باغات کی تہائی کھجورے کر چلے جانے پر وہ آمادہ بھی ہو گئے، لیکن اہل مدینہ نے اس قدر کثیر معاوضہ منظور نہ کیا۔ پھر اس اثناء میں یہودیوں اور اہل مکہ میں باہم بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے بھیجے ہوئے کارندے دعایہ کاری میں اتنے کامیاب ہوئے کہ قریش نے دل برداشتہ ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور مکے واپس ہو گئے۔ اور غطفان وغیرہ بھی اکیلے کیا کرتے۔ فوراً رفو چکر ہو گئے۔

اب انتہائی مشرق یمامہ تک آنحضرت ؐ کا اثر پھیل گیا۔ اور ۶ھ کے آغاز میں وہاں کے بعض سرداروں (ثمامہ بن اثال) کے اسلام لانے سے وہاں سے غلے کی برآمد مکے کے لئے بند ہو گئی۔ اس سال اتفاق سے عرب میں قحط بھی پڑا۔ تجارت کے بالکل رُک جانے، غلہ وغیرہ کی منڈیوں کا راستہ بند ہو جانے اور پے در پے ناکامیوں سے قریش بے بس ہو چلے تھے گو اُن کی فوجی قوت ابھی نہ ٹوٹی تھی۔

اس وقت مسلمانانِ مدینہ کی یہ حالت تھی کہ شمال میں غطفان اور خیبری یہودی

تاڑ رکھا ہے بیٹھے تھے۔ اور جنوب میں اہل مکہ مخالفت کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کوسنے کو تیار نہ تھے۔ مسلمانوں کی قوت اتنی نہ تھی کہ وقت واحد میں دونوں پر اقدامی حملہ کر کے دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرتے۔ کسی ایک سے مقابلہ ممکن تھا۔ لیکن جیسا پانچویں صدی ہجری کے مشہور سیاست داں فقیہ شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اگر مدینے والے خیبر پر حملہ کرتے تو خوف تھا کہ شہر کو فوج سے خالی پا کر مکے والے آ پڑیں اور نہ لوٹ لیں۔ اور اگر جنوب میں مکے کی طرف جائیں تو یہی خوف شمال یعنی خیبر سے تھا۔ کیونکہ مدینے کا محل وقوع مکے اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ ان حالات میں ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم نے یہ فیصلہ کیا کہ مکے یا خیبر دونوں میں کسی ایک سے صلح کر لینی چاہیے۔ اور اس غرض کے لیے آپ نے مکے کا انتخاب کیا۔ اور آپ کا خیال غالباً یہ تھا کہ مکے والے جو قحط و افلاس سے بے بس تھے آسانی سے صلح منظور کر لیں گے۔

اس سے پہلے آپ نے پانچ سو اشرفیاں مکے کے سردار ابوسفیان کو بھیجیں کہ وہاں کے قحط زدہ فقراء میں تقسیم کر دے۔ اس کی خبر مکے میں پھیلی تو ظاہر ہے کہ اہل مکہ آں حضرت صلعم کو ایک شریف دشمن سمجھنے اور کہنے لگے۔ گو وہاں کے لیڈر جھلاتے اور اسے سازش سے تعبیر کیا۔

اس کے بعد حج کے موسم میں جب کہ قریش لڑائی حرام سمجھتے تھے تو آں حضرت اپنی نصف فوج مدینے میں چھوڑ کر پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ حج کے نام سے روانہ ہوئے تاکہ قریش کو گھبراہٹ نہ ہو۔ اور مزید اطمینان دلانے کے لیے لڑائی کے پورے ہتھیار بھی ساتھ نہ رکھے۔ حدیبیہ پہنچ کر جو مکے سے دس میل پر واقع

Marfat.com

ہے اور آج کل ثمیسی کہلاتا اور موٹروں کی تنقیح کا اسٹیشن ہے) آپؐ نے قریش سے گفت و شنید کی۔ اور قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک زبردست دشمن جسے بارہا انتہائی کوشش کے باوجود زیر نہیں کیا جا سکا تھا، وہ خود منہ مانگی شرطیں منظور کر رہا تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ اور کیا چاہیے۔ صلح منظور کی اور یہ طے کیا کہ آئندہ دس سال تک قریش اور ان کے حلیف آں حضرتؐ اور آپکے حلیفوں سے نہیں لڑیں گے۔ اور ہر ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیگا۔ یہ کہ آں حضرتؐ قریش کا تجارتی راستہ کھول دیں گے۔ اور یہ کہ کوئی مسلمان مکہ آ کر تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ لیکن کوئی مکے والا مدینے آئے تو اہل مکہ کی خواہش پر اس کی تحویل عمل میں آئے گی۔

یہ آخری شرط قریش نے اپنا بڑھ پن دکھانے کے لئے منظور کرائی۔ جس سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن مسلمانوں کی لڑائیوں میں غیر جانبداری منظور کر کے انھوں نے آنحضرتؐ کو اس کا موقع دیا کہ آپؐ خیبر کی قوت توڑ دیں۔ اور یہ عظیم الشان غلطی کی کہ یہودیوں سے تعلقات نہ رکھ کر آئندہ اس قوی حلیف کی مدد سے محروم ہو جائیں اور مسلمانوں [illegible] کے [illegible] بنیں۔

حدیبیہ نے قریش کو یہودیوں سے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دیا اور زبردست [illegible] تھی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام "فتح مبین" [illegible] مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ حدیبیہ سے فارغ ہو کر [illegible] آکر دو ہی [illegible] خیبر کی طرف توجہ مبذول کی گئی اور ایسی چالیں چلی گئیں کہ خیبر والوں کی مدد کو [illegible] یا۔ یہاں تک کہ غطفان [illegible] اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا

Marfat.com

دیکھتے رہے۔ اور حسب توقع بہ آسانی اس خطرے کا ہمیشہ کے لئے ازالہ کر دیا گیا۔

اس کامیابی سے اس بات کا موقع ملا کہ مزید دوستیاں بڑھائی جائیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں بحرین اور عمان کی ایرانی نو آبادیاں زیادہ تر سفارتی کوششوں سے اپنے مرکز سے ٹوٹ کر ہمیشہ سے جڑ گئیں اور قریش کا سوائے ان کے اپنے چند ہزار افراد کے کوئی مددگار نہ رہا۔ اور جب انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدے کی کچھ خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کے خلاف چھپ کر کچھ مدد دی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا دہی کا مقابلہ کرنے کی ان میں کوئی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر خون بہائے مکے پر قبضہ کر لیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ نگار ہر جگہ سے مکے میں تھے اور دشمن کی ہر نقل و حرکت کی بروقت اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ ان پیشگی اطلاعوں سے احد اور خاص کر خندق کی جنگ میں بڑی مدد ملی تھی ورنہ خندق کے معرکے کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے انتہائی شمال میں گئے ہوئے تھے اور بروقت اطلاع کے باعث آدھے راستے سے مدینے واپس آکر پورے دو ہفتے خندق کی تیاری اور دیگر حفاظتی کاروائیوں میں صرف کرنے کے قابل ہوئے تھے۔

اس کے ساتھ اپنی نقل و حرکت کی خبر دشمن پر پوشیدہ رکھنا

Marfat.com

چنانچہ مکے کی طرف دس ہزار کا لشکر کوچ کرتا ہے اور قریش کو ابن ہشام کے الفاظ میں "عمی الطرق" یعنی راستوں کی بندش کے باعث اس وقت تک خبر نہ ہو سکی جب تک کہ مکے کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ نہ لگ گیا۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کو اطلاع دی کہ جو شخص اپنے گھروں میں رہے یا کعبے کی مسجد میں چلا جائے یا ہتھیار پیش کر دے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہیں چھیڑے گی۔ اس کے بعد فوج کے تین حصے کئے اور شہر میں جانے کے تینوں راستوں سے داخلہ شروع کیا اور تاکید کی کہ کوئی خونریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبے کے اندر اور اطراف کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے لائق مقام پر پہنچانے کے بعد شہریوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر ان کو ان کی داستانیں بتا کر پوچھا کہ تمھیں اب مجھ سے کیا توقع ہے؟ انھوں نے کہا کہ جو ایک شریف اور شریف زادے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اس پر رحمۃ للعالمین کی زبان سے نکلا "جاؤ اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اب اس اعلان کی صدا کیا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ

لا الٰہ الا اللہ

محمد رسول اللہ

کا کلمہ پڑھ کر اپنی ذات ماہیت کا ثبوت دے رہا اور اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا۔

Marfat.com

حبشہ اور عرب

قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں

قدیم زمانہ میں حبش نامی ایک قبیلہ جس یمن میں [illegible] اسی بنا پر نیز علم کا [illegible] سے تحقیقاتی نتائج کے [illegible] یہ خیال [illegible] مقبولیت [illegible] کرتا جا رہا ہے کہ [illegible] اصل میں یمن سے آئے ہوئے نو آباد کار ہیں۔ [illegible] ابی سینیا) میں ایک صوبہ "اُہرہ" بھی ہے۔ اس کا [illegible] سے تعلق قائم کیا جا رہا ہے، جو جنوبی عرب میں حضرموت کے مشرق میں ایک بڑا علاقہ ہے۔ لسانیاتی تحقیقات نے بھی مہرہ اور [illegible]رہ کی بولیوں میں بڑی قربت ثابت کر دی ہے۔ اور میں نے ۱۹۳۳ء میں دیکھا تھا کہ [illegible] بابیں کے مدرسہ السنہ مشرقیہ میں اس [illegible] خاص طور سے توجہ کی جا رہی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً یک سو سال پہلے یمن میں ذو نواس نامی ایک یہودی بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے زمانے میں نجران میں عیسائیت بہت

Marfat.com

عام ہو گئی تھی۔ طبری نے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ذونواس نے یہودیت میں غلو کے باعث نجرانیوں کو عیسائیت چھوڑنے اور یہودیت قبول کرنے کا حکم دیا[1] یا یہ کہ ایک یہودی کے دو بچے نجران میں مارے گئے تھے۔ اور ان کے باپ کی شکایت پر اس نے نجرانیوں کو نہایت (الٹی میٹم) بھیجا[2] اور جب نجرانیوں نے عیسائیت کو چھوڑنے سے انکار کیا تو بڑی فوج لے کر ان کے صوبے میں پہنچا اور عیسائیوں کا بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا۔ چنانچہ بڑے بڑے کھڈے یا گڑھے کھدواکر ان میں آگ جلا دی اور عیسائیت سے انکار نہ کرنے والوں کو ان میں زندہ جھونک دیا[3] مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن مجید (۸۵: ۴ تا ۸) میں آیت (قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ) میں اسی واقعے کی جانب اشارہ ہے۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ (۹۲۵)

[2] تاریخ طبری (صفحہ ۹۲۶)

[3] اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے حیرہ کے حکمران کو بھی ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے علاقے میں عیسائیت کو ختم کر دے جیسا کہ سرجان دیگر و الوں سے دیو تسے نے اپنی فرانسیسی کتاب "عرب قبل از اسلام" (صفحہ ۱۲۸) محمود دیو تعلیق میں بیان کیا ہے۔

بچے کھچے آدمیوں میں سے ایک حبشہ پہنچنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوگیا۔ اس نے جلی ہوئی انجیل نجاشی کو دکھائی اور فریاد وزاری کر کے انتقام پر توجہ دلائی۔ نجاشی نے جلی ہوئی انجیل بزنطینی شہنشاہ کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی اور کشتیاں مہیا کرنے کی استدعا کی۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ نجران کا فریادی براہ راست قیصر کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے کہا کہ میرا ملک بہت دور ہے میں خود کچھ نہیں کرسکتا۔ البتہ نجاشی کو میں خط لکھتا ہوں۔ وہ بھی عیسائی ہے اور اس کا ملک تمہارے ملک کے قریب ہے۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارا انتقام لے گا۔ قیصر کی مہیا کردہ کشتیاں حبشی بندرگاہوں میں پہنچ گئیں اور خود نجاشی نے سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور مقامی بندرگاہوں میں تجارت کی غرض سے آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی بھی بہت سی کشتیاں جنگ کے لئے روک لی گئیں۔ ان سب پر عرب کی ستوائی [illegible]

سلہ یہ لفظ عربی میں غیر مشدد جیم کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس معرب لفظ کا حبشی اصل نگوس (NGOS) ہے جس کے لفظی معنے بادشاہ کے ہیں اس سے مراد کوئی علَم نہیں بلکہ حبشہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

کے مطابق ستر ہزار اور یونانی مورخوں کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی سوار کیے گئے اور آبنائے باب المندب کو عبور کر گئے جس اثناء میں بہت سی کشتیاں طوفان میں ڈوب گئیں یمن کے ساحل پر جا اترے۔ ابن الکلبی کا بیان ہے کہ پہلے کچھ فوج بھیجی گئی جو بذات خود اتنی کافی تھی کہ ذونواس کو مقابلے کی تاب نہ رہی۔ اس نے بہت بڑی رقم پیش کر کے اپنے لیے امان چاہا۔ اور جب حبشی افسر رقم وصول کرنے آئے تو دھوکے سے انھیں قتل کرا دیا۔ پھر دوسری فوج کا مقابلہ آسان کام تھا۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لیے نجاشی نے ستر ہزار حبشی فوج بھیجی۔ لاطینی مورخوں کے مطابق پندرہ ہزار کا مقدمۃ الجیش پیاس اور تھکن کے باعث تباہ ہو گیا۔

لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ ذونواس کو شکست ہوئی اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد یمن پر حبشی قبضہ ہو گیا اور یہ علاقہ نجاشی کے قبضے میں آگیا۔[1]

---

[1] تفصیلات کے لئے سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲ مابعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۵۵ تا ۵۶۔ تاریخ طبری صفحہ ۹۲۵ وما بعد معارف ابن قتیبہ صفحہ ۳۱۱۔ اور الاخبار الطوال للدینوری صفحہ ۶۲۔ دلیوڈسے کی فرانسیسی کتاب عرب صفحہ ۱۰ —

ابرہہ کی گورنری

کچھ دن بعد دو بڑے حبشی افسروں ارياط اور ابرہہ میں ان بن ہو گئی۔ اور ارياط کو قتل کر کے ابرہہ یمن کا گورنر بن گیا۔ نجاشی کو بھی امر واقعہ کا گوارا کرنا اور ابرہہ کی گورنری کو تسلیم کرنا ہی بہتر معلوم ہوا تاکہ ملک میں مزید خونریزی نہ ہو۔

ابرہہ بڑا دیندار عیسائی تھا۔ اس نے ملک بھر میں دیانت پھیلانے کی بڑی سرگرمی کی اور یمن کے پایۂ تخت صنعا میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کرایا جس کا نام قلیس (یعنی کلیسا) رکھا۔ اس کی تعمیر میں شہنشاہ قیصر نے قسطنطنیہ سے بہت سے رنگا رنگ سنگ رخام اور پچی کی منقش اینٹیں بھیجیں۔ جب کلیسا تعمیر ہو گیا تو اسکندریہ کے بطریق نے ایک اعلیٰ پادری گریگنٹیس (Gregentius) کو وہاں روانہ کیا۔ نجران میں بھی ایک گرجا اور شہداء کا قبرستان تعمیر کیا گیا۔

---

[1] چنانچہ (۲۳) دفعات کا ایک دستور العمل اس ملک میں نافذ کرایا جس کا یونانی اصل اب بھی دنیا کے کتب خانوں کے مخطوطوں میں محفوظ ہے۔ دیکھئے دیورشے کی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ ۱۱۹ کالم دوم (تعلیق)

Marfat.com

مارب کا کتبہ ابرہہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رعایا پرور حکمران ثابت ہوا۔ اس نے مقامی تالابوں وغیرہ پر توجہ کی۔ اس کے کتبے اب بھی یمن میں دستیاب ہوتے ہیں۔ اور ان سے بہت سی تاریخی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مارب کے تالاب کا کتبہ دلچسپی کی خاطر (ارض القرآن مؤلفہ سید سلیمان ندوی ج ۱ ص ۲۰۲ سے) نقل کیا جاتا ہے۔

"مہربانی رحم والے (رحمان رحیم) اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رئیس ارامیس، ذبیمان شاہ حبش کا حکم سبا و ذوریدان وحضرموت یمنات، تہامہ و نجد کا بادشاہ یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پہ فتح پائی جس کو اس نے کندہ اور ردمی پر حاکم بنایا تھا بعد سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور رؤسائے سبا میں سے مرہ، ثمامہ، حنش، مرثد اور صنف ذو (یعنی قلعہ دار) خلیل اور آل یزن، رؤسائے معدی کرب بن سمیفع اور ہفان اور اس کے

ہم بلادرواسشتہ دار (؟) فرزندان اسلم اس کے ساتھ تھے۔

"بادشاہ نے اس کے مقابلہ میں جراح قلعہ دار زنبور کو بھیجا۔ یزید نے اس کو مار ڈالا۔ اور قصر کدار کو ڈھا دیا۔ اور کمندہ، حریب اور حضرموت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی۔۔۔

"بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری اور حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہ ذو القیاط ... ۶۵۷ء یعنی مطابق ۵۴۲ء) میں لے کر چلا۔ جب مارب کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کرلی ... اس اثنار میں مارب کے تالاب کی دیوار، حوض اور دروازے کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح ۶۵۷ء یعنی مطابق ۵۴۲ء) میں آئی۔ قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیمنٹ بند کے درست کرنے کے لئے مہیا کریں۔ بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں کے گرجے میں نماز ادا کی۔ پھر موقع پر گیا۔ نیو کھودی اور تعمیر شروع ہوئی ...

"بادشاہ ان رئیسوں سے معاہدہ کر کے واپس آیا ان شہزادہ اکسوم، قلعہ دار معاہر یعنی فرزند بادشاہ مرجزث قلعہ دار ذرناج، عادل قلعہ ولد کالشن اور قلعہ داران شوکلان شمہان، رعین، ہمدان وغیرہ"...

تبرباں (رحمان) کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم،

منذر (یعنی حیرہ کے بادشاہ) اور حارث بن جبلہ (غسان کے بادشاہ) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے دوستی اور محبت کے اظہار کے لئے ماہ دوان ۶۵۰ (یعنی مطابق ۵۴۳ء) میں سفیر آئے۔۔۔"

اَصحابُ الفیل مارب مالگرکی اس مرمت کے ستائیں سال بعد ۵۷۰ء میں اس ابرہہ نے مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ عرب مورخ اسے اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جدید یورپی مؤلفوں کا خیال ہے کہ ابرہہ حقیقت میں خشکی کی راہ سفر کر کے شام جانا اور بیزنطینی شہنشاہ کو ایران کے خلاف مدد دینا چاہتا ہوگا۔

مگر عرب مورخ[1] اس کا باعث اپنے بعض ہم وطنوں کی شرارت بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قلیس (کلیسا) صنعاء کی تعمیر سے بت پرست عربوں کو سخت غصہ آیا اور ان میں سے ایک من چلے کو جو سوجھی تو وہاں پہنچ کر چپکے سے ایک رات غلاظت کی اور بھاگ آیا۔ دریافت اور تحقیقات پر یہ قیاس کیا گیا کہ کسی کے

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۹ ومابعد

والے کی شرارت ہے ۔ اور کعبے کی خاطر قلیس کی تذلیل [illegible] ہے ۔ غرض ابرہہ بہت سی فوج اور ایک ہاتھی[1] لے کر روانہ ہوا۔ جب مکے کے قریب پہنچا تو قرآن مجید کے مطابق پرندوں کے جھنڈ (طیراً ابابیل) آئے اور پڑاؤ پر کنکریاں گرائیں۔ نہ معلوم یہ کنکریاں کن جراثیم سے متاثر تھیں کہ فوج میں وبا پھیل گئی[2] بہت سے لوگ مر گئے۔ کچھ ابرہہ کے ساتھ یمن واپس آ گئے۔ اور کچھ بیمار ہو کر وہیں رہ گئے۔ یہ لوگ سپاہی تھے۔ اس سلسلے میں امر قرین قیاس [illegible]

---

[1] اکثر مورخ یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید میں اصحاب الفیل میں "فیل" کا لفظ واحد ہی آیا ہے۔ گو بعض مورخ کہتے ہیں کہ متعدد ہاتھی تھے۔ (ابن ہشام اور طبری صفحہ ۹۴۵) حبشہ ہاتھی کا نام محمود [illegible] ایک حبشی ہاتھی کا نام خالص عربی ہو نا قرین قیاس نہیں لگتا ہے [illegible] (MAMMOTH) کا معرب ہو اور یہ ہاتھی صورت شکل کے [illegible] مطابق یہ ہاتھی جو غیر معمولی قد و قامت کا تھا [illegible] پر نجاشی نے حبش سے یمن بھیجا تھا۔

[2] عرب مورخ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں چیچک وغیرہ وبائیں پہلی مرتبہ اسی وقت آئیں اس سے پہلے یہ لوگ ان سے واقف نہ تھے (طبری صفحہ ۹۴۵)

Marfat.com

یہ مکے والوں کے ان محافظ دستوں میں کام کرنے لگے ہوں جو کاروانوں کی حفاظت کے لئے قافلے کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے۔ اس ہاتھی کے واقعے ہی کے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یوروپی مورخوں کا بیان ہے کہ چونکہ حبشہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت نہیں تو زیر اثر ضرور تھا، اس لئے بیزنطینی حکومت کو توقع تھی کہ یمن پر حبشی قبضے سے اسے معاشی مدد ملے گی۔ اور ہندوستان سے ریشم کی خریداری یمن کے ذریعے سے آسان ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں کئی بیزنطینی سفارتیں بھی یمن آئیں۔ لیکن ایرانی تاجر اپنے وسیع کاروبار کے باعث منڈیوں پر چھائے رہے بلکہ خود عدن اور دیگر یمنی منڈیوں میں ایرانی اثر روز افزوں ہی ہوتا گیا۔ چنانچہ مرزوقی[1] نے بیان کیا ہے کہ عدن میں عطر بنتا تھا جو اپنی لاجواب خوبیوں کے باعث ہند اور سندھ اور فارس و روم تک دساور ہوتا تھا۔

ابھی ابرہہ کے انتقال کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایرانیوں نے یمن پر حملہ کیا اور حبشیوں کو

---

[1] الازمنۃ والامکنۃ۔ باب اسواق العرب۔

شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا[1]

حجازی عربوں کے تعلقات

حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد حبشی الفاظ کا پایا جانا اس سلسلے میں کس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنطینیوں نے بحر احمر میں حمل و نقل شروع کر دی تو حجازیوں کے روزگار پر تباہ کن اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کارواں کے لانے کی اجازت حاصل کر لی[2] ابن سعد اور امام ابن حنبل[3] وغیرہ[4] کا بیان ہے کہ قیصر روم نے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۹۵۲ ومابعد

[2] طبقات ج ۱ صفحہ ۴۳-۴۵-

[3] مسند جلد ۱ صفحہ ۴۶۱

[4] تاریخ طبری صفحہ ۱۰۸۹ ومابعد۔　　تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰۔ لسان العرب تحت کلمہ ایلاف۔ نیز سورۂ ایلاف کی تفسیر میں ایلاف کی تشریح کی ان ناموں کے بیان دیکھیے کتاب المحبر لابن حبیب صفحہ ۱۶۲۔

ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بنا پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے۔ وادئ غیر ذی زرع (مکہ) کے تجارت پیشہ اپنے اور آس پاس کے علاقے سے عموماً چمڑے، گوند، لوبان وغیرہ بیچنے کیلئے لے جاتے تھے۔ قریبی میلوں میں گھی وغیرہ بھی بیچتے تھے۔ اونی کپڑے اور قالین بھی عرب کی مقامی پیداوار میں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے بدلے میں وہ زیادہ تر غلہ حاصل کیا کرتے تھے۔ حکومت شام نے ہتھیار کی برآمد بند کردی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کو بھی چوری چھپے درآمد کرلیا کرتے تھے۔[1]

---

[1] لامنس کی فرانسیسی کتاب "دی فتہ ہجرت" صفحہ ۲۹ تا ۳۰ بحوالہ جرمن کتاب گوترپوک۔ نیز ہیفننگ کی جرمن کتاب "اسلامی قانون خارجیہ" صفحہ ۱۰۰۔ مجموعہ قوانین جسٹینین (کتاب کوڈ حصہ چہارم باب ۴۱ دفعہ ۱ و ۲) میں تلوار و دیگر ہتھیار، تیل و شراب وغیرہ کی برآمد "وحشی علاقے میں" ہونے دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور قدیم رومی حکمرانوں کے احکام کا بھی ان دفعات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان طویل لاطینی دفعات کا ترجمہ کرنے کی جگہ یہاں خلاصہ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور
مصر ہوتے ہوئے جائیں یا بندرگاہ جدہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر
باب المندب سے ہوتے ہوئے کسی حبشی بندرگاہ پر جا اتریں۔ ١
قرآن مجید میں سمندر کا نہایت مدققانہ تذکرہ اور کشتیوں کے چلنے،
طوفان، اور خراب موسم سے دوچار ہونے اور سمندری مسافروں
کے پریشان ہونے کا نفسیاتی منظر اور سب سے بڑھ کر بحری اصطلاحات
وغیرہ کے طور پر بعض حبشی الفاظ کا استعمال۔ یہ تمام امور
بتاتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی اور آپ کے
مخاطب بحری سفر اور حبشی سمندر سے کتنی گہری دلچسپی رکھتے تھے
اگر عربی مورخوں پر اعتماد کیا جائے تو کئی تاجر خود نجاشی سے
شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے
تھے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی ہجرت سے پہلے
اس کا موقع پیش آیا ہو۔ اگرچہ سیرت نگار اور تاریخ نویس
اس بارے میں خاموش ہیں۔ لیکن جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی
معاملات میں راست بازی کے باعث الامینؓ کے لقب سے
مخاطب ہوئی ہو، جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ
بروایت امام حنبل بحرین و عمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا
تفصیلی سفر کیا ہو، اس سے یہ بات اس زمانے میں عقلاً
بعید نہیں معلوم ہوتی کہ حبشہ بھی گئی ہو، جہاں اس کے ہم وطن

Marfat.com

ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو حبشہ ہجرت کرجاتے وقت جو تعارفی خط عطا فرمایا تھا اور جس میں نجاشی کو واقفانہ انداز میں لکھا تھا کہ " ان نوآمدوں کا مہمان نوازانہ استقبال کرے"۔ وہ بھی اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

سنہ ۶۱۰ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ آپ کو خدا نے اپنا پیغام رساں بنا کر بغرض ہدایت بھیجا ہے۔ بت پرست یا بے مذہب ہم شہریوں کو جب خدائے واحد پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور بتوں کی بے سودی کا بڑی شدومد سے ذکر ہوا تو نامعقول جوش وخروش سے اس کی مخالفت ہونے لگی اور جو بھی اس تحریک سے متاثر ہوا اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

چار پانچ سال کی ان تھک اور بے لوث تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند درجن ہی مسلمان ہوگئے۔ شہری ہم وطنوں کے ہاتھوں جس فتنہ وفساد سے سابقہ پڑ رہا تھا، اس سے بچنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ ترک وطن کر کے حبش چلے جائیں

جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمراں ہے۔ اور جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔[1]

ان مہاجرین میں جو حبش گئے آں حضرت کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار بھی شامل تھے۔

مکتوبات نبوی تاریخ نے ایسے کوئی دو درجن سو خط محفوظ کئے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبہ جاتی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔ جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمراں بن چکا ہو اس کے لئے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں۔ اور ان خطوں میں سے ایک جسے طبری، ابن القیم، قسطلانی اور قلقشندی نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے۔ یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی	محمد رسول اللہ کی طرف سے
النجاشی الاصحم ملک الحبشۃ	نجاشی اصحم بادشاہ حبشہ کے نام
انی احمد الیک اللہ الذی	میں اس خدا کی تعریف
لا الہ الا ھو الملک القدوس	تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۰۸۔

السلام المومن المهيمن
واشهد ان عيسىٰ ابن مريم
روح الله وكلمته القاها
الى مريم البتول الطيبة
الحصينة فحملت من روحه
ونفخه كما خلق آدم بيده
واني ادعوك الى الله وحده
لا شريك له وان تتبعني و
تؤمن بالذي جاءني
فاني رسول الله واني
ادعوك وجنودك
الى الله عز وجل وقد بلغت
ونصحت فاقبلوا نصحي
وقد بعثت اليكم ابن
عمي جعفراً ومعه نفر
من المسلمين۔ فاذا جاءك
فاقرهم ودع التجبر والسلام
على من اتبع الهدىٰ"

کوئی معبود نہیں جو بادشاہ
مقدس، سلامتی والا، امان دہندہ
اور سلامت رکھنے والا ہے۔ اور
میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے
بیٹے عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ
ہیں جن کو پاک اور برائی سے
محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا
گیا تو وہ خدا کی روح اور پھونک
سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ خدا
نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ
سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھے
خدائے واحد لاشریک کی
طرف بلاتا ہوں تاکہ تو میری
اتباع کرے اور مجھ پر نازل
شدہ چیز پر ایمان لائے۔
کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں
میں تجھے اور تیرے لشکروں
کو خدائے عزوجل کی طرف
بلاتا ہوں۔ میں نے پیام

Marfat.com

پہنچا دیا اور بہی خواہی کی ہے۔
اب میری بہی خواہانہ نصیحت
کو قبول کرو۔ اور میں نے تمھارے
پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو
بھیجا ہے، جس کے ہمراہ چند
مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے
پاس آئیں تو ان کی مہمانداری کر
اور تکبّر چھوڑ دے۔ سلام اس
پر جو راہ ہدایت پر چلے۔

عام طور سے اسلامی مورخ اس خط کو ۶ھ کے اواخر کے واقعات میں بیان کرتے ہیں، جب کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ہمسایہ ممالک کے فرماں رواؤں کو دعوت اسلام کی تبلیغ کی مگر اوپر نقل کئے ہوئے خط کا آخری نقرہ غور طلب ہے کہ:۔

"میں نے تمھارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمان داری کر۔۔۔"

کیا یہ عبارت ۶ھ میں لکھی جا سکتی ہے۔ جبکہ ان مہاجرین کو حبشہ پہنچے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے تھے؟ بظاہر یہ خط تعارف کی غرض سے حضرت جعفر طیار کو دیا گیا تھا۔ جب وہ حبشہ جا رہے تھے۔ اگر سیرت نگاروں کی خاموشی کو کوئی مانع نہ قرار دیا جائے تو خط کے واقف کارانہ انداز سے یہ گمان ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آں حضرت خود حبشہ تشریف لے گئے۔ اور مثل بعض دیگر ملکی تاجروں کے نجاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا۔ آپؐ کا مہاجرین سے چلتے وقت واقفانہ انداز میں فرمانا کہ "حبش میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس کے دور میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" اس کی مزید تائید کر سکتا ہے۔ احادیث میں بعض وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔

اتفاق سے ۱۹۳۹ء میں جب میں آکسفرڈ میں "کتابت مدینہ" پر لکچر دینے گیا تھا تو پروفیسر مارگولیوث نے وہاں میری توجہ اس جانب منعطف کرائی کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک مستشرق کو حال ہی میں یہ خط ملا ہے اور میری مراسلت موصوف کو بھیج دی۔ اس کے جواب میں مستشرق مذکور ڈی۔ ایم۔ ڈنلپ صاحب کی

سر

براڈ کرک، اسکاٹ لینڈ) کا جواب ملک شام سے ۲ جون ۱۹۳۹ء کا چلا ہوا مجھے حیدرآباد میں ملا، جس میں لکھا تھا کہ بعض خاص حالتوں میں نجاشی کا یہ خط فلسطین کے ایک پادری کے پاس سے حال میں خریدا گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ اسے جلد لندن کے رسالہ جے آر اے ایس میں ایک مضمون کے ساتھ شائع کرانے والا ہے۔ مزید مہربانی سے اس نے خط کی ایک دستی نقل فوراً بھیج دی۔ فوٹو وطن واپس پر بھیجنے کا وعدہ تھا، لیکن جنگ چھڑ جانے کے بعد سے پھر کوئی پتہ نہ ملا۔[1] مذکورہ نقل یوں ہے۔

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ من محمد رسول اللہ الی النجا-

۳۔ شی عظیم الحبشۃ سلام علی من

۴۔ اتبع الھدیٰ اما بعد فانی احمد الیہ

۵ ک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک

۶۔ القدوس السلام المؤمن المھیمن

---

[1] اس کے بعد مضمون بھی چھپا۔ فوٹو بھی وصول ہوا اور اس پر ایک مستقل مضمون لکھا گیا جو آگے درج ہے۔

Marfat.com

۷- واشهد ان عيسى بن مريم روح
۸- الله وكلمته القاها الى مريم البتو
۹- ل الطيبة الحصينة فحملت بعيسى من ر
۱۰- وحه ونفخه كما خلق آدم بيده و
۱۱ انى ادعوك الى الله وحده لا شر
۱۲- يك له والموالاة على طاعته وان
۱۳- تتبعنى وتومن بالذى جاءنى فانى ر
۱۴- سول الله وانى ادعوك وجنو
۱۵- دك الى الله عز وجل وقد بلغ
۱۶- ت ونصحت فاقبل نصيحتى والسلام
۱۷- على من اتبع الهدى

دیکھو مضمون کے آخر میں ضمیمہ

اگر یہ خط مکمل اور اصلی ہے تو میرے عرضے کے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ مذکورۂ صدر نجاشی خط میں دو خطوط کی عبارتیں مدغم ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہاں جعفر طیار کے تعارف کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی "دعوۃ التجیر" کا درشت انداز بیان۔

Marfat.com

کفار مکہ کا وفد حبشہ میں

بہر حال جب متعدد جماعتیں مہاجرین کی حبشہ پہنچیں تو مکے والے اس کی روک تھام کے لیے تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر انھوں نے ایک وفد بھیجا[1] جو نجاشی سے ان ملزمین کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو جواب دہی کا موقع دیا۔

انھوں نے کہا کہ ہم نے مکے میں کوئی جرم یا فعل ناجائز نہیں کیا ہے۔ ہم پہلے گمراہ تھے۔ اب خدا نے ہمارے پاس ایک نبی بھیج کر ہماری ہدایت کا سامان کیا ہے۔ اور ہم ہموطنوں کے ظلم اور بے دردی سے مجبور ہوکر یہاں پناہ لینے آئے ہیں۔ قریشی وفد کا سردار عمرو بن العاص جیسا زبردست موقع شناس سیاستداں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً پہلو بدل کر نجاشی کے نازک اور حساس ترین جذبات پر وار کیا اور پوچھا۔ "مگر مسلمان یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا عقائد رکھتے ہیں"؟ مسلمانوں کے نمائندے حضرت جعفر طیار نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں[2] جن میں حضرت عیسیٰ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۱۷ ومابعد

[2] سورۂ مریم کی آیتیں۔

Marfat.com

کو روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہونے والا کہا گیا ہے اور ان کے ابن اللہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ نجاشی فرقۂ طبیعت واحدہ کا یعنی مونوفزائٹ) عیسائی تھا۔ اور ان دنوں اس فرقے اور یونان کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخرالذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ میں بوقت واحد دو طبیعتیں تھیں۔ انسانی بھی اور خدائی بھی۔

حضرت عیسیٰ کے متعلق سب عیسائی قائل ہیں کہ وہ روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے شائد یہ کہا جا سکتا ہے کہ نجاشی اور اس کے درباری پادریوں نے مسلمانوں کو بھی عیسائی خیال کیا ہو اور اس بنا پر بت پرست مکیوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا ہو۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کے متعلق ابن اللہ ہونے سے یک لخت انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے نجاشی، جو فرقۂ طبیعت واحدہ کا پیرو تھا، مسلمانوں کے نقطۂ خیال کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ

Marfat.com

یہ خیال کرتا ہو کہ مسلمان دراصل عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ[1] ہوں۔ اور رفتہ رفتہ حبشی ماحول میں وہ فرقہ طبیعت واحدہ میں شامل ہو جائیں۔ اور تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ان مسلمانوں میں سے جو اپنے مرکز اور ہادی سے دور تھے کم از کم دو نے عیسائیت قبول کر لی (دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۷۸۱ تا ۷۸۳ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۰ وغیرہ)

نجاشی کا اسلام

مسلمان مؤرخین بہر حال اس کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ مگر یہ ہجرت کے بعد کا

[1] اسلام کو شروع ہو کر اس وقت تک بمشکل پانچ سال گزرے تھے اور بجز عقائد کے بہت کم احکام نازل ہوئے تھے۔ مسلمان نماز میں بھی غالباً بیت المقدس ہی کی طرف رخ کرتے تھے جو عیسائیوں کا مقدس ترین مقام ہے ان حالات میں ان پر اجنبی کے لئے عیسائیت کا گمان کرنا تعجب کے قابل نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے حبشہ کی ہمعصر تاریخیں محفوظ نہیں رہی ورنہ ہمیں اسلامی مورخوں کے بیانات کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا۔

Marfat.com

واقعہ ہے۔

مکے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کے لئے یہ مشہور ہوا کہ قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آگئے اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہوگئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

ہجرت نبوی اس کے بعد کئی سال تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہوکر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اور مقامی اور مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں۔ اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کارواں مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں۔ اور نتیجۃً بدر وغیرہ کی جنگ ہوتی ہے، جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر جاتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غصہ مہاجرین حبشہ پر اتاریں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوتی ہے تو عمرو بن امیہ ضمری ایک غیر مسلم کو سفیر بناکر حبشہ بھیجتے ہیں (سیرۃ شامی ۱ : ۲، ۹ الف) نجاشی نے فتح بدر پر اپنی مسرت ہی کا اظہار کیا (ابن کثیر ۳ : ۳۰۷) . . . .

اور قریش کو اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی ہے[۱] مملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے دیکھتے اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے رہیں اس لئے کچھ دن بعد یعنی ۶ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ عقد بھی کرا دیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لے جانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انھیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا[۲]۔ مورخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے۔ اور منشا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۰۲ و مابعد

[۲] طبقات ابن سعد ج ۱/۲ ص ۱۵ طبری صفحہ ۱۵۷۰- ابن ہشام صفحہ ۱۰۰۲

نجاشی کا خط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

طبری اور ابن اسحٰق نے نجاشی کا خط بھی محفوظ کیا ہے جس میں نجاشی نے اپنے پوشیدہ اسلام لانے اور اپنے بیٹے کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
الی محمد رسول اللہ	بخدمت محمد رسول اللہ از طرف
من النجاشی الاصحم	نجاشی اصحم بن ابجر۔ تجھ پر
بن ابجر۔ سلام علیک	اے اللہ کے نبی سلام اور
یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ	اللہ کی رحمت اور برکتیں:۔
وبرکاتہ من اللہ الذی	اس اللہ کی جس کے سوا
لا الٰہ الا ھو الذی	کوئی معبود نہیں اور جس نے
ھدانی الی الاسلام	مجھے اسلام کی ہدایت دی۔
امابعد فقد بلغنی	یارسول اللہؐ آپ کا خط
کتابک یا رسول اللہ	مجھے ملا، جس میں حضرت
فیما ذکرت من امر	عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین
عیسیٰ۔ فورب السماء	اور آسمان کے مالک
والارض ان عیسیٰ	کی قسم کہ آپ کی بیان
ما یزید علی ما ذکرت	کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ

Marfat.com

ثفروقا ـ انه كما قلت	رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں
وقد عرفنا ما بعثت	وہ ویسے ہی تھے جیسے آپ
به الينا وقد قربنا ابن	نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ
عمك واصحابه فاشهد	کے فرستادوں سے تعارف
انك رسول الله صادقا	حاصل کیا اور آپ کے چچا زاد
مصدقا ـ وقد بايعتك	بھائی اور اس کے ساتھیوں
وبايعت ابن عمك واسلمت	کی مہمان داری کی۔ میں اقرار
على يديه لله رب العالمين	کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے
وقد بعثت اليك بابني	سچے اور تصدیق یافتہ رسول
ارها بن الاصحم بن	ہیں۔ میں نے آپ کے
ابجر فانى لا املك	چچا زاد بھائی اور اس کے
الا نفسى وان شئت ان	ساتھیوں کی بیعت کی اور
آتيك فعلت يا رسول الله	اس کے ہاتھوں خدائے
فانى اشهد ان ما تقول[1]	رب العالمین کے سامنے
حق والسلام عليك يا رسول الله	سر اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے

[1] حوالہ۔ طبری صفحہ ۱۵۶۹ تا ۷۰ عن ابن اسحق صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۴۶۶ تا ۷ عن ابن اسحق تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۸۳ زاد المعاد ابن القیم جلد ۳ صفحہ ۲۰ تا ۲۱ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون خط نمبر ۳ [illegible] تخریج احادیث الہدایہ کا [illegible] سواطع الانوار تاریخ حبشہ بر موقع۔

آپ کی خدمت میں اپنے
بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو
بھیجا ہے، کیونکہ میں اپنی ذات
کے سوا کسی کا مالک نہیں اگر
آپ چاہیں کہ میں آپ کے
پاس آجاؤں تو آجاؤں گا۔
کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں
کہ جو آپ فرماتے ہیں وہ
حق ہے۔
والسلام علیک یارسول اللہ

یہ وفد حبشہ سے چلا۔ لیکن بعض مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی تھے سب ڈوب گئیں تو بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفور اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علی سے موالات

Marfat.com

با بجائی چارہ اختیار کر لیا۔ اور حبشہ واپس جاکر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط نجاشی کے نام

اس سفارت کے جواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے۔ مگر اس عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہوگیا۔ امام مسلم لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آں حضرت نے ایک تبلیغی خط لکھا۔ مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔

یہ خط بیہقی[1] نے ابن اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا ہے اور وہ یہ ہے:

ھذا الکتاب من محمد النبی	یہ خط پیغمبر محمد کا حبشیوں کے
الی النجاشی الاصحم	سردار نجاشی اصحم کے نام ہے
عظیم الحبشۃ۔ سلام	سلامتی اس شخص کے لئے ہے
علی من اتبع الھدیٰ	جو راہ ہدایت کی پیروی کرے
وآمن باللہ ورسولہ	اور اللہ اور اس کے رسول
واشھد ان لا الٰہ الا اللہ	پر ایمان لائے۔ میں اقرار
وحدہٗ لا شریک لہ لم یتخذ صاحبۃ	کرتا ہوں کہ سوائے اللہ
ولا ولداً وان محمداً عبدہ	کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا

[1] یہ میں نے بدایہ ابن کثیر میں بیہقی کا بہ حوالہ پایا ہے۔

ورسوله وادعوك
بدعاية الاسلام. فانى انا
رسوله فاسلم تسلم. يا
اهل الكتاب تعالوا الى
كلمة سواء بيننا وبينكم
الا نعبد الا الله ولا
نشرك به شيئا ولا يتخذ
بعضنا بعضا اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا
اشهدوا بانا مسلمون
فان ابيت فعليك اثم
النصارى من قومك

مہر

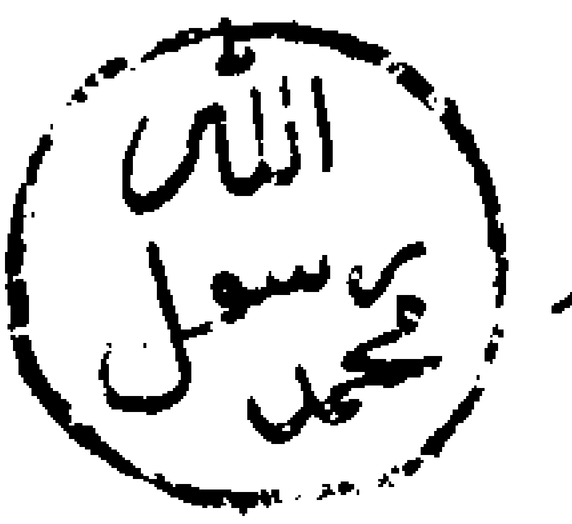

ہے۔ اس کا کوئی شریک
نہیں۔ اس کے نہ بیوی ہے
نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد اس
(خدا) کا بندہ اور رسول ہے
میں تجھے اسلام کے بلاوے
کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ
میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام
لا تو سلامت رہے گا۔ اے
اہل کتاب ایک ایسی بات
پر آجمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں
میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے
اللہ کے کسی کی عبادت
نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ
شرک کریں اور نہ ہم اللہ
کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں
ہی کو رب بنائیں۔ اگر وہ
پلٹ جائیں تو کہدو کہ ہم تو خدا کے فرمانبردار
ہیں۔ اگر تو انکار کرے تو تیری قوم کے نصرانیوں
کا وبال تجھی پر پڑے گا۔ مہر محمد رسول اللہ

Marfat.com

ابھی حال میں حبشہ اطالوی جنگ کو اختتام پذیر ہوا تھوڑا عرصہ
ہوا تھا کہ مصر کے اخبار البلاغ سے (اور اس سے ادبی انڈیا
کے اخبار مدینہ اور احسان نے نقل کر کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ
نجاشی نے اپنے خزانے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط جو
اب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا
اس خط کی جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ وہی ہے جو
اوپر نقل کی گئی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بیان کس
حد تک صحیح ہے۔ اس سے پہلے حبشہ کے اس شاہی خزانے
کی خبر کبھی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ موجودہ دور کے حبشی
حبشی اس سے اکثر مشکل اوقات میں کام لیتے رہتے
ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اور اصلی خطوط
گزشتہ صدی کے ربع دوم میں دستیاب ہوئے
ہیں ان دونوں کے فوٹو بھی مشرق اور مغرب کے علمی رسالوں
میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کے متن [illegible]
وہی ہیں جیسا کہ قدیم عربی تاریخوں میں مذکور ہیں۔ لیکن
نجاشی کے اس مزعومہ خط کا متن ذرا سا الگ ہے [illegible]
کسی ہجری [illegible] سے کسی کو پانچ سالوں

یا اس کے تبرک خانے کے مہتمم نے اپنی جلا وطنی کے زمانے میں مجبوراً فلسطین میں ان یادگاروں کو فروخت کر دیا تھا، جیسا کہ اوپر مسٹر ڈنلاپ کے خط سے اس خط کی اصل کو پانے کے واقعے سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ بات زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے۔ مگر خدا معلوم اس عالمگیر جنگ نے ان متبرک یادگاروں کا کیا حشر کیا ہے اور وہ اب کہاں ہیں۔

حبش کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے تعلقات حبشہ کے ساتھ بے حد دوستانہ رہے۔ اور ایسی متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ابتدائی دور اسلام میں بعض فرزندان حبش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جس جوش و صداقت کے ساتھ ساتھ دیا اسے مسلمان اب بھی ادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور سب سے پہلے مؤذن حضرت بلال حبشیؓ کے نام سے وہ کسی ہی

کہ جادی زبان میں بلال کے معنی خود مؤذن کے ہیں - اور لندن کی مسجد میں (جو محلہ پٹنی میں ہے) سب سے پہلے انگریز مؤذن کا نام بھی بلال رکھا گیا ہے - اور اب بہت کم لوگ جانتے یا جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مسٹر بلال کا اصلی نام کیا تھا - اور یہ گورے بلال خود بھی کالے بلال کے ہمنام ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں - اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ کے حملے کے سلسلے میں بہت سے حبشی بیمار ہوکر کے ہی میں رہ گئے - کچھ عرصہ ہوا مشہور مشرقیاتی پادری لامنس نے ۱۹۱۶ء کے ژورنال آزیاتیک (پیرس) میں ایک عجیب اور قابل غور مضمون لکھا ہے -

Lammens Les Ahabis et l'organisation militaire de la Mecque au siecle de l'Hegire

یعنی "حبشی اور قرن ہجرت کا فوجی نظام مکے میں"۔ اس میں وہ متعدد عربی حوالوں کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ قریش نے ایک مستقل فوج دائمہ (stendi nazimfriy) تیار کی تھی، جیسے ابن ان کے حبشی غلام اور بہت سے تنخواہ یاب

حفاظت کے لیے بھی کام کرتے تھے۔ اور قریش ان کو بڑی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تجارتی کاروانوں کے سفر کے وقت بطور محافظ و مصاحب ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ بلکہ اپنی جنگوں میں بھی ان سے مدد لیتے تھے۔ مسلمانوں سے جنگوں کے سلسلے میں اکثر قریش کا حبشیوں کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے۔

[illegible] علاقے میں اسلام کی اشاعت

عہد نبوی کے بعد مسلمان جب تیزی سے چاروں طرف پھیلنے لگے تو مصر کا جنوبی علاقہ بھی نور اسلام سے منور ہونے لگا۔ [illegible] معلوم نہیں کہ ان علاقوں میں اسلام کب آیا اور کس طرح ہوا چونکہ [illegible] ان علاقوں سے تجارتی تعلقات قدیم اور گہرے تھے اس لیے مصر کی فتح کے بعد ہی غالباً مسلم تاجروں نے اسلام [illegible] بہر حال حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے [illegible] کے علاقے میں مسجدوں کا پتہ چلتا ہے۔ مقریزی کی [illegible] المواعظ میں لکھا ہے کہ جب [illegible] حضرت عمر کے زمانے میں مصر [illegible] عبداللہ بن سعد [illegible] فوج [illegible] کو فتح [illegible]

نوبہ روانہ کیا۔ اور جب بہت دن ہو گئے تو عمرو بن العاص نے [illegible]
ان کو واپسی کا حکم دیا۔

نوبہ پر مسلمانوں کی چڑھائی اور معاہدہ

جب عمرو بن العاص [illegible] تو نوبیوں نے اس صلح کو توڑ دیا [illegible] پر ان میں اور حبشیوں [illegible] جنگ ایک عرصے تک ہوتی رہی۔ اور وہ جنوبی مصر پر حملہ کر کے لوٹ مار کرتے رہے۔ اس پر عبداللہ بن سعد نے [illegible] چڑھائی کی۔ اس وقت وہ مصر کے گورنر ہو گئے تھے اور [illegible] یعنی حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہے۔ انہوں نے نوبہ کے پایۂ تخت دنقلہ (دنگولا) کا محاصرہ کر کے منجنیق سے پتھر برسائے جس سے ان کا گرجا منہدم ہو گیا۔ اس پر ان کا بادشاہ [illegible] گھبرا گیا اور بڑی عاجزی سے صلح کی درخواست کی [illegible] کم کھانے پینے کی تنگی سے [illegible] صلح ہوئی جس میں نوبیوں نے سالانہ [illegible] غلام [illegible] پیشکش کیا اور مسلمانوں نے ان کو غلہ [illegible] ایک معاہدہ لکھا گیا جو بقط (Bact) کہلاتا ہے [illegible] جس میں دنقلہ کی جامع مسجد کا بھی ذکر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
۱۔ عهد من الامير عبد الله بن سعد بن ابي سرح لعظيم النوبة ولجميع اهل مملكته	۱۔ امیر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا معاہدہ نوبہ کے حکمراں اور اس کے جملہ اہل ملک کے لئے۔
۲۔ عهد عقده على الكبير والصغير من النوبة من حد ارض اسوان الى حد ارض علوة	۲۔ معاہدہ جو نوبہ کے بڑے چھوٹے سبھوں کے لئے اسوان سے علوہ تک کے علاقے کے لئے کیا گیا ہے۔
۳۔ ان عبد الله بن سعد جعل لهم امانا وهدنة جارية بينهم وبين المسلمين ممن جاورهم من اهل صعيد مصر وغيرهم من المسلمين واهل الذمة	۳۔ عبداللہ بن سعد نے ان کو ایک امن عطا کیا اور ایک صلح نظور کی ہے جو ان کے اور ہمسایہ جنوبی مصر وغیرہ کے مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین جاری ہوگی۔
۴۔ انکم معاشر النوبة آمنون بامان الله وامان رسوله محمد النبي صلى الله عليه وسلم	۴۔ اے نوبہ والو تمھیں خدا اور رسول کا امان دیا جاتا ہے کہ ہم تم سے نہ جنگ کریں گے نہ لڑائی

Marfat.com

ان لا نحاربکم ولا ننصب لکم	جب تک تم ہماری باہمی
حربا ولا نغزوکم ما اقمتم	شرطوں پر قائم رہو۔
على الشرائط التى بيننا وبينكم	
۵- على ان تدخلوا بلدنا	۵- یہ کہ تم ہمارے ملک میں
مجتازين غير مقيمين فيه	آ کر گزر سکو گے۔ بس نہ سکو گے۔
وندخل بلدكم مجتازين	اور ہم تمھارے ملک میں آ کر گزر
غير مقيمين	سکیں گے مقیم نہیں ہو جائیں گے۔
۶- وعليكم حفظ من نزل	۶- جو مسلمان یا ذمی تمھارے
بلدكم او يطرق من مسلم	ملک میں آئے یا اس میں سے
او معاهد حتى يخرج عنكم	گزرے تو تمھارے علاقے سے
	واپسی تک اس کی حفاظت تمھارا
	فرض ہے۔
۷- وان عليكم رد كل آبق	۷- اور مسلمانوں کا کوئی بھاگا
خرج اليكم من عبيد المسلمين	غلام تمھارے پاس آئے تو تم
حتى تردوه الى ارض الاسلام	اسے اسلامی سرزمین میں واپس
ولا تستولوا عليه ولا	کر دو گے اس پر قبضہ نہ کرلو گے
تمنعوا منه ولا تتعرضوا لمسلم	اور نہ اس سے کوئی مسلمان ملنا اور

فتصدع هو جاعوهما الى ان [illegible]
[illegible]

۱۰ [illegible] المحبين
الذين [illegible] المسلمون
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور جب تک کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

۱۱ [illegible]
[illegible]
[illegible] الامام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] السموات ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Marfat.com

۱۰ - ولیس علی المسلمین قوم [illegible]
هم [illegible] لکم [illegible]
من [illegible] الی [illegible]

۱۰ - [illegible] کے [illegible] ہیں
[illegible]
[illegible] مسلمانوں کا فرض نہیں -

العمران

۱۱ - فلما [illegible] آمنتم [illegible] المسلم
اولئک [illegible]
ولهم [illegible] المسجد الله [illegible]
المسلمون [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] منکم [illegible]
[illegible]
[illegible] حتی یحکم الله [illegible]
وهو خیر الحاکمین ۔

۱۱ - اگر تم مسلمانوں کے [illegible]
غلام کو پناہ دو یا کسی مسلمان یا
ذمی کو قتل کرو یا اس مسجد کے
[illegible]
شہر میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔

۱۲ - علیها من الله عهد الله
ومیثاقه وذمته وذمة رسوله

۱۲ - ہم پر [illegible] اور
رسول کا ذمہ ہو [illegible] اور

محمد صلی اللہ علیہ وسلم	تمھارے لئے تم پر تمھارے دین
ولنا علیکم بہذا الوفی اعظم	کی سب سے بڑی اعتماد کی
ما تلینون بہ من ذمۃ المسیح	چیز یعنی حضرت مسیح اور حواریوں
وذمۃ الحواریین وذمۃ	اور اپنے دین وملت کے دیگر
من تعظمونہ من اھل	بزرگ اشخاص کی ذمہ داری ہے
دینکم وملتکم۔ اللہ الشاھد	اللہ ہم میں اور تم میں اس پر
بیننا وبینکم علی ذالک	گواہ ہے۔
۱۳۔ کتبہ عمرو بن	۱۳۔ اسے ۳۱ھ میں رمضان
شرجبیل فی رمضان سنۃ احدی	میں عمرو بن شرجبیل نے تحریر
وثلاثین۔	کیا۔

مقریزی نے تفصیل کے ساتھ اس معاہدے کی تعمیل کی رسمیں بیان کی ہیں کہ ہر سال غلاموں کی حوالگی کے وقت کیا طریقہ انجام پاتا تھا اور کس طرح رواج نے گورنر مصر اور افسران متعلقہ کے لئے بھی کچھ حقوق مستقرہ پیدا کر دیئے تھے اور کس طرح اور کس مقدار میں انھیں غلہ عطا کیا جاتا تھا۔ اور یہ کہ رواج نے کس طرح غلے کے علاوہ کپڑے وغیرہ کو بھی اس میں شامل کرا دیا تھا۔ چونکہ نوبی قوم عیسائی تھی اس لئے سالانہ سفارت کے موقع پر ایک زمانے میں شراب

Marfat.com

کے پیچھے بھی تحفے دیئے جانے لگے تھے تو علاء نے اس میں مداخلت کی تھی۔

حبش کے بعض ساحلی علاقے اوران کا یکساں نظم

حبشہ اور نوبہ سے متصل بُجہ کا علاقہ ہے جو دریائے نیل اور بحر احمر کے مابین بندر عیذاب (عانیہ پورٹ سوڈان) سے جنوبی سکین تک پھیلا ہوا ہے۔ مقریزی نے (باب "ذکر البجہ" میں) لکھا ہے کہ ان میں بھی جنوبی ہند کے بعض ساحلی علاقوں کی طرح مادرانہ معاشرہ رائج تھا یعنی کسی کا وارث بیٹا نہیں بلکہ بھانجا اور نواسہ ہوتا تھا اور یہ کہ ان میں کوئی سیاسی تنظیم اور کوئی مذہب نہ تھا۔ جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے نوبہ پر حملہ کیا تھا تو اس علاقہ پر بھی توجہ کی تھی لیکن جب یہاں کی حالت سے آگاہی ہوئی کہ کوئی حکومت ہی نہیں ہے جو مقابلہ کر سکے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا کہ کوئی معاہدہ تک نہیں طے ہوا۔ اور یہ کہ سب سے پہلی مرتبہ ان سے معاہدہ عبیداللہ بن الحجاب السلولی (زمانہ گورنری ۱۰۲ھ تا ۱۱۶ھ) نے کیا تھا جس میں مذکور تھا کہ "سالانہ ان لوگوں کو تین سو اونٹ دیئے جایا کریں گے۔ یہ تجارت کے لئے اسلامی سرزمین سے گزر سکیں گے۔ لیکن وہاں بس جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ کہ ان کے علاقے میں مسلمان اور ذمی رعایا کو جان و مال کا امن حاصل رہے گا ورنہ ان سے معاہدہ

کا اسلام سمجھا جاتا تھا۔ بہتر ہے کہ مسلمانوں کے غلام بھاگ کر ادھر کے
علاقے میں آجائیں تو وہ واپس کیے جائیں گے۔ معاہدے کی
تعمیل کے لیے ان کا ایک وکیل بطور یرغمال مصر میں رہتا تھا
اور علاقائی وحدت کی شرائط مقرر تھیں۔ چنانچہ ایک بکری کی قیمت پر
[illegible] دینار اور [illegible] کی قیمت پر [illegible] دینار جرمانہ [illegible]
اور [illegible] غلاموں کی عدم واپسی پر بھی ان سے جرمانہ وصول کیا
جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے علاقے میں مسلمان جا کر بستے اور وہاں
کے مقامی خاندانوں میں شادی بیاہ کرتے اور ان کی لڑکیوں کو
کنیزیں بنا کر استفادہ کرنے لگے جس کے باعث ان کی [illegible]
[illegible] میں بھی رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا لیکن قبائلی عادات کے ذریعے
[illegible] لوگوں سے لوٹ مار بہت شروع کی تو صلاح الدین
[illegible] کو [illegible] گیا اور [illegible] کے بعد [illegible]
[illegible] پر [illegible] کا طول [illegible] مقرر [illegible]
[illegible] کے اہم فقرات یہ ہیں:

"[illegible] ان کے غلام بھاگ کر
[illegible] تو [illegible] بادشاہ [illegible] اور [illegible]
[illegible] دینار سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔۔۔

اسلام، قرآن یا جناب رسالت مآب کی شان میں کوئی گستاخی کرے تو
معاہدہ منسوخ سمجھا جائے گا ۔۔۔ دشمنان اسلام کو مدد نہ
دیں گے ... کسی مسلمان ذمی یا آزاد کو قتل کریں تو وہ خود یا
ان کے غلام قیمت کا دیں گے اور اسی طرح اسلامی رعایا کا مال
لے لیں تو وہ اس کا جرمانہ وصول کیا جائے گا ۔۔۔ اسلامی علاقہ
کو [illegible] کوئی مخالفت نہ ہوگی اور نہ
رہزنی کی جائے گی ۔۔۔ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں
کو نہ ڈھائیں گے ... [illegible]
مصر میں مقیم رہنے والے [illegible] کی تعمیل کا اہتمام
ہو ... پھر اسلامی [illegible] ان کے [illegible] زکوٰۃ وصول کرتے
علاقہ بھی نہیں [illegible] سکیں گے۔ اس کو معاہدہ [illegible]
پر گواہان [illegible] دستخط کرائے گئے

اس کی تعمیل خلیفہ [illegible] کے زمانے تک ہوتی رہی۔ [illegible]
بڑھ گئی تو ایک اہم تبدیلی ہو گئی۔ [illegible] عرب کی [illegible]
کی ان کے دشمنوں کی [illegible] شکست [illegible] ان کے علاقوں [illegible]
نوبہ کے [illegible] پر [illegible] ۲۴۲ھ [illegible] اور
بعض دیگر حقوق سلطان [illegible] کے لیے [illegible] کرکے [illegible]

Marfat.com

حبشی علاقوں کے بہت سے حالات مقریزی نے الالمام نامی ایک مستقل کتاب میں بھی لکھے ہیں۔ لیکن ہمارا موضوع قبل اسلام اور ابتدائے اسلام کے تعلقات کا تذکرہ ہے اور بعد کے حالات محض تکملہ میں۔

ضمیمہ مذکورہ بالا تحریر کی کتابت ہو چکی تھی کہ بعض نئے معلومات معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔ اوپر مسٹر ڈنلاپ کے مکتوب نبوی بنام نجاشی کو دریافت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابھی ابھی ان کا ایک خط گلاسگو سے آیا ہے اور ان کا موعودہ مضمون بھی چھپ گیا ہے۔ جس میں مکتوب مبارک کا فوٹو بھی شامل ہے۔ چنانچہ رسالہ جے آر۔ اے۔ ایس لندن بابتہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء صفحہ (۴ تا ۶۰) ملاحظہ ہو۔

اصل نامۂ مبارک ایک جھلی پر ہے جو (۱۳ ۱/۲) انچ لمبی اور (۹) انچ چوڑی ہے جس پر علاوہ مہر کے سترہ سطریں خط جلی میں ہیں اور صاف پڑھی جاتی ہیں۔ مکاتیب نبویہ بنام مقوقس و منذر کے خط سے مل کر خط ملا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کاتب دوسرا ہوگا۔ لیکن انداز خط اور رسم الخط ہی قدیم ہے مسٹر ڈنلاپ کے دوست ماہرین نے یہ بھی تسلیم کیا کہ مکتوب کے آخر جو مہر ہے وہ مہر فوٹو میں نمایاں نہیں آسکی ہے۔

بہر حال ہم شکل اور ہم خط اور یکساں ہے۔ اور یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اوپر ہم نے مسٹر ڈنلاپ کے خط کے حوالے سے جو متن نقل کیا ہے اس میں فوٹو کے دیکھنے پر خفیف ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ سطر ۱۳ میں "تومن" کی جگہ "توقن" پڑھا جائے اور سطر ۱۶ میں "فاقبل ولنصیحتی" کی جگہ "فاقبلو نصیحتی" (بغیر الف جمع کے) اور سطر ۱۷ میں "اتبع" کی جگہ "اتبع" (دو ت سے) لکھا ہوا ہے اور یہ آخری دونوں چیزیں میرے نزدیک فن تحریر کے آغاز کا زمانہ ہونے کی وجہ سے خط کے اصلی ہونے کی دلیل ہیں۔ زمانہ ما بعد کا جعل ہو تو کاتب ایسی غلطیاں نہ کرتے۔ اصل میں یہ غلطیاں نہیں ہیں بلکہ عہد نبوی میں ان کا رواج ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ ماضی جمع کے صیغے میں بارہا بغیر الف کے قرآن میں الفاظ ملتے ہیں اور آیت "والسماء بنیناھا بأیید" میں دو "ی" لکھتے ہیں حالانکہ تلفظ "بأید" ہے۔ نامہ مبارک کی روشنائی کھجور کے رنگ کی سرخ ہے۔ اسے دمشق میں کسی شخص نے ۱۲۸ھ میں حبشہ کے ایک پادری سے خرید کیا اور اسے کچھ دن انگلستان بھیجا گیا تاکہ برٹش میوزیم وغیرہ کے ماہرین اس کی جانچ کریں اور مسٹر ڈنلاپ کا راوی ہے کہ عملیں نے اسے واپس لے جا کر اس کے مالک

کو پہنچا دیا جو دمشق کا ایک خانگی فرد ہے۔ مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن ماہرین نے اسے دیکھا ان میں سے متعدد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس جعلی کو نئے کی بجائے پرانا ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ برٹش میوزیم کے ماہروں نے البتہ اس کا اتنا قدیم ہونا کہ عہد نبوی کا ہو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک عہد نبوی کی کسی اور اصلی اور مسلمہ تحریر سے اس کا مقابلہ نہ کیا جائے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ "یہ اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی"۔

مسٹر ڈنلاپ نے اس جعلی کو بعض سرسری اور سطحی بلکہ اپنی آپ تردید کرنے والی دلیلوں کی بنیاد پر محض حالیہ (تقریباً ستر اسی سال کی) قرار دیا ہے۔ مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دلائل کا جواب رسالہ سے [illegible] جہاں وہ ابتدائی مضمون چھپا ہے یوں بھی اس میں بہت سے خشک فنی مباحث آجاتے ہیں جن کی یہاں جگہ نہیں اور میری رائے میں قرائنی شہادت بہت کچھ مکتوب کے اصلی ہونے کی تائید میں ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی

کی

نئی دستیابی

مجلہ عثمانیہ جلد (۹) شمارہ (۳-۴) ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں مضمون
مکتوبات نبویؐ کے دو اصول کے آخر میں ایک اخباری اطلاع کا
ذکر کیا گیا تھا کہ موجودہ نجاشی حبشہ نے مکتوب نبویؐ کی جو اس زمانے
کے نجاشی کے نام آیا تھا، لوگوں کو زیارت کرائی۔ مگر کوئی تفصیلی
اطلاع نہیں مل سکی۔ اس کے بعد سے بڑے بڑے انقلاب
رونما ہوئے۔ نجاشی کو لندن میں پناہ گزین ہونا پڑا، حبشہ پر
اطالوی قبضہ ہوگیا۔ پھر موجودہ جنگ چھڑی۔ سرگرمی تھی سے
اب اس مبارک دستاویز کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوئی
ہیں جو باعث دلچسپی ہوں گے۔

۸ مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے جامعہ آکسفورڈ میں ابتدائے سنہ ہجری کے
چند عربی کتبوں پر ایک مقالہ لکھ دیا اور ان کتبات کے خط کا مقابلہ سابق
میں دستیاب شدہ مکتوبات نبویہ بنام مقوقس و منذر سے کیا تو پروفیسر مارگولیتھ
نے جلسے میں بیان کیا تھا کہ ایک اور مکتوب نبویؐ جو نجاشی حبشہ کے نام تھا

Marfat.com

دستیاب ہوگیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیوث کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدرآباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلاپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ سکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی بھیجا جائیگا نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جلد لندن کے رسالے جے۔ آر۔ اے۔ ایس میں بھی چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہوگئی لیکن اسنے حالات میں سے اسلامک کلچر حیدرآباد (اکتوبر ۱۹۳۹ء ص ۴۲۹) کی تعلیق میں اور مصر میں شائع شدہ کتاب الوثائق السیاسیۃ (ص ۲۵ تا ۲۷) کی تعلیق میں شائع کرادیئے۔

موعودہ مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس کے شمارۂ جنوری ۱۹۴۰ء میں چھپا۔ لیکن یہ پرچہ وقت سے بہت دنوں بعد ہندوستان پہنچا۔ اس میں یہ مضمون صفحہ ۵۷ تا ۶۰ میں چھپا ہے اور مکتوب مبارک کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا ہے۔

اس مضمون کے ضروری اقتباسات کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو کوئی نو انچ چوڑی اور ساڑھے تیرہ انچ لمبی ہے۔ حروف مدور ہیں اور بڑے ہونے کے باعث پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ سیاہی جو استعمال کی گئی ہے وہ خاکی دبادامی ہے خط کا مضمون سترہ سطروں میں ہے جس کے آخر میں ایک گول مہر کا نشان

Marfat.com

ہے جس کا قطر ایک انچ کا ہے۔ اس کی عبارت نیچے سے اوپر ہے۔
محمد رسول اللہؐ اور ہر لفظ علیٰحدہ علیٰحدہ سطر میں ہے۔ اور خط میں یہ عبارت ہے۔

سطر (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
(۲) من محمد رسول اللہ الی النجا
(۳) شی عظیم الحبشة سلام علی من
(۴) اتبع الھدی اما بعد فانی احمد الیـ
(۵) ک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک
(۶) القدوس السلام المومن المھیمن
(۷) واشھد ان عیسی بن مریم روح
(۸) اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتو
(۹) ل الطیبة الحصینة فحملت بعیسی من ر
(۱۰) وحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ و
(۱۱) انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شر
(۱۲) یک لہ والموالاة علی طاعتہ وان
(۱۳) تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی فانی ر
(۱۴) سول اللہ وانی ادعوک وجنو
(۱۵) دک الی اللہ عز وجل وقد بلغت
(۱۶) ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام

[illegible]

(۱۸) علی من اتبع الهدیٰ
کذا

یہ دستاویز اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دمشق میں حاصل ہوئی۔ میں اسے انگلستان لے گیا۔ برٹش میوزیم میں مسٹر شول اور مسٹر فلٹن نے اسے دیکھا۔۔۔ پروفیسر مارگولیوث اور گلاسگو کے مسٹر رابسن وغیرہ عربی دانوں کے دیکھنے کے بعد میں نے اسے ۱۹۳۹ء میں واپس لے جاکر دمشق میں اس کے مالک کو پہنچا دیا جو وہاں ایک قاضی شخص ہیں۔ اصل تو نہیں البتہ اس کے فوٹو کو مختلف اوقات میں جامعہ توبنگن (جرمنی) میں پروفیسر کاہلے اور پروفیسر بیشنگ نے بھی دیکھا۔ سابق میں یعنی جو حبشی یا مشارہ مکتوب نبوی (بنام مقوقس) سے مقابلے پر عام مشابہت نظر آئی۔ خاص کر مہر دونوں پر یکساں معلوم ہوئی۔ خط مختلف تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کاتب کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہوگا۔ اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ملتا ہے ان میں باہم خفیف سا فرق ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری پر خط کی سطر ۳ میں "النجاشی الاصحم ملک الحبشہ" ہے یعنی نام زائد ہے اور "عظیم" کی جگہ "ملک" کا لفظ ہے نیز "سلام علی من اتبع الهدیٰ" کی جگہ "سلم انت" ہے اور "انا بوز" نہیں ہے اور خاص کر آخر میں طبری میں "وقد بعثت الیک ابن عمی جعفر و نفرا معہ من المسلمین فاذا جاءوک فاقرهم ودع التجبر" کا جملہ زائد ہے باقی نفس تقریباً یکساں ہے۔ طبری کے برخلاف سیرۃ حلبیہ میں جو متن ہے وہ

ہو بہو یکساں معلوم ہوتا ہے تھی کہ اس میں "توقن بالذی جاءنی" بھی ہے ورنہ عام طور سے طبری اور دیگر مؤلفین اس کی جگہ "تؤمن بالذی جاءونی" کی روایت کرتے ہیں علم خطوط قدیمہ کے نقطۂ نظر سے برٹش میوزیم کے ماہرین کی رائے تھی کہ وہ اتنا قدیم نہیں معلوم ہوتا جتنا بیان کیا جاتا ہے۔ جن جن لوگوں نے اس کی جھلی کو دیکھا ہے ان میں سے متعدد کی یہ رائے کہ اس جھلی کا جز جزو کے مقابل قدیم ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ مسٹر حمید اللہ مؤلف کتاب "فرانسیسی" پر سیاست خارجہ اسلام بزمانہ نبویؐ کا خیال ہے کہ مکتوب نبویؐ کی اصل موجودہ نجاشی کے کتب خانے میں ہوگی[1]۔ موجودہ مالک کا بیان ہے کہ اس نے چند سال قبل یہ دستاویز حبش کے ایک پادری کے پاس سے حاصل کی۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سابق میں وہ شہنشاہ حبشہ کے کتب خانہ میں رہی ہو۔ اور حالیہ (حبشی اطالوی) جنگ کے دوران میں وہ کسی طرح ایک پادری کے ہاتھ پہنچ آئی جس نے بعد میں شام کا سفر کیا۔۔۔"

اس قدر حالات دینے کے بعد مسٹر ڈنلاپ نے اس مکتوب کے جعلی ہونے کی رائے ظاہر کی ہے۔ اور اس کی دلیلیں مختصراً یہ ہیں:-

---

[1] میں نے یوں نہیں لکھا تھا بلکہ خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اصل کا حبش سے حاصل کیا جانا بیان کیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ جلاوطنی کے زمانے میں خود نجاشی یا اس کے ساتھی یہ مکتوب اپنے ساتھ حبش سے لائے ہوں۔ کیونکہ چند دن قبل اس کے حبش میں جلوسنے اور عام زیارت کرائے جانے کی خبر آئی تھی (دم۔ ح ا)

۱۔ پیغمبرِ اسلام نے خطوط بھیجے ہی نہیں۔ آپؐ اپنے کو عالمگیر نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف عرب کی اصلاح چاہتے تھے۔ اصل میں بعد کے زمانے میں جب عیسائی مسلمان ہوئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ نے تمام دنیا میں اپنے حواری تبلیغ کے لئے بھیجے تھے تو مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی عزت کسی سے گھٹی ہوئی نظر نہ آنے کے لئے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔

۲۔ سابق میں مقوقس اور منذر بن ساوی کے نام جو اصل مکتوبات نبویؐ دستیاب ہوئے تھے اُن کے متعلق نولڈکے اور شوالی نے اور شلائشر نے جعلی ہونے کی رائے دی تھی۔

۳۔ برٹش میوزیم کے ماہرین نے موجودہ جعلی کو جعلی قرار دیا۔

۴۔ سیرۃ ابن ہشام میں جہاں مکتوبات نبویہ کے بھیجے جانے کا ذکر ہے وہاں شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں ہے۔ (گویا یہ روایت ابن ہشام کی یا ان کے زمانے کی پیداوار ہے)

۵۔ قرآن مجید کے جو پرانے نسخے ملتے ہیں ان کے خط سے اس مکتوب کا خط کافی مختلف ہے۔

۶۔ آج کل بہت سی چیزیں پرانی کہکر بیچی جارہی ہیں مگر وہ جعلی چیزیں ہیں۔

۷۔ اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ہے اس میں اور جعلی کی عبارت میں فاصا فرق ہے۔

Marfat.com

یہ ثابت دلیلیں جن میں سے زیادہ تر صرف پرانی پادریانہ باتیں دہرائی گئی ہیں کسی سنجیدہ التفات کے قابل نہیں تھیں۔ صرف نوجوان ناظرین کے معلومات کے لئے ان کی کچھ تحلیل کر دی جاتی ہے۔

پہلی دلیل۔ محض ایک بے تکا اعتراض ہے۔ ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ ما ارسلنٰک الا کافۃ للناس۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ وغیرہ قرآن مجید کی متعدد آیتیں بتاتی ہیں کہ رسول عربی عالمگیر نبی تھے یہ اور بات ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے اس عالم اسباب میں آپ نے اپنی تبلیغی زندگی صرف حجاز میں گزاری ہو۔

اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ کے متعلق خود انجیل میں اکئی جگہ مذکور ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں حتیٰ کہ اپنی مبلغوں کو بھی ہدایت کی کہ غیر یہودیوں میں تبلیغ نہ کریں اور فرمایا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ امریکی پادریوں کی جدید تحقیقات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا حواریوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجنا ایک من گھڑت قصہ ہے انھوں نے خود نہیں بھیجا تھا۔ پھر کیوں یہ اعتراض اور الزامی جواب اس بحث سے کم متعلق ہے۔ اگر ڈنلاپ صاحب خود اسے نہ چھیڑتے تو ہم بھی اس بحث میں نہ پڑتے۔ عہد نبوی میں موتہ (فلسطین) پر حملہ کیا اس دعوے کا جواب نہیں ہے کہ آپ صرف عرب کے نبی تھے؟!

دوسری دلیل۔ اس کا تفصیلی جواب اپنے ساتھ ساتھ مضمون میں آ رہا ہے

Marfat.com

چکا ہوں۔ دیکھئے مجلہ عثمانیہ جلد ۹ شمارہ ۳-۴ ۔ مکتوبات نبوی کے دو اصول) اور اسلامک کلچر (اکتوبر ۱۹۳۹ء ابتدائے سنہ ہجری کے چند عربی کتبات مدینہ) آخر الذکر زیادہ مفصل ہے ۔ اب انھیں اعتراضات کو دہرا کر جواب دینا تحصیل حاصل ہے ۔ مختصراً وہ اعتراضات ناواقف اور جاہل لوگوں کے ہیں یوں بھی دیگر خطوط جعلی ہوں تو یہ کیا ضروری ہے کہ موجودہ خط بھی جعلی ہی ہو ۔

تیسری دلیل :۔ برٹش میوزیم کے دو ماہرین نے صرف اتنا کہا کہ جعلی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی کہ عہد نبوی کی ہو ۔ اس قسم کے تخمینی معاملات میں ماہرین میں جتنا تخمینہ اور مضحکہ خیز اختلاف ہوتا ہے وہ علم آثار قدیمہ سے ادنیٰ مس رکھنے والے بھی جانتے ہیں ۔ ہم نے اصل جھلی کے دیکھنے کا موقع نہیں پایا ۔ ممکن ہے بعض دوسرے ماہر دیکھیں تو اس جھلی اور اس کی تحریر کو اتنا ہی قدیم قرار دیں جتنا اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ۔

چوتھی دلیل ۔ اس ناواقفانہ اعتراض کا تفصیلی جواب میں نے رسالہ معارف اعظم گڑھ (جون ۱۹۳۵ء "آں حضرتؐ کا خط قیصر روم کے نام") میں دیا ہے ۔ مختصر یہ کہ عبارت کے شروع میں قال ابن اسحاق نہ ہونے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو دوران عبارت میں کئی جگہ ابن اسحاق کا ذکر ہے اور دوسرے ابن ہشام نے آخر میں بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں مکتوبات نبویہؐ کا ذکر خاص میرا ہے ۔ جس کے معنے صاف یہ ہیں کہ باقی خطوط کا ذکر ابن اسحاق ہی کے حوالے سے ہے ۔

پانچویں دلیل ـــ سے بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اول تو قرآن مجید کا خط خاص آرائش سے لکھا جانا چاہئے اور معمولی سرکاری مراسلے الگ دفتری خط میں۔ دوسرے مقابلہ تو ایسی تحریروں سے ہو جو مسلمہ طور سے عہد نبوی یا اس کے قریبی زمانے کی ہوں نہ کہ کئی صدی بعد کی تحریروں سے۔

چھٹی دلیل کو بچکانا اعتراض کہنا چاہئے۔ بازار میں تاجر بھاؤ بڑھانے کو کوئی چیز پرانی بتلائے تو چشم دید سو فی صد تسلیم ہے اس کا جھوٹ کہنا کیا ضروری ہے؟ ہم کو اپنی ذاتی رائے قائم کرنی چاہئے نہ کہ وہ دھوکے میں آچکے ہوں تو چچا بھتیجے کا پھونک پھونک کر رہے ہیں۔

ساتویں دلیل ہی البتہ ایک ایسی چیز ہے جو سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے ۱۹۳۵ء میں جب میں نے اپنا فرانسیسی مقالہ پیش کیا تھا تو اس میں (صفحہ ۳۵ تعلیق نمبر ۵ میں) میں نے مکتوب نبوی بنام نجاشی کے اس متن پر جو طبری میں ہے، یہ رائے ظاہر کی تھی:-

> تمام اسلامی مورخ متفق ہیں کہ یہ
> خط ۶ھ میں بھیجا گیا۔ مگر اس
> کے بعض جملے مثلاً "میں تیرے پاس
> اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیج رہا
> ہوں جس کے ہمراہ چند مسلمان
> بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئے
> تو ان کی مہمانداری کر ۔ ۔ ۔" ایسے ہیں

Marfat.com

جن سے اس گمان کی تائید ہوتی
ہے کہ یہ خط آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی کو ان
کے ہجرت کر کے حبش جانے وقت
بغرض تعارف (تقریباً ۸ سنہ نبوی قبل ہجرت)
بھیج دیا ہوگا۔ بنابریں جو متن ہمارے
سامنے ہے وہ اصل میں دو الگ
الگ خطوں کی عبارتوں کا مرکب ہوگا۔
مکتوب ثانی بے شک سنہ ۶ھ میں بھیجا
جاسکتا ہے تاکہ نجاشی کو اسلام لانے
کی دعوت کی تبلیغ کرے۔ رہا وہ
خط جس میں مہاجرین کے پہنچنے
پر ان کی مہمانداری کرنے کی خواہش
کی گئی ہے سنہ ۷ھ کے اواخر میں کسی
طرح نہیں لکھا جاسکتا۔ کیونکہ مہاجرین
کو حبشہ پہنچ کر تب کوئی چودہ
سال گزر چکے تھے اور اس وقت تو
وہ وہاں سے مدینہ واپسی کی تیاری
کر رہے تھے۔

Marfat.com

یہی خیال میں نے انجمن ترقی اردو کی شائع کردہ کتاب "حبش اور اطالیہ" "کتاب عرب اور حبشہ" میں ظاہر کیا تھا۔ موجودہ جھلی کی دریافت سے اس خیال کی پوری تائید ہو گئی اور اس میں حضرت جعفر طیار کے تعارف وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ خالص تبلیغی خط ہے۔

رہا تاریخوں میں مندرج متن سے اختلاف تو اس کی وجہ سب جانتے اور ملتے ہیں کہ روایت باللفظ کی طرح روایت بالمعنیٰ کا بھی عربوں میں رواج رہا اور جتنا بھی اختلاف تاریخوں کے متن اور جھلی کے متن میں ملتا ہے وہ صرف ایک ہی مفہوم کو دوسرے مترادف الفاظ میں ظاہر کرنے پر مشتمل ہے اور بس۔ خاص چیز یہ قابل ذکر ہے کہ ایک تاریخ میں ایک جملہ روایت بالمعنیٰ کے باعث بدلا ہے تو دوسرے میں دوسرا۔ حیثیت مجموعی پورے خط کی اصلی عبارت تاریخوں میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ سیرۃ حلبیہ کا متن بہت زیادہ مطابق اصل ہے اور خود مسٹر ڈنلاپ نے تسلیم کیا ہے کہ اگر ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ جو نامکمل اقتباس دیا ہے اس کی جگہ پورا متن دیا ہوتا تو جھلی کی عبارت سے سو فی صد متفق ہوتا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تاریخوں کے متن کا دستاویز کے مندرجات سے مختلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی جعلساز نے کسی تاریخ کی عبارت نقل کر کے فرضی دستاویز نہیں تیار کی ہے۔

یہ تو مسٹر ڈنلاپ کی اعتراضی دلیلوں کے جواب تھے۔ مسٹر ڈنلاپ نے بعض اہم چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ:۔

۱- موجودہ خط کی مہر سابق میں دستیاب شدہ مکتوبات پر کی مہر کے بالکل مطابق ہے اس کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ چونکہ سابقہ مکتوب اور موجودہ مکتوب کی تحریر مختلف ہے اس لئے اس کا بھی اب امکان نہ رہا کہ دونوں کو ایک ہی شخص کا جعل قرار دیا جائے۔ ان دونوں کی دستیابی کے مقامات بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

۲- جعلی کی عبارت کا رسم الخط خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ "فاقبلوا" کی جگہ بغیر الف کے "فاقبلو" لکھا گیا ہے۔ نیز "اتبع" کی جگہ ت کے دو نقطے "اتبع" ہیں۔ اگر مسٹر ڈنلاپ کی رائے کے مطابق یہ صرف ستر اسی سال قبل کی جعل ہوتی تو ان خصوصیات کی توجیہ ناممکن ہے۔ اس طرح کے لکھنے کا رواج عہد نبوی میں رہا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور حالیہ زمانے میں کوئی اسی طرح لکھے تو اسے غلط سمجھا جاتا ہے۔ "فاقبلو" کی مماثل نظیریں قرآن مجید میں بکثرت ملیں گی اور "اتبع" کی بھی ایک۔ چنانچہ سورۃ ۵۱ آیت ۴۷ میں "والسماء بنینٰھا بأییدٍ" اب تک لکھا جاتا ہے حالانکہ "بأیدٍ" بالکل کافی تھا۔ فلسطین کے ایک قدیم کتبے میں جو حال میں دستیاب ہوا ہے "آمین" کا لفظ دو شوشوں کے ساتھ "آمیں" لکھا گیا ہے۔ دیکھئے کانتی نو کی فرانسیسی کتاب "فہرست کتابات پالمیرا" مطبوعہ بیروت سنہ ۱۹۳۲ صفحہ ۵۱) اور مکتوب نبوی بنام منذر کی اصل میں بھی "غیرہ" کا لفظ دو شوشوں سے "عسر" لکھا گیا ہے۔

۳- خط میں نقطے اور اعراب بالکل نہیں ہیں حالانکہ نقطوں وغیرہ کا رواج

Marfat.com

پہلی صدی ہجری ہی سے شروع ہوگیا تھا، جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ جملی نقطوں اور اعراب کی ایجاد سے قبل کی ہے۔

۴۔ الفاظ کے ٹکڑے کر کے آدھا لفظ ایک سطر میں اور باقی دوسری سطر میں لکھنا مثلاً ر/سول، الیہ/مک، ما/رح، جنو/د [illegible] وغیرہ بھی صرف قدیم زمانے میں رائج تھا اور آج کل اس کا رواج نہیں ہے مصر میں کچھ عرصہ قبل جو ۱۳ھ (یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانے) کا کتبہ دستیاب ہوا تھا، اس میں بھی یہی حال ہے اور مقوقس اور منذر کے نام کے اصل مکتوبات نبویؐ میں بھی یہی چیز ملتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب بعض متعدد کے قرآن کے ایک صفحے کا جو فوٹو ترکی حکومت نے شائع کیا ہے اس میں بھی یہی کیفیت ہے۔

۵۔ "م" اور "ہ" کے لکھنے کے طریقے بھی نہایت قدیم ہیں۔ م سطر کے نیچے نہیں بلکہ اوپر ہے مثلاً محمد (محمد) اور "ہ" کو ہم آج کل کی ع سے مشابہ پاتے ہیں مثلاً (اشهد) کو منذر کے خط میں اسے (اسعد) لکھا ہے اور موجودہ نجاشی کے خط میں (ســو) اور مقوقس کے خط میں (الهدی) کو (الـعـد) جو مختلف کاتبوں کی کشش کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

۶۔ خط جس جگہ سے اور جن حالات میں دستیاب ہوا ہے وہ بھی ہر طرح کے شبہ سے بالا معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس کو وہیں ہونا بھی چاہیے تھا اور حبشی اطالوی جنگ کے مفسد سفر دو [illegible]

Marfat.com

کسی کے ہاتھ بیچ دینا ہر طرح معقول سمجھا جا سکتا ہے۔

غرض ہمارے خیال میں یہ وجوہ مکتوب زیر نظر کی اصلیت کی مخالفت سے زیادہ تائید میں ہماری رائے قائم کراتے ہیں۔

مسٹر ڈنلاپ کا آج کل قیام گلاسگو میں ہے۔ میں نے خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ دمشق کے مالک کا نام اور حیثیت کیا ہے۔ خدا معلوم موجودہ یاجوج ماجوج جنگ میں اس یادگار کا کیا حال ہوا ہے۔ کیونکہ دمشق بھی اس کے نرغے میں آچکا ہے۔

Marfat.com

مکتوباتِ نبویؐ کے دو اصول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط روانہ فرمائے تھے ان کی تعداد اب سوا دو سو تک ہو گئی ہے[۱]۔ اس کا سب سے پہلا مجموعہ جو کوئی بیس ایک نامہ ہائے مبارک پر مشتمل ہے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ گورنر یمن کی تالیف تھی[۲]۔ مجھے بھی سعادت حاصل ہوئی کہ چند سال قبل اس موضوع پر ایک ضخیم تالیف شائع کر سکوں[۳]۔ مگر اصل خطوط عرصے سے ناپید ہو چلے ہیں۔ کچھ خطوط اس سرکاری ریکارڈ آفس میں تلف ہو گئے ہوں گے جو یوم الجماجم کے موقع پر حجاج بن یوسف کے عہد میں عوام کے ہاتھوں جل کر برباد ہو گئی[۴]۔ بڑا حصہ

[۱] دیکھیے میری فرانسیسی تالیف "دوکیومان سیور لا دیپلوماسی مسلمان" مطبوعہ پیرس ۱۹۳۵ء حصہ دوم صفحہ ۹ تا ۹

نیز بعض خطوط کے لیے دیکھیے "منشآت السلاطین" مولفہ احمد فریدون مطبوعہ عصر استانبول ۱۲۷۴ھ صفحہ ۳۰ تا ۳۵

[۲] دوکیومان جلد اول صفحہ ۱۰، جلد دوم صفحہ ۱۳۱۔ یہ رسالہ "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" مولفہ ابن طولون میں بطور ضمیمہ محفوظ ہے جو کہ حال میں دمشق میں چھپی ہے۔

[۳] الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ۔ طبع مصر۔

[۴] کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۳۲، نیز بلاذری، یحییٰ بن آدم و ماوردی۔

Marfat.com

مرسل الیہم کی طرف بھیجا ہو کے نذر ہوا ہوگا۔ لیکن پھر بھی تاریخ میں ابھی حال حال تک متعدد خطوط کی اصل کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ایک خط اسپین کے عیسائی بادشاہوں کے قبضے میں تھا جس کی چشم دید کیفیت چھٹی صدی ہجری کے مولف سُہیلی سے لے کر کم از کم گیارہویں صدی ہجری تک کے مؤلفین کی کتابوں میں ملتی ہے (اس بارے میں مزید معلومات کے لئے دیکھئے میری کتاب دو کیومان جلد اول صفحہ نمبر ۴۵ - نیز کتانی کی کتاب التراتیب الادریہ مطبوعہ رباط ۱۳۴۶ھ جلد اول صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۵) ایک اور فرمان عطائے جاگیر کے لئے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو سرفراز ہوا تھا امام ابو یوسف جیسے قدیم مؤلف (کتاب الخراج صفحہ ۱۴۳ میں) بیان کرتے ہیں۔ اس خط کی چشم دید کیفیت بڑی تفصیل سے ابن فضل اللہ العمری نے (کتاب مسالک الابصار جلد اول صفحہ ۱۶۳ ؎) بیان کی ہے (مزید حالات کے لئے دیکھئے دو کیومان صفحہ ۶۱ تا ۶۳)

مگر آج کی صحبت میں ان دو خطوط پر کچھ معلومات جمع کئے جائیں گے جو حال ہی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اور اس لئے عکس اور فوٹو لے سکنے کا خوش نصیب موقع فراہم ہو گیا ہے۔ ایک مقوقس مصر کے قبطی صدر پادری کے نام ہے جس کا فوٹو مدت سے ہندوستان میں معروف ہے۔ دوسرا خط بحرین کے مسلمان گورنر منذر بن ساوی کے نام ہے، جس کا فوٹو ۱۸۶۳ء میں جرمن رسالے ZDMG میں چھپا ہے۔ ان دونوں اصلوں کو نہ پر علمی حیثیت سے یورپ میں بہت کم بحث کی گئی ہے اور اردو میں بالکل نہیں ہم ہر خط

کا وہ علاحدہ بحث کریں گے۔

پہلا خط

پہلے خط کے سلسلے میں یہ بیان کرنے سے پہلے کہ وہ کب اور کہاں بھیجا گیا
ضروری ہے کہ اس کے کچھ تاریخی حالات بیان کئے جائیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ کب اور کن
حالات میں لکھا گیا تھا۔

جب تحریک اسلامی کی مخالفت ہونے لگی اور مسلمانوں کو ناقابل
برداشت تکلیفیں گہوارۂ اسلام (مکہ معظمہ) میں پہنچیں تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً وطن کو خیرباد کہا اور مدینے میں آ بسے۔ مسلمانوں
کی تعداد یہاں تیزی سے بڑھنے لگی اور پانچ چھ برسوں میں عرب
کے ناکے ناکے پر ان کا اثر پھیل گیا۔ اور مکہ والوں کو کوئی
صورت اس کے چارہ نہ رہا کہ مسلمانوں سے دوستی پیدا
کریں۔ خاص کر اس لئے کہ ہجرت کے بعد ہی ۲ھ میں
ان کو بدر میں مسلمانوں سے بڑی سخت شکست ملی اور گو ۳ھ
میں ان کے حملے سے احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے
مگر وہ اس فتح سے فائدہ اٹھائے بغیر چلے گئے اور ۵ھ
میں مدینے کا ناکام محاصرہ کرکے ناکام واپس ہو چکے تھے۔ اور ان
کے تجارتی راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے سے وہ بے
بس ہو چکے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے

بالمشافہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہہ دیا۔ ان سے صحیح
جواب خیال کی بنا پر اور فرستادہ بھی عزت پیغام بہ امر کہ
منظور کے انہوں نے ایک ہم نامہ صلح و غیرہ بادشاہی پھوٹیں
کے دستخط ہو گئے۔

اس زمانے میں جزیرہ نما عرب کی سیاسی حالت بڑی پراگندہ
ہو گئی تھی۔ عرب کے ہمسایوں میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایران
اور روم (یا بیزنطینی حکومت)۔ ایران میں نہ صرف عراق شامل تھا
بلکہ خود اندرون عرب یمن، عمان اور بحرین پر بھی ایرانیوں کی
حکمرانی تھی۔ بیزنطینیوں کا اثر مصر و حبشہ کے علاوہ عرب
کے شمالی حصے پر تھا جو بیزنطینی صوبہ فلسطین سے متصل
تھا۔ ایرانیوں اور بیزنطینیوں میں طویل عرصے سے جو جنگ چلی
آرہی تھی اس کا خاتمہ یوں ہوا کہ ۶۲۷ء کے بعد جب
نینوا کے مقام پر ایرانیوں کو ایسی واضح اور قطعی شکست
ہوئی کہ وہ پھر سنبھل نہ سکے۔ اگرچہ بیزنطینیوں کو فتح ہوئی
مگر یہ فتح بڑی مہنگی تھی اور ان کو اپنی حالت سدھارنے
کے لئے بہت کچھ کرنا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا
تھا کہ ان ہمسایہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو براہِ راست مذہب
اسلام کی جانب دعوت دی جائے اور ان کے انکار کی صورت میں

Marfat.com

ان کے مختلف والیان صوبہ کو تبلیغ کر یں۔

چنانچہ مدینہ سے واپس آ کر سنہ ہی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد تبلیغی خط روانہ کئے جن میں سے ایک بیزنطینی حکمران قیصر ہرقل کے نام تھا،[1] اور ایک ایرانی تاجدار خسرو پرویز کے نام۔ نامہ ہی کو ایک اور خط بھی دیا گیا کہ راستے میں بحرین کے صوبہ دار منذر بن ساوی کو دیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک خط مصر کے صوبہ دار اور صدر پادری مقوقس کو بھی بھیجا گیا۔

آخر الذکر دو خطوں کے دعوؤں جیسا کہ عرض کیا گیا حال میں دستیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مقوقس کے خط کے سلسلے میں مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو رینو (Reinaud) نے پیرس کے سہ ماہی رسالہ ژورنال آزیاتیک بابت ۱۸۵۴ء (بسلسلہ پنجم جلد چہارم) میں ایک خط شائع کرایا جو اس کے نام قاہرہ سے موسیو بیلین (BELIN) نے ۱۰ مارچ ۱۸۵۴ء کو لکھا تھا۔ یہ خط رسالۂ مذکورہ کے کوئی پندرہ بیس سطروں میں آیا ہے۔ اس کے ضروری اقتباسات کا یہاں لفظی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:-

[1] خاص اس خط پر میرا ایک مضمون رسالہ معارف اعظم گڈھ جون ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے۔ یہ اس کتاب میں بھی درج ہے۔

(۱۸۲) ایک قلمی دستاویز جو میں نے حال میں دیکھی ہو، جس کے متعلق مجلس مشرقیات ثانی (مصری) اسے [illegible] کی کسی اجلاس کے اجلاس منعقدہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۰ء میں اطلاع دی ہے یہ دستاویز جس کے متعلق میں یہاں کچھ کہنا چاہتا ہوں، موسیو اٹین بارتلمی Etienne Barthelemy نے دریافت کی ہے۔

موسیو بارتلمی قاہرہ میں ایک نوجوان فرانسیسی مستشرق ہیں۔ وہ عربی کے اچھے پڑھنے والے ہیں اتنے ہی زیادہ منکسر المزاج بھی ہیں۔ وہ کچھ عرصے سے مصر کی قدیم زبان کا مطالعہ کرنے لگے ہیں اور خاص کر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو مصر کے [illegible] چند راہبوں کے قبضے میں موجود ہیں اور جو ملت [illegible] کے متعلق قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔

(۱۸۳) گزشتہ سال کے ایک سفر میں موسیو بارتلمی کو اپنے بہت سی رقم قبطی دور والی مخطوطات میں مبتلا ہو گئے، پھر بھی اپنے کم چیزیں دستیاب ہوئیں۔ آخر ایک دن جب وہ تھک کر [illegible] اخمیم کے قریب ایک راہب خانہ کو گئے (۱) راہب خانے میں ایک عربی مخطوطہ دستیاب ہوا جو بصورت

---

(۱) یہ [illegible] جو [illegible] کے اندر ہیں [illegible] کتابیں لکھتے ہیں۔

بہت معمولی نظر آتا تھا۔ اس کی حالت معلوم ہوتا تھا کہ وہ اصل میں کسی ایسی کتاب سے تیار کی گئی تھی جو ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہو گی۔ یہ جلد گتا وغیرہ چپکا کر بنائی گئی تھی۔ اس کے اندر سے کچھ قبطی حروف دکھائی [illegible] سیاہ [illegible] گئی کہ اس [illegible] ورقوں کو الگ [illegible] لکھے ہوئے [illegible] لپٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ جب احتیاط کے ساتھ اسے علیحدہ کیا گیا تو فی الحقیقت اندر سے کوئی دس اوراق برآمد ہوئے جن پر قدیم خط میں قبطی زبان میں انجیل لکھی ہوئی تھی۔ ان اوراق کو اس غرض سے چپکا دیا گیا تھا کہ ایک مضبوط گتے کا پٹھا بن جائے۔

اس کتاب کی جلد چمڑے کا [illegible] تین حصوں پر مشتمل تھی، [illegible] اور دو پہلو۔ دونوں پہلوؤں پر چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ ان پہلوؤں [illegible] بیان کیا ہے [illegible] قبطی اوراق لگے ہوئے تھے۔ [illegible] حصہ [illegible] دونوں پہلوؤں کو ملاتا تھا [illegible] بنایا ہوا تھا۔

میں ان توضیحات پر معافی کا خواستگار ہوں۔ اگرچہ وہ شائد ضرورت سے زیادہ تفصیلی سمجھی جائیں لیکن وہ [illegible] کی اصلی حالت کو واضح کریں گے۔

چنانچہ موسیو بارتیلمی نے دونوں پہلوؤں سے ان قبطی [illegible]

جو پہلے پہل دیکھنے سے جدا کیا ہوا کتاب کی جلد کے داخل حصے پر چسپاں تھے۔ اس پر انہیں ان اوراق کے اندر جو parci [illegible] دونوں پہلوؤں پر چپٹا ہوا کھال یا چمڑے (parchemin) کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے کیڑوں نے دو جگہ سے چاٹ دیا تھا [illegible] اس پر کوئی خط یعنی کچھ عربی حروف سے نظر آئے۔ ہزار کوشش کے بعد انہوں نے لفظ محمد کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ دستاویز خاص دلچسپی کی حامل ہے۔ اس لئے انہوں نے جتنی احتیاط ممکن تھی برت کر اس کھال کو پوری طرح علاحدہ کرنے کی کوشش کی۔ چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے وہ اسے ٹکڑے ہونے سے محفوظ نہ کر سکے۔ اس کارروائی میں چند الفاظ جو پہلے ہی سے مٹے چلے آتے تھے پوری طرح غائب ہو گئے۔

اس کے بعد متعدد لوگوں کی مدد سے اس تحریر کو پڑھنے اور [illegible] سے اس متن کو برآمد کرنے کا ذکر ہے۔ حل شدہ عبارت مسٹر بیلن کے بموجب یہ ہے گو اس میں بعض خفیف غلطیاں بھی رہ گئی ہیں

١ بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ور

٢ سوله الی المقوقس عظیم القبط سلام علی

من اتبع الہدی اما بعد فانی اد

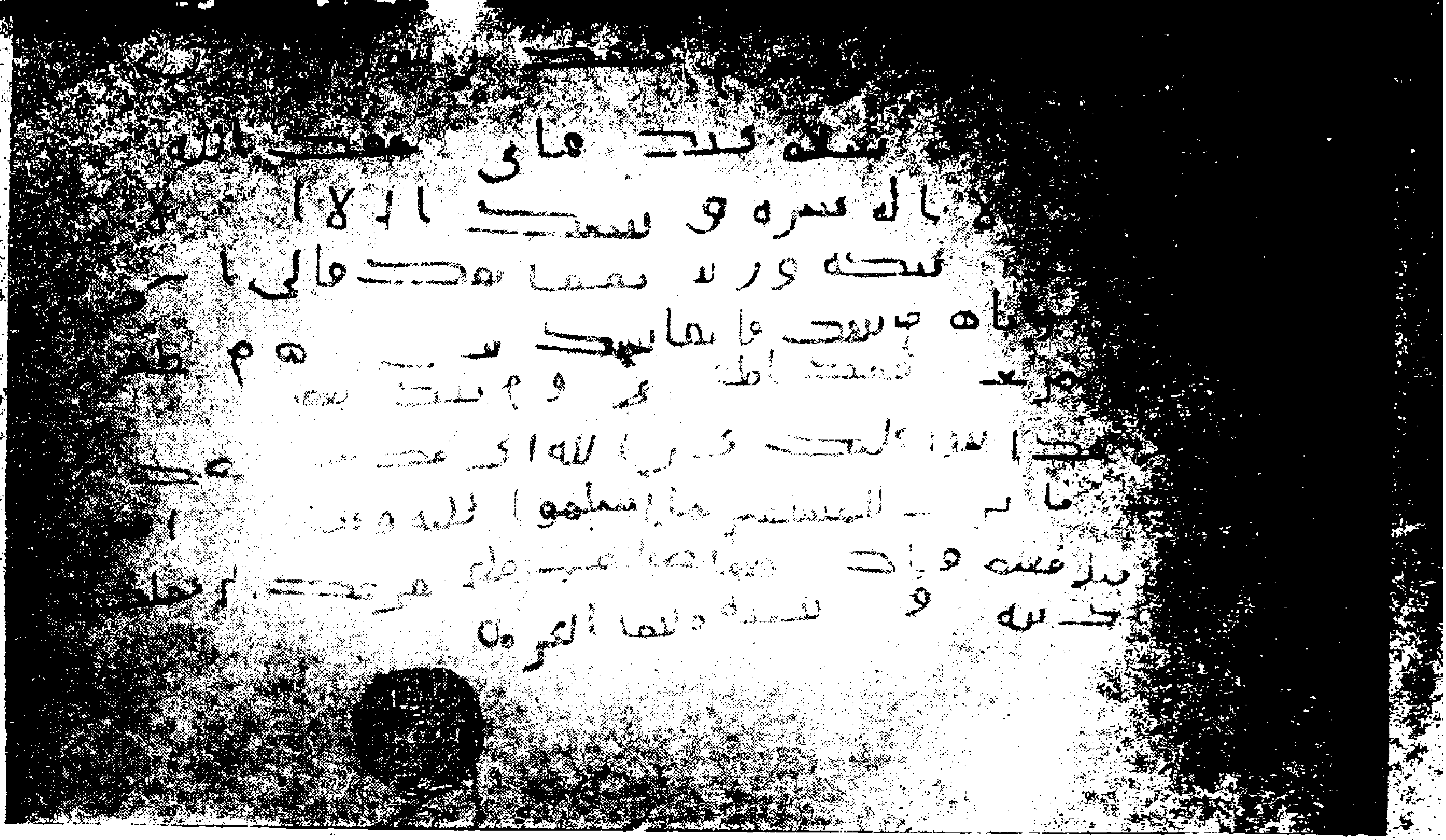

مکتوب نبوی بنام منذر

Marfat.com

Marfat.com

ادعوك بداعية الاسلام فاسلم
تسلم يؤتك الله اجرك مرتين
فان توليت فعليك اثم القبط
يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة
سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله
ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا
بعضا اربابا من دون الله فان
تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

محمد

[illegible] بیان
کیا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر کے مقوقس
کے نام [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
تھا۔ کیونکہ [illegible] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
[illegible]

تو ایسی صورت میں ان کا کام بہت آسان تھا اور وہ پیام کو زبانی پہنچا
سکتے تھے۔ قبطیوں کا دعویٰ ہے کہ ان نقلوں میں سے ایک

اب تک قاہرہ میں ان کے بطریق کے گرجا دکیسہ انبا مرقس

میں محفوظ ہے جس میں اس واقعہ کی توثیق نہ کرا سکا۔ قبطی یہ بھی

کہتے ہیں کہ ان کے پاس (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک

اور خط بھی ہے جو مقوقس کے جواب کے جواب میں آیا۰۰۰

[illegible] شروع ہی سے اس کا کم امکان نظر آتا

ہے کہ یہ دستاویز کسی جعلسازی کا نتیجہ ہو کیونکہ اس فریب سے

کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ

اس دستاویز میں قبطی قوم کے لئے کسی قسم کی بھی رعایت

کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس دستاویز سے اس طرح کا کوئی

فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا جس طرح مثلاً [illegible] یہودیوں

کی دستاویز سے۔ ان ارمنوں کا ادعا ہے کہ [illegible] انطاکیہ

کی [illegible] ان کے ایک راہب ناصح کے گرجا سے [illegible] (حضرت)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عہد محفوظ ہے۔ اس دستاویز کا عکس

سے [illegible] پانچ سال ہوئے خدیو مصر کی حکومت کو پیش

کیا گیا اور حقوق و مراعات کا مطالبہ کرتے جو جناب رسالت

مآب صلعم نے عہد کے ذریعے سے انہیں عطا کئے تھے۰۰۰۰

اس خط کی دریافت کے حالات یہ ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

Marfat.com

نے مقوقس کے نام بھیجا تھا۔ فوٹو کے دیکھنے سے واضح ہے کہ دریافت شدہ اصل پر مہر موجود ہے۔ اس لئے اسے نقل قرار دینے کا امکان باقی نہیں رہتا کیونکہ نقل میں الفاظ لکھے جاتے - مہر کا نشان نہیں بنایا جاتا۔ اصل خط کچھ دنوں بعد موسیو بارتھلمی نے سلطان عبدالمجید خان اول کے ہاتھ تین سو اشرفیوں میں فروخت کر دیا۔ پھر یہ خط تبرکات نبوی کے ساتھ قصر شاہی کے خزانے میں داخل ہو گیا موسیو بیلین نے ژورنال آزیاتیک میں اپنے مضمون کے ساتھ اس خط کا ایک چربہ (traced copy) شائع کیا پھر ۱۹۰۴ء میں جرجی زیدان نے اپنے ماہوار عربی رسالے الہلال (قاہرہ) میں اس کی استنبول سے حاصل کردہ نقل کا فوٹو شائع کیا۔ غالباً اسی کی نقلیں ہندوستان میں آئیں اور ۱۹۱۸ء میں رسالہ اسلامک ریویو ووکنگ میں بھی اس کا فوٹو چھپا مگر یہ نقل بھی اصل خط کا فوٹو نہیں بلکہ درست شدہ نقل (restored copy) کا فوٹو ہے۔ موسیو بیلین کی نقل اور جرجی زیدان کی نقل کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فوٹو لینے سے قبل بعض جگہ ٹچ کر لیا گیا ہے تاکہ مٹتی ہوئی تحریر کی شکلیں ابھر آئیں نمودار ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اصل خط اب تبرکات نبویہ میں [illegible] گیا تھا استنبول کے زمانہ قیام میں باوجود کوشش اور تلاش کے مجھے اس کا سراغ نہ مل سکا۔

جیسا کہ ابھی عرض ہوا اس خط کی دریافت بعض فرانسیسیوں نے کی اور اس کا اعلان موسیو بیلین نے ۱۸۵۴ء میں رسالہ ژورنال آزیاتیک میں کیا لیکن جرجی زیدان کے حوالے

Marfat.com

الہلال (مصر) نے نومبر ۱۹۰۴ء کے پرچے میں (صفحہ ۱۴۴) اس واقعے سے
بھی انکار کر دیا اور لکھا۔

وضح على ذلك انه لم تر	مزید یہاں اس دریافت کا
بعد الاكتشاف ذكر الى كتب	علمی (یورپی) کتابوں میں مطلق
العلوم على الاطلاق مع عظيم	کوئی ذکر نہیں حالانکہ مستشرقین اس
اهميته لدى علماء الآثار	کو بڑی اہمیت دیتے۔
الشرقية۔	

البتہ دوسرے جگہ آکسفورڈ کے پروفیسر مارگولیوتھ کے توجہ دلانے سے بھی معلوم ہوا کہ ان کو ماننا پڑا (الہلال دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۰۱) الہلال کا یہ رسالہ مجھے حیدرآباد میں مل نہ سکتا تھا۔ میرے دوست احسان اللہ خاں صاحب ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے قیام مصر کے زمانے میں ازراہ عنایت یہ مضمون مجھے نقل کر کے بھیج دیا۔

اس خط کی اصلیت پر جو اعتراض ہو سکتے یا ہوتے ہیں ان کا یہاں ذکر بے محل نہ ہوگا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لفظ مقوقس) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط پر مختصر بحث کارا باچک اور آمے لینو نے کی ہیں۔ بدقسمتی سے ان کی کتابیں باوجود کوشش کے حیدرآباد میں دستیاب نہ ہو سکیں، مگر جہاں تک انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے اشارے سے واضح ہوتا ہے ان دونوں کے شبہے کا واحد باعث یہ ہے کہ اس خط کی تحریر اتنی قدیم نہیں معلوم

Marfat.com

بھی بہر کافی عرصہ بعد کی ہے۔

ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے کہ اس خط کا ایک چربہ ۱۸۵۴ء میں موسیو بے لین نے جرنل آزیاٹیک میں شائع کیا اور دوسرا چربہ ایک دریافت شدہ اصل نقل جو غالباً اسی اصل سے حاصل کر کے رسالہ الہلال (مصر) نے شائع کی اور اسی ماخذ سے ہندوستان وغیرہ میں بھی نقلیں آئیں۔ ہمارے سامنے مضمون کے ساتھ یہ دونوں نقلیں بھی موجود ہیں۔ ان کا مقابلہ دلچسپی سے خالی نہیں اور یہ ظاہر کرنا [illegible] مشکل ہے کہ اندازہ ہو گا کہ یہ دونوں ایک ہی اصل کے چربے ہیں یا نہیں دو مختلف ہاتھوں میں ایک ہی چیز کے چربے اتنے مختلف ہو گئے جیسا کہ پھر ان نقلوں کی بنا پر کسی صحیح نتیجے کا قائم کرنا [illegible] طریقے پر نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تحریر سے اصل ظاہر ہے کہ [illegible] عکس فوٹو کے ذریعے ہم تک نہیں پہنچا ہے اور [illegible] بے لین کے سامنے اصل پر رائے زنی کر سکا [illegible] کسی نے بھی اس خط کو دیکھا ہے۔ [illegible] تحریر پر کوئی رائے دی اپنے مضمون میں [illegible] سے اس فن کی مہارت بھی نہ تھی۔ ان حالات میں اس [illegible] کی کوئی بڑی اہمیت نہیں رہتی۔

جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر ڈاکٹر [illegible]

Marfat.com

(C. H. Becker) (وفات ۱۹۳۳ء) نے بھی اپنی کتاب Papyri Schott-Reinhardt و (جلد اول صفحہ ۳)
نوٹ (۴) میں اس مکتوب نبویؐ کو جعلی قرار دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"غالباً وہ حدیث کی کسی یادداشت (یا کتاب) کا ورق (Traditionszettel) ہوگا"

جرمنی کے اس سابق وزیر تعلیم کی قابلیت اور علم کا پورا اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ شاید اس نے اس خط کے شائع شدہ فوٹو کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کی کتابوں یا بیاضوں میں جہاں یہ خط نقل ہو سکتا ہے، نقل نویس چاہے آخر مہر کی بھی ہو بہو نقل اتارنے کی کوشش کریگا۔ مہر کی جگہ یا تو وضاحت ہوگی کہ مہر میں فلاں الفاظ تھے یا زیادہ سے زیادہ ایک سادہ دائرہ بناکر مہر کے الفاظ کی نقل اس میں لکھی جائیگی۔ اس کے برخلاف شائع شدہ خط کے متعلق بیانات سے اور خود ہر دو فوٹوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہ مہر کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے صرف نقل نویس یا کاتب کے قلم سے بنی ہوئی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کائتانی (وفات کرسمس ۱۹۳۵ء) نے اپنی کتاب (Annali dell'Islam) (۲، دیکھئے حالات سنہ ۶ھ فقرہ ۴۹)

میں اس خط کے بے اصل ہونے کی اور بھی دلیلیں پیش کی ہیں۔
خط کے فوٹو سے کوئی خاص بحث کئے بغیر اس نے اعتراضات
کئے ہیں جو یہ ہیں:-

۱- اسلامی تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس
نے آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں دو عیسائی لونڈیاں
بھیجیں۔ مقوقس اسکندریہ کا بطریک یعنی بڑا پادری تھا۔ یہ بات
قرین قیاس نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کا کوئی بطریک کسی عرب
کسی سے یہ چاہتا کہ دو عیسائی لڑکیاں تحفہ دے۔

۲- مقوقس کا نام بعد کے اسلامی مورخ کچھ اور ہی بیان
کرتے ہیں اور عبد مزیؒ کے مقوقس کا نام حقیقت میں کچھ اور ہی تھا۔

گو پہلے اعتراض کے سلسلے میں اس کے ذاتی کا کوئی
خیال رکھنا چاہئے۔ ۶۲۸ء میں عیسائیوں میں جب کثرت سے
فرقے پیدا ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کو ملحد اور بے دین قرار
دے رہے تھے وہ [illegible] جا سکتے ہیں اور تاریخ [illegible]
اس کتاب میں اس کی تفصیل [illegible] ہے۔ [illegible]
کہ بطریک کو اسلام اور پیغمبر اسلام [illegible]
کچھ بھی معلوم نہ تھا جتنا کہ [illegible]
مسلمانوں [illegible] ہوگا۔ اسلام کی [illegible]
[illegible] مشکل ہے [illegible]

Marfat.com

اندرونِ عرب سے باہر اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ روم اور
ترک کی لڑائیاں ابھی پیش نہ آئی تھیں اور اسلام ابھی تک
صرف اندرونِ عرب ہی کے قبائل میں پھیل سکا تھا۔ اس کے
ساتھ مقوقس اس فرقے کا عیسائی تھا اور یاد کرتا تھا
کہ حضرت عیسیٰؑ میں دو نہیں صرف ایک طبیعت تھی۔ ان حالات
میں واحدانیت کی تعلیم دینے والے عربی نبیؐ کو اگر مقوقس ایک نئے
عیسائی فرقے ہی کا بانی خیال کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر یہ
مان لیا جائے کہ ماریہ اور شیریں[1] دونوں بہنیں عیسائی تھیں تو اس کا
منشا مقوقس کا اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ نبیؐ عرب کو فرقہ
طبیعت واحدہ کا راسخ العقیدہ عیسائی بنا لینے میں ان لونڈیوں
سے کام لے۔ دراصل حال کے اس سبب سے پہلے پہل
مورخ اسلام (کائتانی) نے حالت جرمنی میں ایسا اعتراض
قلم بند کرتے وقت غالباً یہ نہیں سوچا ہوگا کہ عیسائی عورتوں کا
غیر عیسائیوں میں سیاسی اغراض اور تبلیغ عیسائیت کے لئے

---

[1] اٹلی کی مستشرقہ (جینیارا) کا نئے جو غالباً ایک یہودن ہے اس مسئلے سے
بھی علمی بحث کی ہے مگر وہ اس نام کو ماریہ کے "مریم" لکھتی ہے جو غلط ہے
اس کا مضمون آں حضرتؐ کے سفیر بادشاہوں کے پاس اٹلی کے مشرقی رسالے
(Rivista degli Studi Orientali) جلد ۱۰ سنہ ۱۹۲۴ء
صفحہ (۷۰ تا ۱۰۹) میں چھپا ہے۔

سمجھا جانا نہ صرف ایک عام اور روزمرہ کا واقعہ ہے بلکہ نہایت قدیم بھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران میں تو یہ ایک مقدس اور بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا اور کہتے ہیں کہ خود پوپوں نے یہ حکم دے رکھا تھا۔ یورپ کی خوبصورت عورتیں مسلمان بادشاہوں کو اپنے پر فریفتہ کرنے کی کوشش کریں اور صلاح الدین تک کو عیسائیت کی پر حکمت طریقے سے خدمت کریں۔

دوسرا اعتراض بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ عہد نبوی (صلعم) کے مقوقس کا نام بنیامین تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ فتح مصر کے وقت خود صاحب (Cyrus) وغیرہ مختلف لوگ تھے ان ابتدائی عرب فاتحوں نے کسی غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ [illegible] وقت سپہ سالار گذرا تھا قیصر روم لہٰذا اسے [illegible] یعنی صدر پادری [illegible] تک کے اختیارات عطا کر رکھے تھے۔ اور صدر پادری حقیقت میں بنیامین ہی تھا جسے عرب فاتحین کے دور میں [illegible] تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کیونکہ بنیامین کو خسرو پرویز نے فتح مصر کے بعد اسکندریہ کا پادری بنایا تھا اور یہ قبطی شخص تھا۔ دس سال بعد جب قیصر روم نے مصر سے ایرانیوں کو نکال باہر کیا تو قبطی صدر پادری بھی [illegible] کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا کیونکہ اس [illegible] مقوقس [illegible] سے اختلاف عقائد کی وجہ سے [illegible]

عیسائیوں کی شخصیات[1] یہ ظاہر ہے کہ مصر کے پادریوں اور عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں ابتداءً مسلمان تاریخوں سے کوئی علمی دلچسپی بہت کم لی۔ ان کے معلومات کا واحد ذریعہ مقامی عیسائیوں کے بیانات تھے۔ کوئی تعجب نہیں کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے بعد کے مسلمان مؤرخ ان چیزوں اور ناموں میں غلطی یا خلط ملط کر دیں اور بالکل ممکن ہے کہ یہ بعد کے مؤرخ کسی ایک پادری کو دوسرے کا پادری لکھ دیں یا ایک زمانے کے پادری کو دوسرے زمانے میں بیان کر دیں۔ اس لئے مسلمان مؤرخوں کے ان بیانات کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، مکتوب نبوی کے ارسال کو فرضی قرار دینا کسی بہتر استدلال کا محتاج رہے گا۔

موسیو دیت (Wiet) ایک یہودی النسل مشرقیاتی ماہر ہیں جو پیرس کے شعبۂ السنۂ مشرقیہ میں عربی کے مدرس ہیں اور قاہرہ کے عربی عجائب خانہ کے مہتمم رہے۔ انہوں نے مصری حکومت کے شوق سے خطط مقریزیہ کا ایک نہایت عمدہ ایڈیشن بھی شائع کرنا شروع

[1] مذکورہ بالا تفصیلات کے لئے دیکھو ان سے جیری فرانسیسی تالیف [illegible] مسلمان جنرل ایشیاٹک صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۶ میں ملیں گے [illegible] کا اور پادری (Dict. d'Hist. et de Geog. Eccles.) اور (Dict. de Theol. Cath.) دو مستند فرانسیسی کتابیں ہیں [illegible]

کیا ہے۔ اس کی جلد اول صفحہ (۱۱۹) پر اس مکتوب نبوی بنام مقوقس کا بھی ذکر ہے۔ ایک طویل فرانسیسی نوٹ میں، جو کئی صفحوں میں آیا ہے ، موسیو ویئٹ نے اس خط کے متعلق کئی پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ اس شائع شدہ خط کے فوٹو کے متعلق ان کے دو اعتراض قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ مکتوب نبویؐ بنام مقوقس کی عبارت، مکتوب الیہ کے نام کو چھوڑ کر لفظ بہ لفظ وہی ہے جو مکتوبات نبویؐ بنام نجاشی و قیصر روم کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں خط فرضی ہیں۔

۲۔ اگرچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقوقس کا یہ خط سلطان عبدالمجید خاں اول کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور وہ استانبول میں آثار نبویہ کے ساتھ رکھا گیا ہے، لیکن مصر میں آج بھی ایک صاحب کے ہاں کہتے ہیں کہ یہ خط موجود ہے۔

پہلے اعتراض کے متعلق کسی حیرت کی ضرورت نہیں۔ یہ تینوں خط عرب مورخوں کے بیان کے مطابق ایک ہی دن لکھے گئے تھے۔ تینوں کا مقصد بھی ایک ہی تھا اور تینوں عیسائی حکمرانوں کے نام تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو کاتب بھی ایک ہی رہا ہو۔ ان حالات میں یہ بالکل معمولی بات ہے کہ تینوں کی عبارت ایک ہی سی رہی ہو۔

افسوس ہے کہ موسیو وینیٹ نے دوسرے اعتراض کی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے اور غالباً صرف وہ ایک سنی سنائی بات ہے اور اس خط کو دیکھنے کا انھیں موقع نہیں ملا جوان کے بیان کے مطابق اب بھی مصر میں ہے مجھے افسوس ہے کہ اس موضوع پر ریسرچ کرنے کے بعد ابھی میں دوبارہ مصر ٹھہرنے کا موقع نہ ملا ورنہ میری تلاش شاید اس اعتراض کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات فراہم کرنے میں کامیاب ہوسکتی اور ہمارے پاس کی دو نوٹوں سے اس کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا۔

جیسا کہ دیکھا گیا، اعتراضات زیادہ تر خارجی اور قیاسی ہیں۔ خود خط پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ خط عہد نبوی کے رواج کے مطابق کھال پر ہے کاغذ پر نہیں۔ اور اگرچہ یہ ۱۸۵۲ء میں دستیاب ہوا، لیکن اس کا جو متن تیسری صدی ہجری کی عربی تالیفوں سے نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے وہ لفظ بلفظ وہی ہے جو اس اصل خط میں ملتا ہے۔ آخر میں مہر لگی ہوئی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے متعلق جو عام روایت موجود ہے کہ وہ تین سطری تھی سب سے نیچے "محمد" اس سے اوپر "رسول" اور سب سے اوپر "اللہ" کا لفظ لکھا ہوا تھا) یہ مہر اس کے بالکل مطابق ہے (دیکھئے فتوح بلاذری باب خاتم)

جرمنی کے ایک اور یہودی النسل مستشرق نولڈکے (Nöldeke) نے جو اعتراضات اس خط کے صحیح ہونے کے خلاف کئے ہیں دیکھئے

Geschicbte des Qorans. 2nd ed., p. 190 n. 3

Marfat.com

ان میں سے پہلا تو یہ ہے کہ اس زمانے میں دستاویزیں لکھنے کا خط غالباً (تھا زیادہ کوئی نہ تھا)۔ اعتراض کے الفاظ خود ایسے ہیں کہ ہمیں اس پر کچھ زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یوں بھی ہم اس اعتراض کا جواب اوپر دے چکے ہیں کہ اس مکتوب نبوی کا صحیح توڑ ہمیں نہیں ملا ہے دوسرے کہ عہد نبوی کی کوئی اور مسلمہ تحریر ہمارے پاس نہیں ہے کہ اس سے طرز تحریر کا مقابلہ کر سکیں اور یہ بھی ظاہر ہے قرآن مجید لکھنے کا خط اور عام سیاسی یا کاروباری دستاویزیں لکھنے کا خط مختلف ہوگا۔

نولڈکے کا دوسرا اعتراض اسی سلسلے میں یہ ہے کہ "اسی طرح اس زمانے میں لوگ دستخط کے لیے سیاہی سے مہر نہیں کرتے تھے بلکہ ([illegible]) یا طین خاتم یعنی ایک طرح کی چکنی چپکنے والی مٹی پر مہر دبا دیتے تھے"۔

نولڈکے نے اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ثبوت یا حوالہ نہیں دیا ہے بے شبہ "طین خاتم" کا ذکر عربی ادبیات میں تو صاف قدیم ہے لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ یہ خط کے تہ کر کے لپیٹے ہوئے کاغذ یعنی لفافے پر لگائی جاتی تھی جیسے آج کل ڈاک کا رواج ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے مستند استاد ادبیات عربی مولانا سید ابراہیم صاحب کے ریمارک سے میں کچھ مطمئن ہوا کہ "مٹی پر مہر لفافے کے اوپر لگائی جاتی تھی تاکہ لفافہ کوئی کھول نہ سکے۔ اصل خط پر تحریر کے آخر میں جو مہر کی جاتی ہے اس کا سیاہی سے ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ بہر حال مجھے باوجود ذاتی تلاش اور دیگر اساتذہ سے دریافت کے اب تک اس بارے میں کوئی بیان کسی کتاب میں نہ مل سکا کہ

Marfat.com

عہد نبوی میں مہر کس طرح کی جاتی تھی۔ جو کچھ بیان اب تک مجھے مل سکا ہے وہ یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ حکمرانوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ بیرونی ممالک میں جب تک خط پر مہر نہ ہو اس پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی مہر بنائی جس پر تین سطروں سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے اور لفظ "محمد" سب سے نیچے تھا۔ اس کے اوپر "رسول" اور سب سے اوپر "اللہ" دیکھئے طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم باب مکتوبات نبویؐ) عہد نبوی میں لفافوں کا رواج ہوگا جیسا کہ عبد اللہ بن جحش کی مہم میں پتہ چلتا ہے کہ خط دے کر کہا کہ تین دن سفر کے بعد کھولنا۔ لیکن ہمارے فوٹو میں خط پر مہر ہے لفافے کا پتہ نہیں۔

ان سب کے علاوہ ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جو خط کسی حکمران وغیرہ کے نام کسی عارضی اور خاص ضرورت کے لئے بھیجا جائے، اس میں اگر مٹی کی مہر بھی لگائی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن جو دستاویز کسی شخص کو کسی مستقل ضرورت کے لئے دیا جائے اور ثبوت میں اس کو اکثر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہو، اس پر مہر اس قسم کی ہونی چاہئے جو رفتہ رفتہ یا جلدی ہی معدوم نہ ہو جائے جیسا کہ مٹی وغیرہ کی صورت میں ممکن ہے۔ مکتوبات نبوی کے سلسلے میں ٹھپے کے متعلق مورخ صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ ان پر مہر لگائی گئی (دیکھئے میری الوثائق السیاسیہ ۲۹ - ۵۵ - ۵۶ - ۷۱ - ۱۴۱ - ۱۹۰) اگر کہیں مٹی کی اور کہیں سیاہی کی مہر ہوتی تو مورخ ضرور بیان کر دیتے حالانکہ ان میں سے بعض ایسے خط ہیں جو سند اور ہمیشہ کام آنے والے منشور کی حیثیت

Marfat.com

رکھتے ہیں۔ مورخوں کی خاموشی سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سب ایک ہی طرح کی مہریں تھیں۔ اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ دستاویز نمبر ۳ (اکیدر) میں ایک خاص قسم سے مہر کی گئی تھی تو اس کا ذکر کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خَتَمَهُ بِظُفُرِهٖ یعنی اس پر ناخن سے مہر لگا دی گئی۔ ناخن سے ہلال کی وضع کا نشان کر دینا بابلی تمدن میں قدیم سے رائج تھا۔ دیکھیے :-

Oluf Kruckmann, Neue babylonische Recht— und Vewaltungstexte, Text 37. Tafel 28 B. Meissner Babylonien und Assyrien I. 179. Hamidullah, Documents sur la Diplomatie Musulmane I, 98

اور اکیدر والی دومۃ الجندل کا (جس کے معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن کی مہر کی تھی) خاندان حیرہ ہی میں رہتا تھا اور ثابت ہوتا ہے کہ بابل کے قدیم رواج تب تک حیرہ میں رائج تھے (حیرہ موجودہ کوفے کے پاس تھا اور بابل موجودہ بغداد کے پاس)

نولدکے کا تیسرا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ "اس قسم کی سرکاری تحریروں میں نہ صرف کاتب کا نام ہونا چاہیے بلکہ خود خط لے جانے والے سفیر کا بھی نام صراحت سے ذکر ہونا چاہیے"۔ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ خط و کتابت کا انتظام کریں اور ۶ھ میں حکومت اسلامیہ کا دارالانشاء جتنا سادہ ہوگا ظاہر ہے۔ ہمارے خیال کی تائید

Marfat.com

میں ابن عبدالبر (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۶ سطر ۶-۷) کا بیان قابلِ غور ہے جو کہتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں ابتداءً خط کے آخر میں کاتب کا نام نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت اُبی بن کعب نے جب ان سے مراسلات لکھائے جانے لگے تو آخر میں لکھنا شروع کیا کہ "بقلم فلاں"۔ یہی حال نولدکے کے اعتراض کے دوسرے جز کا بھی سمجھنا چاہئے کہ مکتوب کے لے جانے والے کا نام کیوں نہیں بیان ہوا۔ جب ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے تمام اسلامی مؤلف بیان کرتے آرہے ہیں کہ مکتوب نبوی کی پوری عبارت کیا تھی اور اب اس کی حرف بحرف تائید دستیاب شدہ خط سے ہوتی ہے تو پھر اس قسم کے فرضی اعتراض کتنی وقعت رکھ سکتے ہیں؟ (تتمہ مضمون کے آخر میں ملاحظہ ہو)

دوسرا خط

دوسرا خط جیسا کہ بیان کیا گیا، منذر بن ساویٰ کے نام ہے۔ بلاذری (فتوح البلدان صفحہ ۷۹) اور ابن الاثیر (الکامل جلد ۲ ص ۱۰۵) نے لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں منذر کے نام ایک خط لکھا اور معلوم ہوتا ہے کہ پایۂ تخت ایران کی کمزوری و دیگر وجوہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کامیاب رہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت نے واپس آکر جب حالات بیان کئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو ایک اور خط بھیجا جس میں اسے بحرین کی گورنری پر بحال رکھا گیا اور غیر مسلم باشندوں سے سلوک کے متعلق چند ہدایتیں دیں۔ یہی خط ہے جو حال میں

Marfat.com

دوبارہ دستیاب ہوا۔ چونکہ یہ خط مقوقس کے خط سے کم از کم چند ماہ بعد کا ہے
اس لیے یہ ضروری نہیں کہ دونوں کا کاتب بھی ایک ہی رہا ہو۔
اس خط کا ذکر پہلی مرتبہ جرمن مجلس مشرقیات کے رسالے (ZDMG)
جلد ۱۶ سنہ ۱۸۶۲ء صفحہ ۳۰۶ تا ۳۸۶ میں ہوا اور وہیں اس خط کا چربہ بھی چھپا
اس چربے کا فوٹو[1] ہمارے مضمون میں شامل ہے [illegible] متعلقہ نوٹ کا ترجمہ یہاں
شائع کیا جاتا ہے۔

جرمن سفیر قسطنطنیہ کے نائب [illegible] ڈاکٹر بوش (Busch) نے
۱۸۵۸ء میں رسالہ (ZDMG) کے نام یہ خط لکھا۔

"بالآخر میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ ایک عجیب چیز کا ذکر کروں
خواہ وہ مصنوعی ہو یا نہ ہو، بہرحال ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا
کہ موسیو بےلیمی نے مصر میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ خط بنام
مقوقس دریافت کیا تھا اور جس کو اصلی مان لیا گیا تھا وہ ترکی حکومت کے ہاتھ
ایک بڑی قیمت پر بیچ دیا گیا۔

اب گزشتہ موسم خزاں میں میری ملاقات ایک اطالوی شخص سے
ہوئی جس کے پاس (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک اور مکتوب [illegible]
وہ مدعی تھا کہ وہ اصلی ہے اور یہ کہ اس سے یہ مکتوب نیز کوئی [illegible]

---

[1] یہ فوٹو نیز ژورنال آزیاتیک میں شائع شدہ مکتوب بنام مقوقس کا فوٹو بھی
جامعہ برلن (جرمنی) کے صدر کلیہ مشرقیات (ڈاکٹر پاول کاہلے) [illegible]
کیا اس کا میں شکریے کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔

Marfat.com

ہوئے قرآن کے چند سورے (یعنی سورہ نمبر ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۱۳) گزشتہ موسم گرما میں دمشق میں (جہاں وہ مسلمانوں کے بھیس میں اور اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہوئے گیا تھا) خریدے۔

"اس نے مجھے یہ مزعومہ اصلی خط دکھایا۔ یہ خط نیز قرآن کے مذکورہ سورے ایک نہایت مہین اور سیاہی مائل بھوری (dunkelbraun) جھلی کے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔ اس کے ہمراہی ملفوفہ فوٹو (جو ایک ٹریسیا کی ہوئی نقل لی گئی ہے) اصل سے صرف اسی حد تک مختلف ہے کہ اس میں مہر کا قابل غور نشان زیادہ واضح آیا ہے۔ دیر تک مشاہدے کے بعد میں نے یہ یقین کیا کہ اصل کی مہر میں بہر حال یہی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب آدمی کو معلوم ہو جائے کہ کیا پڑھنا چاہیئے تو اس کی آنکھوں کا دھوکا دینا آسان ہے"

"اس خط کو ترکی حکومت کے ہاں ایک مناسب قیمت پر بیچنے کی کوشش سنا ہے کہ ناکام رہی اگرچہ مذہبی طبقے نے اس میں بڑی دلچسپی لی تھی۔"

اس خط پر رسالے کے اڈیٹر فلائشر (H.L. Fleischer) نے بطور فٹ نوٹ جو تنقید کی اور اپنی رائے ظاہر کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:[1]

---

[1] نولدکے کے شاگرد نے اپنی Geschichte des Qorans سن ۱۹۰۹ء میں اس تنقید کو پاش پاش کرنے والی تنقید (vernichtende Kritik) کہہ کر سراہا ہے۔ فلائشر کا یہی مضمون اس کی تالیف Kleine Schriften (جلد ۳ ص ۴۰۰ الخ) میں جو مجموعۂ مقالات ہے، نقل کر دیا گیا ہے وہ کوئی نمایاں زائد چیز نہیں۔

"چونکہ اس معاملے میں خود مغرب میں بھی معلوم ہوتا ہے خاص سنسنی پھیل گئی ہے اور اب تک ہر جگہ یقین کے ساتھ اس کا جعلی ہونا تسلیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا فوٹو کا ایک سنگی چربہ (لیتھوگرافی) شائع کر دیں۔ جس کو دیکھ لینے کے بعد کسی کو اس مزعومہ دریافت کے غیر اصلی ہونے کے متعلق مزید دلائل کی خواہش نہیں رہے گی۔ میں اجازت چاہتا ہوں کہ یہاں اس چیز کو دہراؤں جو میں نے اس فوٹو کے متعلق اپنے عزیز دوست پروفیسر بروک ہاؤس (Brockhaus) کو لکھا:۔

[میں ذریعہ ہذا آپ کو وہ قیمتی دستاویز واپس کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ وہ اطالوی جس نے اس کو بنایا اور اڑایا ہے، واقعی ایک نہایت مسعود ستارے کے تحت پیدا شدہ سمجھا جائے، اگر وہ اس بات میں کامیاب ہو کر حقیقی قابل مسلمانوں کو (جیسا کہ ترکی کے موجودہ وزیر تعلیم کمال افندی ہیں) اپنا ہمنوا بنا لے۔ اس اطالوی آدمی نے یہ دیکھنا چاہا ہے کہ آیا وہ مرغی ابھی تک زندہ ہے جس نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکتوب بنام مقوقس کو دریافت کرنے والے کے لئے اتنا عمدہ سونے کا انڈا دیا تھا۔ یہ خط بے لیں لے نہیں بلکہ بار تلیمی نے مصر میں دریافت کیا تھا اور مصر کے یونانی گورنر کے نام لکھا گیا تھا۔ دیکھئے ژورنال آزیاتیک بابۃ دسمبر ۱۸۵۴ء ص ۴۸۱ و مابعد) اسی لئے اس شخص نے اتفاقاً ایک دوسرے خط کو جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بحرین کے ایرانی گورنر المنذر بن ساوی کے نام تبلیغ اسلام کے لئے تحریر فرمایا تھا اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنانا چاہا ہے۔ اس خط کا ذکر ابن ہشام ص ۹۴۵ س ۱۴-۱۲ نیز

Caussin de Perceval. Essai Sur l'Histoire des Arabes, vol. 3. p. 265, lines 6—19.

میں بھی ملے گا۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے اس خط کا متن کہیں بھی نہیں ملتا۔ (۳۱) سلئے (اس) نامعلوم (اطالوی) شخص نے اس خط کو پیدا کیا اور اسے خوف نہ تھا کہ کوئی آسانی سے اس کی تردید کرے گا۔ چنانچہ اس نے ہوشیاری سے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ چند افسوس ناک طور سے خراب اور ناقابل فہم اشکالِ حروف کے باوجود خط کے ابتدائی حروف (جو اسے سب سے زیادہ پسند آئے) حیرت انگیز طور سے اچھی حالت میں باقی رکھے جائیں خاص کر "اللہ" اور "محمدؐ" کے مقدس الفاظ پر زمانے نے بھی ادب کے خیال سے دست درازی کی جرأت نہ کی (چنانچہ عبارت ذیل صاف پڑھی جاتی ہے۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الہ غیرہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ فامابعد فانی۔

(اس کے خرید لینے کی خواہش کے دل میں پیدا ہونے کے لئے اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت نہیں، اور ایک ہوشیار آدمی بہت زیادہ کی جبارت بھی نہیں کر سکتا۔ خط کی باقی عبارت ایسی ہے کہ اسے صرف وہی لوگ حل کر سکتے ہیں جو اپنی ذہانت کے ذریعے عدم محض سے بھی کچھ نہ کچھ پیدا کر لیا جانتے ہیں۔ البتہ اس خیال سے کہ اسلام بہر حال غائب نہ چلا جائے خط کی بے پایاں تحریری ابتری میں "للمسلمین ما اسلموا" کا فقرہ اچھی حالت میں آکر تبدیلی پیدا کرتا ہے

"[مگر اتنی نفیس اور اچھی عالت میں محفوظ ۔ ابتدا کے بعد (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کاتب کو ایک سے زائد مرتبہ عجیب بدقسمتی سے سابقہ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ترکی یا ترکیات ہوتے لفظ کے مطابق "المنذر" کے عوض المنز لکھ دیا ہے اور "غیرہ" کی جگہ "غیبرۃ" اس کے علاوہ (شاید کسی دیہاتی بولی کی بنا پر غلطی ہی) بجائے "اشہد" کے "اشعد" لکھ دیا ہے اور ایک درجہ اول کی عجیب و غریب چیز یہ ہے کہ "فاما" کو "فعما" لکھا ہے۔

"[میں سمجھتا ہوں کہ اتنا آپ کے لیے کافی ہوگا" (فلائشر)]

ناظرین نے دیکھ لیا کہ "مہذب" ممالک کی علمی تحریروں کا طرز بیان کیسا ہوتا ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے اعتراضوں کی تحلیل کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس فاضل ایڈیٹر کی رائے میں یہ خط جعلی ہے کیونکہ:۔

(۱) المنذر بن ساوی کے نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خط بھیجنے کا ذکر تو ملتا ہے۔ لیکن خط کی عبارت کہیں نہیں ملتی۔

(۲) پیش نظر فوٹو میں مرسل و مرسل الیہ کا نام تو صاف ملتا ہے لیکن اس سے آگے جعل ساز نے عربی نما شکلیں بنا دی ہیں، وہ کوئی عبارت نہیں ہے۔

(۳) ان بے معنی شکلوں میں کہیں کہیں عربی الفاظ پڑھے جاسکتے ہیں لیکن ان میں املا کی ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی عرب کاتب کی جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔

پہلا اعتراض محض لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ منذر کے نام ایک نہیں میرے علم تک نصف درجن سے بھی زائد خط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھے تھے (دیکھیے میری فرانسیسی تالیف (Corpus) دستاویزات نمبر ۴۸ تا ۵۱) وجہ ظاہر ہے

کہ منذر مسلمان ہو چکے تھے اور ایک اہم اسلامی صوبہ کے راسخ العقیدہ، اطاعت شعار اور مخلص گورنر تھے۔ ان کے اسلام کے بعد کوئی چار سال تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے۔ ان خطوط میں جو مجھے مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی ورق گردانی پر منتشر حالت میں ملے، ایک وہ خط بھی ہے جس کی عبارت زیر بحث خط سے متفق ہے۔ یہ خط مجھے حسب ذیل کتابوں میں ملا ہے۔

۱۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین مؤلفہ ابن طولون۔ تیسرا خط

۲ صبح الاعشیٰ مؤلفہ القلقشندی جلد ششم صفحہ ۳۶۸ بحوالہ سہیلی۔

۳۔ زاد المعاد مؤلفہ ابن القیم جلد سوم ص ۶۱ تا ۶۲

۴۔ المواہب اللدنیہ مؤلفہ القسطلانی جلد دوم صفحہ ۲۹۴

۵۔ رسالات نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خاں خط نمبر (۱۰۱)

نیز بعض اور کتابوں میں بھی یہ خط کلاً یا جزءً ملتا ہے۔ اس کی عبارت[1] یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک۔ فانی احمد اللہ الیک الذی لا الہ

---

[1] ہمارے ماخذوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے مثلاً "احمد اللہ الیک" کی جگہ مواہب لدنیہ میں "احمد الیک اللہ" ہے "وانہ من یطع" زاد المعاد میں ہے لیکن ابن طولون وغیرہ میں صرف "ومن یطع" ہے۔ اسی طرح "فاقبل منہم" کی جگہ صبح الاعشیٰ میں "فاقبل لہم" ہے یا "محمدا عبدہ ورسولہ" کی جگہ زاد المعاد میں "محمدا رسول اللہ" ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

الا ھو واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ اما بعد فانی اذکرک اللہ عز وجل فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا وانی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین ما اسلموا علیہ و عفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم وانک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک ومن اقام علی یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ الجزیۃ۔

اس عبارت میں اور پیش نظر فوٹو کی عبارت میں صرف ایک جگہ خفیف فرق ہے یعنی فوٹو کی تیسری سطر میں "لا الٰہ غیرہ" ہے لیکن ہیں جن قدیم کتابوں میں اس عبارت کی نقل ہے ان میں "لا الٰہ الا ھو" ہے۔ مفہوم میں کوئی فرق نہیں اور یہ ابتدائی راوی یا کاتب کے ذہن کا سہو ہے۔ اس ایک قابل نظر انداز فرق کے علاوہ دونوں متن بالکل ہی یکساں ہیں۔

دوسرا اعتراض کا جواب دینا فضول ہے۔ جب تو دست نہ پڑھ سکا تو ناقابل فہم قرار دے دینا شان علمیت سے بعید تھا۔

تیسرے اعتراض کے متعلق بھی کسی کاوش کی ضرورت نہیں۔ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے لکھا ہوا خط ہے۔ اگر کہیں کہیں سے سیاہی اڑ گئی ہے یا اس کے دھبے پھیل گئے ہیں یا فوٹو لیس کرکے نقل لینے والے کے تصور سے شکلیں بگڑ گئی ہیں تو اس میں عہد نبویؐ کے کاتب کا کیا قصور ہے۔

Marfat.com

عہدِ نبویؐ میں نقطے اور اعراب نہیں تھے۔ ان سے ہمارا یہ مکتوب بھی خالی ہے اور "غیرہ" کی جگہ "غیرہ" نظر آنا یا "ز" کا "و" ہو جانا یا شبہ امتدادِ زمانہ کا اثر ہے کہ سیاہی پھیل گئی یا اُڑ گئی یا کسی خارجی اثر سے شوشے کی شکل کا دھبہ آ گیا[1]۔

"اشہد" کی جگہ فلائشر کو "اشعد" نظر آنا محض ستم ظریفی ہے یا ناواقفیت۔ اس زمانہ میں "ھ" کو اس طرح لکھتے تھے جس طرح کہ علامت "ء"۔ چنانچہ ناظرین دیکھیں گے کہ اس فوٹو میں نہ صرف تیسری سطر میں "سلام" (اشہد) بلکہ چھٹی سطر میں "ما لک" (امرھم جس میں "م" اڑ گیا ہے) اور اسی سطر میں "لک" (لہم) اور آٹھویں سطر میں "الک" (اہل) اور نویں سطر میں "فلسم" (منہم جو سہواً "منہم" لکھ دیا گیا ہے) اور اسی سطر میں "فلسام" ھما۔ غرض ہر جگہ "ھ" کو "ک" لکھا گیا ہے۔

تعجب ہے کہ فلائشر جب "اشہد" میں "ک" کو "ع" پڑھتا ہے تو "فعما" میں "فعما" کی جگہ "فیما" پڑھتا ہے حالانکہ اس لفظ میں یا تو دونوں "ع" ہوتے یا دونوں "م"۔ یہ اصل میں "ترئیس کنندہ" کا سہو ہے کہ "سونہ" کے ٹکڑے

---

[1] "غیرہ" کی جگہ "غیرہ" ہے نا تردید کی جگہ توثیق ہی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں "والسماء بنینٰھا بأییدٍ" دو شوشوں سے ہے۔ بعض قدیم کتبوں میں "آمین" کو "امسں" لکھا گیا ہے۔ یہ سب اصل میں قدیم طرزِ کتابت ہے اور ہماری دستاویز کی قدامت ہی کی دلیل۔

Marfat.com

لہٰذا کو اُنا بعد میں ناقص طور سے ملا کر نما کر دیا ہے۔
میرے علم میں فلائشر کے علاوہ کسی اور نے اس خط پر کچھ نہیں لکھا۔
لیکن یہ عجیب بات ہے کہ فلائشر کے مطابق اس مکتوب کو ۱۸۶۰ء میں دمشق
سے ایک اطالوی لے اڑا تھا مگر ۱۹۱۷ء میں خواجہ کمال الدین نے دمشق میں
یہ خط اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا (ملاحظہ ہو اسلامک ریویو Woking
بابتہ ۱۹۱۷ء) دمشق میں ۱۹۳۲ء میں میری ذاتی تحقیقات پر اتنا پتہ چلا تھا کہ
اس طرح کا ایک خط سلطان صلاح الدین کے رشتہ داروں کے ہاں موجود ہے
گو عام طور سے اہل شہر اس سے ناواقف ہیں۔ میری پہلی کوشش اس کے
دیکھ سکنے کے متعلق اس لئے ناکام رہی کہ جس وقت میں وہاں گیا مکان پر
کوئی آدمی نہ تھا۔ اس کے بعد میرا قیام دمشق میں نہ رہ سکا۔ اب میرے
ایک سابق فرانسیسی ہم جماعت موسیو رالش نے اس کا پتہ لگایا ہے
اور دمشق سے ایک ابتدائی اطلاع بھی بھیجی ہے۔ لیکن تادم تحریر ان
کے موعودہ مفصل خط کا انتظار ہے ممکن ہے کہ پچھلے مالکوں نے خط بعد میں واپس حاصل
کر لیا ہو۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ مکتوب مقوقس
اور مکتوب منذر دونوں کی مہر باوجود نقل کرنے والوں کے فرق
کے یکساں ہے۔ جو کافی اہم شہادت ہے۔
آخر میں ایک بات یہ عرض کی جا سکتی ہے کہ کچھ دنوں
پہلے عربی اخباروں کے حوالے سے ہندوستانی اخباروں
نے یہ خبر شائع کی تھی کہ موجودہ نجاشی حبشہ کے پاس اب

Marfat.com

تک مکتوب نبوی بنام نجاشی اصحمہ محفوظ ہے۔ اس بارے میں مستند معلومات حاصل کرنے کے متعلق میری کوششیں اب تک ناکام رہیں۔

یہ چند سرسری باتیں ہیں جو عزیزم نائب مدیر صاحب مجلۂ عثمانیہ کی خواہش پر عجلت میں قلم بند کی گئیں۔

تتمہ اوپر مضمون کی ابتدا نیز وسط میں دو جگہ نولدکے کا ذکر آیا ہے مضمون لکھتے وقت صرف اس کا جدید ترین یعنی طبع دوم کا نسخہ پیش نظر تھا جو مؤلفؒ کی وفات کے بعد شوالی نے حسب منشا حذف و اضافے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مضمون چھپنے کے بعد طبع اول دیکھنے کا موقع ملا تو نظر آیا کہ غریب نولدکے نے تو مکتوب مقوقس کے اصلی ہونے کی صراحت سے رائے لکھی تھی۔ اس مضمون میں جتنی اعتراضی باتیں نولدکے کی طرف مکتوب نبویؐ کے سلسلے میں درج ہیں وہ سب اصل میں شوالی کے قلم سے نکلی ہیں۔ فتنبہ ۱۲۔

Marfat.com

آنحضرت صلعم کا خط قیصر روم کے نام[1]

آغاز اسلام کے وقت شام کا زرخیز علاقہ بیزنطینی سلطنت کے ماتحت تھا۔ اس کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر بہت سے بدوی قبائل بستے تھے، جو آزاد تو تھے لیکن بیزنطینی اثرات ان پر کارفرما تھے۔ انھیں قیصر روم کی جانب سے معقول معاش مقرر تھی۔ اس کے معاوضے میں وہ ملاحظہ کا کام دیتے اور خانہ بدوش عربوں کو بیزنطینی علاقے پر چھاپہ مارنے سے روکتے تھے۔

عرب بہت قدیم زمانے سے شام کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتے تھے اور ہر سال گرمی کے موسم میں ان کے کاروان اور قافلے شام پہنچتے تھے۔ ایرانی اور بیزنطینی سلطنتوں میں نسلاً بعد نسل سے برابر جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اور آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت تو اس میں اور تیزی پیدا ہو گئی تھی۔ اس سے متحاربین میں سے کسی کو بھی کیا فائدہ پہنچتا، دونوں روز بروز کمزور ہی ہوتے چلے گئے۔ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے ۶۱۳ء تا ۶۱۷ء میں ایرانیوں نے دمشق بیت المقدس اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ہجرت کے بعد ۶۲۲ء میں نینوی کے مقام پر ایرانیوں کو کچھ ایسی زک [illegible] ہوئی کہ لڑائی کا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ اور بیزنطینیوں نے [illegible] سب علاقہ واپس لے لیا بلکہ حریف سے من مانی شرطیں بھی منوا لیں۔

مسلمان مورخ[2] بیان کرتے ہیں کہ ۶ھ کے اواخر میں آنحضرت [illegible]

[1] یہ خط حوالے مضمون کے آخر میں درج ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے بزنطینیوں کے سردار "عظیم الروم" کے نام ایک نامہ بھیجا۔ اور سفیر کو حکم دیا کہ شہر بصریٰ (علاقہ حوران) کے حاکم کے حوالے وہ خط کر دے۔ گورنر بصریٰ نے اس کا انتظام خود کیا کہ وہ خط قیصر ہرقل کے پاس جو ان دنوں ایشیائے کوچک میں مقیم تھا بھیج دے۔

اگرچہ گولڈ سیہر جیسے مولفوں کو اس واقعے کی صداقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں لیکن ہم یہاں ان اعتراضات کی چھان بین کریں گے جو مختلف یورپی فضلا کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں۔

چنانچہ سویڈن کے مشہور مولف بول[۵۵] نے آنحضرت صلعم کی سیرت لکھتے ہوئے ان خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمسایہ فرماں رواؤں کے نام تبلیغ اسلام کی غرض سے بھیجے گئے تھے مگر اسے اس واقعے کی صحت میں شبہ ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان مورخوں کی روایت کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ سفیر معجزانہ طور سے ان ممالک کی زبانیں بولنے لگ گئے جہاں انھیں بھیجا گیا تھا۔ یہ قصہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق مشہور ہے کہ انھیں دنیا کے مختلف حصوں میں جانے کے لیے نامزد کیا گیا اور ان کے عذر پر کہ انھیں ان ملکوں کی زبانیں نہیں آتیں حضرت عیسیٰ نے دعا کی اور ہر حواری خود بخود اس ملک کی زبان بولنے لگ گیا جہاں اسے بھیجا جا رہا تھا۔ دوسرے الفاظ میں مسلمان مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ ممالک میں سفیروں کے بھیجنے اور ان سفیروں کے نئی زبانوں کے خود بخود سیکھ جانے کے قصے کو محض اس لیے گھڑ لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں حضرت

عیسیٰ علیہ السلام سے کم نظر آئیں۔

لیکن یوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اگرچہ اس سلسلے میں اس نے اپنے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ لیکن کوئی تعجب نہیں یہ ابیکیلے واقدی کی کسی افسانہ نگاری سے اسے سابقہ پڑا ہو۔ چنانچہ ابن سعد نے بھی طبقات (جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۹) میں واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں واقعے کے بعض اہم جزئیات کو نظر انداز کر دینے سے مطلب خبط ہو گیا۔ یہ واقعہ پوری تفصیلوں کے ساتھ ہمیں ابن ہشام کی سیرۃ رسول اللہ (صفحہ ۹۷۱) میں اور طبری کی تاریخ (سلسلہ اول صفحہ ۱۵۶۰) میں ملتا ہے وہاں تو کچھ اور ہی ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن آنحضرت ؐ نے یہ طے فرمایا کہ متعدد بادشاہ فرماں رواؤں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے سفارتیں بھیجی جائیں۔ سفیروں کو نامزد کرنے سے پہلے آپ نے احتیاطاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور فرستادہ حواریوں کا قصہ بیان فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر میں کہیں کچھ سفیر بھیجنا چاہوں تو تم لوگوں کو ان حواریوں کی طرح پچھلے ہٹ اور پس و پیش نہ کرنا چاہیئے اس کے بعد اعلان فرمایا کہ فلاں شخص فلاں حکمران کے پاس خط لے جائے اور فلاں شخص فلاں کے پاس۔

اس روایت میں نہ تو کوئی خارق العادۃ واقعہ ہے اور نہ کوئی خلاف عقل یا غیر قرین قیاس امر حواریوں کا قصہ بیان کئے جانے کی ضرورت بھی واضح ہے۔ کسی صحابی کو ذرا بھی تردد نہ پیدا ہو۔

ان وقائع سے شاید یہ ہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمسایہ ممالک میں تبلیغ کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا۔ وہ کون شارع مذہب

ہو گا جو حضرت عیسیٰ کی بیان کردہ فرستادگی حواریین کی اقتدا کا خیال نہ کرے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ تو خود قرآنی حکم ہے۔

اب کچھ کائتانی کے اعتراضات بھی سنئے۔

۱۔ مسلمان مورخ سفراء کے بھیجنے کا واقعہ ۶ھ کے اواخر کا قرار دیتے ہیں اور پھر یہی مورخین دکائتانی نے واقدی، ابن ہشام، یعقوبی، طبری جیسے متقدمین کے نام اس تذکرے کے آخر میں بطور ماخذ واقعہ گنائے ہیں) کہتے ہیں کہ حضرت دحیہؓ کے مال ومتاع پر قیصر کی سفارت سے واپسی پر جو ڈاکہ پڑا وہ ۶ھ کے وسط میں پیش آیا۔ ۶ھ کے اواخر میں روانگی اور اسی سال کے وسط میں واپسی بدیہی طور پر ناممکن ہے۔

۲۔ حضرت دحیہؓ کا قیصر کے پاس جانا بیان کیا جاتا ہے اور وہ خیبر کی مہم میں بھی شریک رہتے ہیں۔ یہ مہم سفارت کی روانگی کے بعد ہی پیش آئی اور یہ غیر قرین قیاس ہے کہ حضرت دحیہؓ سفارت کو سرانجام دے کر اس قدر جلد واپس ہو گئے ہوں۔

۳۔ مسلمان مورخ بیان کرتے ہیں کہ اسلامی سفیر نے قیصر سے بیت المقدس میں ملاقات کی جبکہ وہ (قیصر) صلیب مقدس کے ایرانیوں سے واپس مل جانے کی خوشی میں وہاں آیا ہوا تھا۔ قیصر کی آمد ۶۲۹ء کی ابتدا یعنی ۷ھ کے اواخر میں ہوئی نہ کہ ۸ھ کے اوائل میں جیسا کہ مسلمان مورخین کے بیان سے مترشح ہوتا ہے۔

۴۔ سیرت ابن ہشام حقیقت میں سیرت ابن اسحاق کی تہذیب دادہ

Marfat.com

صورت ہے مگر ان سفارتوں کی روانگی کا واقعہ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نہیں ہے کیونکہ روایت کی ابتدا میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے (یعنی یہ واقعہ ابن ہشام نے خود گھڑ لیا ہے)

۵۔ سفیروں کی روانگی اگرچہ اتنا اہم واقعہ ہے کہ لیکن عربی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں جملہ روایتیں صرف ایک ابن عباس ہی سے منقول ہیں دیگر صحابہ کے بیانات بالکل مفقود ہیں۔ (کچھ ٹھیک نہیں)۔

کائتانی کا پہلا اعتراض

سیرۃ ابن ہشام (صفحہ ۹۷۱ اور تاریخ یعقوبی (جلد دوم صفحہ ۷۷) میں جہاں حضرت دحیہ کا مال لٹنے (خیبر) کی مہم کا ذکر ہے، بلا تعین تاریخ واقعہ بیان کیا گیا ہے جیسے اور بہت سے واقعات کا ان میں تذکرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ طبری میں (صفحہ ۱۵۵۵) لے شبہ ۶ھ کے وسط کا ذکر ہے مگر یہ واقدی کی روایت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ طبری نے خود اس کو قبول نہیں کیا ہے۔ کیونکہ تھوڑی دور آگے چل کر طبری نے (صفحہ ۱۷۴۱) اپنی تاریخ میں مکرر اس مہم کا اس کے موقع پر ذکر ہے۔ اگرچہ اس جگہ طبری نے تاریخ نہیں بیان کی ہے۔ لیکن واقعات اپنی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ طبری کا واقدی کی روایتوں کے متعلق جو رجحان ہے وہ معروف ہے ان روایتوں کے ساتھ اکثر زعم الواقدی کا ایک حد تک طنزیہ فقرہ مزدور ہوتا ہے۔ اب رہی ہے ایک واقدی کی روایت سو واقدی کی حیثیت ایک تاریخی سازشگاہ سے بڑھ کر نہیں اس بیان کو بے لیس و پیش رد کر دیا

جا سکتا ہے[۱۲]۔ واقدی کی توقیتی غلطی کو مصری مورخ زینی دحلان نے محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ سیرت نبوی لکھتے ہوئے اس واقعے کے تذکرے میں واقدی کی روایت کو اسی بنا پر رد کر دیا ہے کہ سفیروں کی روانگی سے پہلے واپسی ناممکن ہے[۱۳]۔

عرب مورخ[۱۴] یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ حضرت دحیہؓ جب قیصر روم کو مکتوب نبوی پہنچا کر شام سے واپس آ رہے تھے تو ان پر چند بدوی قبائل نے ڈاکہ ڈالا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت دحیہؓ سنہ ۶ھ کے اواخر میں شام کو روانہ ہوئے اور جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے میں تھے تو اس قبیلے کے چند رہزنی پیشہ افراد نے ان پر حملہ کیا۔ اسی قبیلے میں چند خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ جب انھیں اطلاع ملی تو دوڑے اور حضرت دحیہؓ کا مال جو وہ تجارت کے لیے[۱۵] جا رہے تھے (نہ کہ وہ جو قیصر نے بطور انعام و اکرام دیا تھا، جیسا کہ کاتانی نے واقدی کے افسانے سے اخذ کر کے لکھا ہے) ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔ حضرت دحیہؓ غضبناک ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ اس کو بعض افراد عوام نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سفارت پوری کر کے واپس آ گئے اور انھیں کی روایت مسلمان مورخین کے پاس جگہ پا گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک تنبیہی مہم روانہ فرمائی اور چند دن بعد خود بھی خیبر کی جنگ پر روانہ ہو گئے۔ جہاں حضرت دحیہؓ ساتھ رہے۔ اور خیبر کی فتح کے بعد ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ شام کو روانہ

ہو گئے تاکہ قیصر کو نامۂ مبارک پہنچا دیں (الف)۔ یاد رہے کہ اس واقعے کے جزئیات صرف حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ماخوذ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس واقعے کے وقت دس برس سے زیادہ نہ تھی اور انہیں یہ حالات بعد میں اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے۔ اس لئے واقعے کے جزئیات میں بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کا امکان ضرور رہتا ہے گو اس کے ذمہ دار وہ خود نہیں۔ اس سے (ب) یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرستادگی سفارت کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانے میں بھی ملک میں مشہور رہا گو ایک سرکاری اور حکومتی معاملہ ہونے کے باعث اس کے تمام جزئیات سے عوام کو واقفیت نہیں ہو سکتی تھی۔ خاص کر سفیر کا مال لٹ کر حکومت اسلامیہ کی توہین ہونے کے۔

حضرت دحیہؓ پر ڈاکے کے سلسلے میں جو مہم بھیجی گئی تھی وہ حسمی نامی مقام پر پہنچی۔ حسمی کا مقام وادی القری کے پرے مدینے سے آٹھ دن کے فاصلے پر واقع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی تیز رفتار اونٹ پر یہاں سے مدینے کو تین چار دن میں پہنچ گئے ہیں۔ بعض حالیہ یورپی سیاح حسمی یا تبوک کے اطراف میں اس نام کے ایک پہاڑ کا ذکر کرتے ہیں تو بعض اسلامی مورخ اسی نام کے ایک علاقے اور قبائلی دیار کا۔ بدیہی اسباب کے باعث زیادہ دور جانا آنحضرتؐ نے پسند نہ فرمایا۔ خیبر کی مہم بھی درپیش تھی۔ لوگوں کی توجہ ادھر لگی ہوئی تھی اور زیادہ دور جانا قرین مصلحت نہ تھا۔ غرض یہ مقام مدینے سے اتنا قریب ہے کہ حضرت دحیہؓ کی سفارت پر روانگی، واپسی اور تینوں مہم سب اتنی مدت کے اندر وقوع میں آ سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح حدیبیہ سے واپسی اور خیبر

Marfat.com

کی روانگی کے مابین پائی جاتی ہے۔ ابن ہشام[۱] کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے ذی قعدہ سنہ ۶ھ کے آخری دنوں میں مدینہ واپس آئے اور محرم سنہ ۷ھ میں خیبر روانہ ہوئے ابن سعد[۲] کے مطابق خیبر کو روانگی اور چند ماہ بعد عمل میں آئی۔ غرض حدیبیہ اور خیبر کو روانگی کے مابین کم از کم پانچ ہفتوں کا وقفہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ مدت حضرت دحیہ رضی کی روانگی اور سمی کی تبلیغی مہم کے پیش آنے کے لئے کافی ہے۔

کائتانی کا دوسرا اعتراض بھی مذکورہ بالا توضیح کے سامنے ٹھیر نہیں سکتا۔ کائتانی کو حضرت دحیہ رضی کی جنگ خیبر میں شرکت صرف واقدی میں ملی ہے۔ مگر یہ واقعہ ابن ہشام، طبری اور بخاری نے بھی بیان کیا ہے۔ تاہم جیسا کہ ہم دکھا چکے ہیں حضرت دحیہ کا مہم خیبر میں شریک رہنا ناممکن نہیں اور نہ ہی وہ اس بات کے لئے کوئی ثبوت بن سکتی ہے کہ سفارتِ شام کا واقعہ من گھڑت ہے۔

تیسرا اعتراض بھی برقرار نہیں رہ سکتا کیونکہ سفیر مذکور کا سنہ ۶ھ کے اواخر میں بیت المقدس میں رہنا کسی طرح بھی غیر قرین قیاس نہیں علاوہ بر آں یہ امر قابل ذکر ہے کہ واقعات زیر بحث کے اسلامی ماخذوں میں امام بخاری کی شخصیت سب سے ممتاز ہے اور انھیں بہرحال واقدی پر ترجیح دینی ہوگی۔ خاص کر اس لئے کہ دونوں نے واقعات کو حضرت ابن عباس رضی کی روایت سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر کو حکم دیا تھا کہ خط گورنر بصریٰ کے حوالے کرے اور اس خط کو گورنر بصریٰ نے قیصر کے پاس حمص خود بھیجا۔ قیصر بیت المقدس جا رہا تھا تاکہ وہاں صلیب مقدس

Marfat.com

کی واپسی کے شکرانے کی تقریب میں حصہ لے۔ چنانچہ گورنر بصری کا خط ملنے پر قیصر نے جسے اسلام اور بانی اسلام کے متعلق کوئی معلومات نہ تھیں، حکم دیا کہ رومی علاقے میں اگر حجازی تاجر آئے ہوئے ہوں تو انھیں حاضر کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ ان تاجروں کو بیت المقدس میں باریابی کا موقع حاصل ہوا (بخاری)

۸۔ قیصر کا سفر سنہ ۶۲۹ء کی روایت یونانی مورخ تیوفانی نے بیان کی ہے مگر مورخ نقیفورد Nicephore نے لکھا ہے کہ قیصر ہرقل ۶۲۸ء میں بیت المقدس آیا۔ وہاں کے گرجے کی یادداشت بھی اس کی تائید میں ہے الغرض اسی سے یہاں تک تعیین ہوتی ہے کہ ۶۲۸ء میں وسط ستمبر میں ہرقل نے عید واپسی صلیب میں شرکت کی۔[۲۲]

چوتھا اعتراض بھی درست نہیں کیونکہ گو ابن ہشام نے سفیروں کے واقعے کو بیان کرتے وقت شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے لیکن اسی روایت کے سلسلے میں ذرا نیچے اس نے دو مرتبہ ابن اسحاق کا حوالہ دیا ہے ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ یمن اور بحرین کی سفارتوں کا حال اس کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں کہ باقی دیگر سفارتیں خود ابن اسحاق کی بیان کردہ ہیں۔ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ابن اسحاق نے قیصر و نجاشی کے پاس بھیجے ہوئے سفیروں اور خطوں کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، کیونکہ اگرچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں ان خطوط کے متن حذف کر دیئے ہیں لیکن طبری اور بیہقی اور قلقشندی نے ان خطوط کے متن ابن اسحاق کے حوالے ہی سے درج کیے ہیں۔

کائتانی کا پانچواں اور آخری اعتراض

یہ تھا کہ سفارت کا اہم واقعہ صرف حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا مگر یہ اعتراض بھی کائتانی کی تحقیقات کا سطحی ہونا ثابت کرتی ہے کیونکہ علاوہ دیگر مولفین کے بلاذری اور احمد بن حنبلؒ نے قیصر کی سفارت حضرت انسؓ کی روایت کی بنا پر بھی بیان کی ہے۔ کنزالعمال (جلد پنجم ص ۳۲۵) میں یہ حضرت خالد بن سعید بن العاص سے بھی مروی ہے۔ طبرانی میں تو خود حضرت دحیہ کلبی کی روایت محفوظ ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ جو ہمارے بڑے ماخذ معلومات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے ہیں۔ ایک آپ کے چچا زاد بھائی ہیں تو دوسرے شخصی خادم۔ ان دونوں نے شام و مصر کے فتوحات اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کے متعلق اس بات کا کس طرح گمان ہو سکتا ہے کہ ان میں اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پایا جاتا ہو، جس کے تحت انھوں نے اپنے بانی مذہب کی بڑائی دکھانے کے لئے قیصر روم سے خط و کتابت کا واقعہ گھڑ لیا ہو۔ ان دونوں بڑی عمر پانے والے صحابیوں کی نوجوانی ہی میں قیصر ہرقل کی فوجوں کو مسلمان متعدد فاش شکستیں دے چکے تھے اور اس کی سلطنت کے چند نہایت زرخیز صوبے چھین چکے تھے۔ رہے خالد بن سعید، سو وہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کے بھتیجے ہیں۔ ان لوگوں میں تو اپنے آپ کو برتر سمجھنے کا ہی جذبہ ہونا چاہیئے۔

یہ تو جواب تھے اعتراضوں کے انھوں نے عدم امکان کو رفع کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی ہے ان کے علاوہ بعض اور وجوہ ہیں جو ہمیں ارسالِ سفیر کے واقعے کی صحت کا یقین دلاتے ہیں :-

اولاً یہ واقعہ ہے کہ معاصر بیزنطینی تاریخیں موجود نہیں ہیں - بیزنطینی حکومت کے دربار میں بھی سرکاری وقائع نگار رہا کرتے تھے مگر ایک زمانے میں ایک صدی تک ان میں فصل پڑ گیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ نبی اسی وقفے سے متعلق رکھتا ہے، اگر بعد کے بیزنطینی مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا تذکرہ نہ کیا ہو تو کوئی حیرت نہیں کیونکہ وہ عیسائی تھے اور ان کے بادشاہ کو اگر کسی نئے مذہب کے بانی نے تبلیغ کی ہو تو ان کی نظروں میں اس خط کو کیا اہمیت ہو سکتی ہے مسلمانوں سے بعد میں ان کی لڑائیاں رہیں اس لئے بیزنطینی مورخ جنگِ موتہ کا ضرور ذکر کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانہ کردہ فوجوں کو بیزنطینی فوجوں نے شکست دی تھی -

دوسرے یہ کہ جملہ مسلمان مورخ جن میں امام بخاری جیسی محتاط شخصیت شامل ہے، اس سفارت کا ذکر کرتے ہیں -

تیسرے خود نفسِ معاملہ میں کوئی امر غیر قرینِ عقل نہیں - ایک بانیِ مذہب اپنی کامیابیوں سے حوصلہ و ہمت پا کر اپنے ایک ہمسایہ حکمران کو تبلیغِ دین اسلام کی خواہش کرتا ہے اور اس حکمران کے ایک صوبہ دار کے توسط سے جس کے ہم وطن تجارت کے سلسلے میں اچھی طرح واقف تھے اس حکمران کے نام ایک خط روانہ کرتا ہے کیونکہ حکمرانِ مذکور کا قیام اکثر سمندر پار قسطنطنیہ میں رہتا ہے اور اس کے عرب سے قریب بیت المقدس آمد کی شہرت تھی -

Marfat.com

اس سے مخاطب کا اس سے بہتر موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ آداب کے سلسلے میں اس کی کہاں توقع کی جا سکتی ہے کہ نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرسلہ خطوط میں ان ظاہری اور رسمی امور کی پابندی ہو جو سلاطینِ عظام اپنی خط و کتابت میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ قیصر ہرقل کا نام عرب میں ہر شخص جانتا تھا کہ یہ وہی بادشاہ تھا جس نے اکتیس سال (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) حکومت کی اور عربوں کی گرمائی تجارت گاہ شام و فلسطین و مصر کو ایرانیوں کے ہاتھوں سے دوبارہ چھین لیا تھا۔ یہ بات نہ بھلائی جائے کہ خط گورنر بصریٰ کے پاس بھیجا گیا تھا سفیر کے ذمے یہ فریضہ بالکل نہ تھا کہ وہ قیصر سے بھی ملاقات کرے۔

چوتھے خود اصل خط کی موجودگی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے چھٹی صدی ہجری کے مراکشی مورخ سہیلی نے چشم دید گواہوں کی شہادت پر یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کے زمانے میں اسپین (قسطیلہ) کے حکمران الفونسو نے جس کے قبضے میں آنحضرت صلعم کا خط بنام ہرقل موجود تھا ایک مسلمان سپہ سالار عبدالملک بن سعید کو دکھایا نیز یہ کہ الفونسو کی وفات کے بعد یہ نامہ مبارک اس کے نواسے کو وراثت میں ملا۔ اس سے ایک صدی بعد علامہ عینی کا زمانہ آتا ہے وہ مصر کے ملوک سلاطین کے دربار میں بڑا رسوخ رکھتے تھے اور اعلیٰ سرکاری خدمت پر مامور تھے وہ بھی لکھتے ہیں کہ ملوک سلطان قلاؤون نے اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی اور اس بادشاہ نے سلطان کے سفیر سیف الدین قلیج کو نامہ مذکور بتایا تھا یہ سفارت ۶۸۲ھ میں بھیجی گئی تھی۔ ابن فضل اللہ العمری (وفات ۷۴۸ھ) مصر کے میر منشی کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے۔ اس نے بھی اپنی

کتاب میں سلاطین عالم کے القاب کے سلسلے میں شاہ اسپین کا ذکر کیا ہے[۳۶] اور بتایا ہے کہ شاہ اسپین کے سفیر نے اس سے گفتگو کی اور کہا کہ شاہ اسپین قیصر ہرقل کی اولاد میں سے ہے اور یہ کہ نامہ نبوی بنام ہرقل اس وقت تک شاہ اسپین کے پاس محفوظ و موجود ہے۔

مراکش کے مشہور امیر و عالم شیخ عبدالحی کتانی نے حال میں ایک دلچسپ[۳۱] کتاب شائع کی ہے جس میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ سیاسی، تمدنی اداروں اور پیشوں کے متعلق کتب حدیث و تاریخ وغیرہ کا مواد اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کتاب کی جلد اول صفحہ (۵۶ تا ۸۰) میں خاص اس خط کے متعلق ایک باب باندھا ہے۔ انھوں نے خفاجی (وفات ۱۰۶۹ھ) کی کتاب شرح شفاء جلد سوم صفحہ (۳۷۰) طبع اول پر یہ عبارت ڈھونڈ نکالی ہے۔

"کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تک اسپین کے بادشاہوں کے پاس موجود ہے۔ وہ اس کی عزت کرتے ہیں اور ایک سنہری صندوق میں حفاظت سے رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اس کی نگہداشت کی وصیت کرتے آتے ہیں"۔[۳۸]

اسی طرح شیخ کتانی کی تحقیقات سے مراکش کے ایک مشہور مؤلف شیخ ابوالعباس احمد بن ناصر الراشدی العسکری (وفات ۱۲۳۸ھ) کی کتاب الخبر المعرب عن الامر المغرب الحال بالاندلس و ثغور المغرب میں بھی اس خط کے وجود کا ذکر پایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کتانی کو اس خط سے خاص دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب وہ ۱۳۲۱ھ میں اسپینی مراکش کے پایۂ تخت

تطوان گئے تو وہاں کے اسپینی ریسیڈنٹ جنرل و مقیم عام سے اس بارے میں گفتگو کی مگر جب سے مسلمان اسپین سے جا چکے ہیں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ مقیم عام مذکور کو بھی اس بارے میں کوئی علم یا اطلاع نہیں تھی۔ مراکش کے سلطان مولائی اسمٰعیل بن الشریف نے بھی اپنے ہمعصر شاہ فرانس سے اس بارے میں خط و کتابت کی تھی، کیونکہ سنا جاتا تھا کہ وہ خطاب فرانس میں ہے مگر ۱۳۳۲ھ میں جب رئیس جمہوریہ فرانس مراکش کے دورے پر آیا تو اس نے مقامی مسلمان علماء کی دریافت پر کہا کہ فرانس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے اور یہ میں نے اس سے پہلے اس بارے میں کچھ سنا ہے۔ شیخ کتانی نے چند اور مسلمان مؤلفوں کے حوالے دیئے ہیں جنھوں نے اس خط کی موجودگی کا ذکر کیا ہے مگر ان کے بیانات سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی مورخوں کے بیانات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک کے وقت قیصر ہرقل کو ایک اور خط بھیجا تھا۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ بھی حضرت دحیہؓ ہی سفیر تھے۔ بعض متاخر مسلمان مؤلف قیصر اور ہرقل میں فرق کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہرقل شام کے گورنر کا نام تھا، اور قیصر قسطنطنیہ کے بادشاہ کا لقب تھا، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصر کے نام نہیں بلکہ ہرقل گورنر شام کے نام تھا مگر شاید اسے غلط فہمی محمول کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سلطنت روما خود دو ممالک پر مشتمل تھی ایک کا پایہ تخت روما تھا تو دوسرے کا قسطنطنیہ۔ قیصر تو ان دونوں کے شہنشاہ کا لقب

ہوتا تھا۔ مگر اسلامی مورخ قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھی قیصر ہی کہتے آئے ہیں اور قسطنطنیہ کی بیزنطینی حکومت ہی شام کی مالک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہاں ہرقل ہی حکمران تھا۔ اس لئے قیصر اور ہرقل کا اشتباہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس بحث کے بعد اب شاید کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا بیزنطینی شہنشاہ ہرقل کو تبلیغی خط لکھنا ناممکن نہیں ہے بلکہ حالات اس کی تائید ہی میں ہیں۔

حوالے

(1) De Goeje, Memoire sur la Conquete de la Syrie, 2nd ed., p. 29 ; Nicephore Ceclitane, De rebus post Mauritium gestis, p. 27

(۲) Noldeke, Encyclopaedia Britannica, s. v. Persia.

(۳) مثلاً تاریخ طبری صفحہ (۱۵۵۹)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب کا متن حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے:۔

صحیح بخاری کتاب نمبر ا باب نمبر ۶۔ ۷۔ کتاب نمبر ۵ [illegible] ۲۔ ۱۔ کتاب نمبر ۶۵ باب نمبر ۴ حدیث نمبر ۴۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد نمبر (۱) صفحہ ۲۶۳۔ جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۴۲۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ [illegible] ۸۰۔ صبح الاعشیٰ [illegible]

قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۷ ۔ مفید العلوم و مبید الہموم مؤلفہ قزوینی باب ہشتم نمبر ۱ - زاد المعاد مؤلفہ ابن القیم جلد نمبر ۳ صفحہ ۶۰ رسالات نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خاں، مکتوب نمبر ۱۱۶ وغیرہ وغیرہ -

(۵) صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۶ نیز کتاب نمبر ۵۶ باب نمبر ۱۰۲

(۶) Goldziher, Die Religion des Islams (Kultur der Gegenwart, 1906), p. 245

(۷) Buhl, Das Leben Mohammeds. p. 245

(۸) نیز دیکھئے تاریخ مصر مؤلفہ ابن عبدالحکم (طبع لائڈن) صفحہ ۵۴

(۹) قرآن مجید سورہ ۹ آیت ۴۰

(۱۰) Caetani, Annali dell'Islam, anno 6, p. 50.

(۱۱) اصل میں واقدی نے واقعات کے وقت کے ذکر میں بہو اُن حسابات کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ حجاز میں سنہ کبیسہ رائج تھا اور ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھا جاتا تھا - پھر بعض وقت سنہ ہجری سے وقت مقرر کیا ہے اور بعض وقت تاریخ ہجرت سے (دیکھئے کامتانی کی تاریخ اسلام سنہ ۱ ف ۱۳ اور نوٹ نمبر ۱) سب جانتے ہیں کہ ہجرت نبوی اور سنہ ہجری میں دو ماہ کا فرق ہے اور سنہ ۶ھ میں حجاز کے مروجہ سنہ اور ہجری سنہ میں دو ماہ کا فرق ہو جاتا ہے - اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقدی نے حضرت دحیہ کی مہم کا وقت بیان کرتے وقت مروجہ عربی سنہ کی جگہ سنہ ہجری بیان کر دیا اور کبیسہ مہینوں کے بڑھانے

کا خیال نہ رکھا تو پھر اس پانچ چھ ماہ کے فرق کا اصلی باعث معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱۲) سیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۰۔

(۱۳) مثلاً سیرۃ ابن ہشام (طبع یورپ) صفحہ ۱۹۱

(۱۴) ایضاً " " "

(۱۴) الف۔ مغازی واقدی مخطوطہ برٹش میوزیم (نمبر ۱۲۸) میں حضرت زید بن حارثہ کی تبلیغی مہم کے ذکر میں بیان ہوا ہے کہ دو مہ الجندل ۔۔۔ ابن حبیب کتاب المحبر صفحہ ۲۴۲ میں لکھا ہے بقی الماء بعد ما قامی ربن طوفان

نوح) فی ارض حذام وھی حسمی (ما لعین سنہ

(۱۵) معجم البلدان مؤلفہ یاقوت لفظ حسمیٰ

(۱۶) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۸۰

(۱۷) Jaussen e, Savignac, Mission archeologique en Arabie (Paris 1909), vol. 1, p. 67.

ابراہیم رفعت باشا نے اپنی تالیف مرآۃ الحرمین (جلد اول ص ۲۹) میں المعالم والتصویر الواقعۃ علی البحر الاحمر تہ الوجہ والحوراء وسمیع والوجد و وکلہ المحطات الحجاج المصریین وبین رصی المعاعی النعمانی ۔۔۔ ۹ ۔۔۔ فی ۔۔۔ فلیتو ۔۔۔ الی السمی حسمی

(۱۸) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔۲۵۶ ۔۔۔ تاریخ طبری ۔۔۔ کے بعد کا واقعہ

کا آخری حصہ

(۱۹) لمعات ۔۔۔ جلد اول صفحہ ۶۶

(۲۰) صحیح بخاری، کتاب نمبر ۹۱ باب نمبر ۴۸ حدیث نمبر ۲ نیز کتاب نمبر ۴۳ باب نمبر ۱۰۱ حدیث نمبر ۲

(۲۱) Sprenger, Das Leben und die Lehre des Mohammed. III, 261, n. 1.

(۲۲) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۷۱ تا ۹۷۲

(۲۳) تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۵ - ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰ -

(۲۴) منقول از رسالت محمدیہ مؤلفہ عبدالمنعم خان نمبر ۱۰۹ -

(۲۵) صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۱ -

(۲۶) ابن حبان منقول از السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد دوم صفحہ نمبر ۵۲

(۲۷) فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری طبع یورپ صفحہ ۴۲ -

(۲۸) مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۳

(۲۹) زوناراس (Zonaras) بارھویں صدی عیسوی کا مشہور یونانی مورخ ہے۔ وہ قسطنطنیہ میں حکومت کا میر منشی تھا۔ پھر سیاسیات سے کنارہ کشی کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔ اور اس سلسلے میں ایک تاریخ عالم لکھی۔ اس نے بعض اہم اور ایسی کتابوں کے اقتباسات اپنی تاریخ میں دیے ہیں جو کہ اب مفقود ہیں۔ اس ایک مؤلف نے البتہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم قیصر سے ملنے کے لئے خود تشریف لائے تھے اور یہ کہ قیصر نے آپ کو کچھ زمین جاگیر میں دی تھی۔ زوناراس کے متعلق دیگر معلومات کرومباخر کی کتاب تاریخ ادبیات بازنطینی
Krumbacher Geschichte der byzantinischen Literatur S. 370 44

میں ملیں گے۔ زونارس کی کتاب کا یونانی متن مع لاطینی ترجمے کے شہر بون
جرمنی میں ۱۸۹۷ء میں چھپا ہے۔ اس کتاب کے متعدد یورپی زبانوں میں ترجمے
ہوئے مگر میرے پیش نظر صرف لاطینی ترجمہ تھا۔ جس کا ضروری اقتباس دیا جاتا ہے

"......Ir eodem regis triumphali ex Persia reditu regem converis Machmetus Saracenorum princeps ... is igitur ex Aethribo progressus regem convenit et regionem ad habitandum patriam accepit"

Ioanes Zonaras Epitomae Historiarum, Epit XIV, 17, 12-27, p. 214).

Dictionnaire d'Histoire et de Geographie Ecclesiastique (Paris 1914ff.) vol III, s v, Arabie, col. 125 a

(۳) دیکھئے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ محمد کے ذیل میں

Theophane, Chronographie. ed. De Boor, vol I, p. 53

(۳۱) روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم صفحہ ۳۲۱

(۳۲) اس نام کو عرب مؤلفوں نے معرب کرکے ادفونش بنالیا ہے

(۳۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

(۳۴) عمدۃ القاری مؤلفہ عینی جلد اول صفحہ ۱۱۶ نیز دیکھئے فتح الباری مؤلفہ ابن حجر عسقلانی شرح صحیح بخاری کتاب نمبر ا باب نمبر ۶ المواہب اللدنیۃ مؤلفہ قسطلانی جلد دوم صفحہ ۲۹۱ - السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۲۴۴

(۳۵) قلاؤون کے خارجہ سیاسی تعلقات کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ خاص اس سفارت کے مزید حالات کے لئے دیکھئے تشریف الایام والعصور بسیرۃ السلطان الملک المنصور (مخطوطہ کتب خانہ عام پارلیس کتاب عربی نمبر ۱۷۰۴، ورق ۱۲۲ ب تا ورق ۱۲۳ ب ۔

(۳۶) التعریف بالمصطلح الشریف صفحہ ۱۶۲ (مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ)

(۳۷) اس کی تائید میں دیکھئے نفح الطیب مؤلفہ مقری جلد دوم صفحہ ۵۸۱

(۳۸) التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدنیۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلیۃ" مطبوعہ شہر رباط وغیرہ دو جلدیں جلد دوم کا نام نظام الحکومت النبویہ رکھا ہے

(۳۹) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۰ - ۱۶۱

(۴۰) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۱

(۴۱) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۲

(۴۲) الکواکب الدراری مؤلفہ الکرمانی - نبراس مؤلفہ ابرہان الحلبی -

Marfat.com

حاشیۃ الصحیح مؤلفہ ابن غازی۔ تنیف المسامع مؤلفہ ابو زید الفاسی۔
سمط اللآل مؤلفہ شیخ قاسم التونسی۔ روض القرطاس مؤلفہ ابن ابی زرع
حواشی العارف الفاسی علی الصحیح وغیرہ۔
ابن ابی زرع کی کتاب کے صفحہ ۲۰۸ میں البتہ لکھا ہے کہ ۶۰۶ھ میں ملک الناصر لدین اللہ محمد بن یعقوب المنصور الموحدی کا سے جب اسپین پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو شاہ الفونسو (اذفونش) نے خود حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ بنام ہرقل ملک الناصر کے ملاحظے میں پیش کیا اور اس کی وساطت سے رحم کی درخواست کی۔

(۴۳) صبح الاعشی مؤلفہ قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۷۷۔ الوعبید صفحہ ۲۰۔
التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی صفحہ ۲۶۷۔ السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۲۹۵۔ روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔
۴۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد سوم صفحہ ۴۴۲
۴۵۔ التعریف بالمصطلح الشریف مؤلفہ ابن فضل اللہ صفحہ ۶۱۔

Marfat.com

عربوں کے تعلقات بیزنطینی سلطنت سے

زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں

جزیرہ نمائے عرب تین براعظموں کے بیچ میں واقع ہوا ہے۔ اسی لئے قدیم زمانہ سے اس کو بین الممالک اہمیت حاصل رہی ہے۔ جب تک راس اُمید کی راہ ہندوستان اور یورپ میں راست تعلقات نہیں قائم ہوگئے مشرق کا تجارتی مال بڑی مدت تک عرب ہی کی راہ مغرب کو پہنچتا تھا اور عرب خود بھی تجارت کے سلسلے میں دور دور تک نکل جاتے تھے۔

ایک طرف اس تجارتی کاروبار نے عربوں کو مصر و شام اور چین و ہند تک پہنچایا تو دوسری طرف ان کے بے آب و گیاہ مرزبوم کی غیر مہمان نوازی انھیں قدیم سے ترکِ وطن پر مجبور کرتی رہی ہے ایک طرف تبیلطی نے عراق و ایران میں تنازی بن کر چینیوں سے پورے عربوں کے لئے

ﻟﻪ Heyd, Histoire du commerce du Levant, vol I, P. 25.

Heffening, Das islamische Fremdenrechts, sec 47, p 101

رسالہ دیدۂ آصفی حیدرآباد دکن ۱۳۴۲ھ رجب شعبان تجارت العرب قبل الاسلام از حکیم شمس اللہ قادری۔ ارض القرآن مؤلفہ سلیمان ندوی اور عربی جہاز رانی مؤلفہ ایضاً کے متعلقہ ابواب بھی دیکھیے۔ نیز تمدن عرب مؤلفہ لیبان دلوبون (Le Bon)

Marfat.com

"تاشی" (Tashi) کا لقب حاصل کیا[1] تو دوسری طرف سنہ عیسوی کی ابتدا میں جب سینٹ پاول کا دمشق سے گزر ہوا تو اسے وہاں ایک عرب بادشاہ حارث نامی سے سابقہ پڑا۔[2] عربوں کی نوآبادیاں حلب جیسے شمالی مقام تک پہنچ گئی سلطنتیں قائم کر چکی تھیں۔[3] جب بزنطینی رومیوں کو عروج اور فروغ حاصل ہوا تو ان میں سے اکثر حکومتیں مٹ کر ناپید ہو گئیں یا بزنطینیوں کی ماتحت اور باجگزار بن گئیں۔ بزنطینیوں اور ایرانیوں میں باہم نسل با نسل سے [illegible] عرب ان دونوں کے مستقل اور موروثی دشمن تھے اور عراق اور شام کے سرحدی علاقوں پر ہمیشہ حملے کرتے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی روک تھام کے لیے دونوں نے عربوں سے ہی کام لیا۔ اور ان کی حاجز مملکتیں یعنی (Buffer-State) عربی سرحد پر قائم کر دیں۔ ایرانیوں نے حیرہ (یعنی کوفہ) کی ایک عربی ریاست سے اپنی وفاداری [illegible] کیا

---

[1] Bretschneider, Knoweldge possessed by the Ancient Chinese of the Arabs p.

[2] یہ لفظ تاریخ بعد میں لقب بن گیا اور اس سے مراد بزنطینی سلطنت کا بادشاہ لیا جانے لگا۔ دیکھیے [illegible], L'Arabie p 36 note

[3] انجیل II Co. XI, 32

[4] Encyclopaedia of Islam s v Sham

[5] التنبیہ والاشراف مولفہ مسعودی صفحہ (۱۸۹)

نیز Noldeke, La Perse ancienne p 160 note

Marfat.com

بیزنطینیوں نے دمشق میں ایک ایسی ہی ریاست قائم کی۔ ایرانی اور بیزنطینی جنگوں میں حیرہ اور دمشق کے عرب اپنے اپنے حامیوں کا ساتھ دیتے اور ان کے جھنڈوں کے نیچے بہادر کشی میں اور افزوں حصہ لیا کرتے تھے۔

دمشق میں ابتداءً قبیلہ ضُجعم برسراقتدار تھا مگر جب یمن کے سدِ مارب کے ٹوٹنے سے ہزاروں اہل قبائل بے خانماں اور بیروزگار ہو کر ترک وطن پر مجبور ہوئے تو قبیلہ غسان بھی گھومتا گھامتا یمن سے شام آ پہنچا۔ یہاں کے لہلہاتے مرغزار جن کو دیکھ کر جنّات تجری من تحتہا الانہار کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہو انھیں اس قدر پسند آئے کہ وہاں رہنے کی اجازت کے لئے ہر قیمت کے اس کے دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ضجعمی ریاست نے بیزنطینی سلطنت کی جانب سے ان پر فی کس سالانہ حسب حیثیت ایک ڈیڑھ یا دو دینار مقرر کئے۔ غسانی کچھ دن تو یہ محصول ادا کرتے رہے پھر اس سے انکار کر دیا اور مقابلے پر اتر آئے۔ آخر ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں قبیلہ ضجعم بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ روم شہنشاہ دیقیوس[1] Decius (وفات ۲۵۱ء) نے اس صورت حال کو دیکھا

---

[1] جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا گیا ہے یہ مؤرخ محمد بن حبیب کا بیان ہے اس کو بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے اور سدِ مارب کے ٹوٹنے کی تاریخ کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اب تک محققین کا خیال یہ تھا (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحت عنوان غسان و مارب) کہ یہ واقعہ شہنشاہ انسطاس کے زمانے میں ہوا جس کا ۵۱۸ء میں انتقال ہوا۔ مگر محمد بن حبیب کے مطابق سدِ مارب کا ٹوٹنا چھٹی صدی عیسوی میں نہیں بلکہ تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے۔

Marfat.com

تو راضی برضا ہو گیا اور غسانی سردار کو کہلا بھیجا کہ تم بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو کہ عربوں کے بہادر ترین اور تعداد میں بھی کثیر ترین قبیلے کو یوں آسانی سے نیست و نابود کر دیا۔ بہتر ہو کہ ہم آپس میں دوست رہیں۔ میں تمھیں منجمیوں کی جگہ مقرر کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو چالیس ہزار مسلح رومیوں سے تمھاری مدد کروں گا۔ اور اگر ہم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو ہمیں بیس ہزار مسلح مقاتلوں (Combatant) سے مدد دو۔ نیز ہمارے اور ایرانی تعلقات میں کبھی دخل نہ دو۔ غسانی سردار ثعلبہ نے اسے منظور کر لیا تو شہنشاہ دیقیوس نے اسے ایک تاج شہریاری سے سرفراز کیا۔[1]

غسانیوں نے ہمیشہ عربی وفاداری کی لاج رکھی اور کڑے سے کڑے وقت میں بھی اپنے حامی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ رفتہ رفتہ ان کے اثر سے خود عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا[2]

بیزنطینی اثرات رفتہ رفتہ پھیلتے ہی گئے اور شام سے گزر کر فلسطین اور پھر خود شمالی عرب تک حاوی ہو گئے۔ معان، أذرح، جرباء، آیلہ، مقنا، دومۃ الجندل وغیرہ مقامات کے علاوہ قبائل کلب، تغلب، لخم، جذام، قین، بلی، بہراء، قضاعہ

---

[1] یہ پورا بیان محمد بن حبیب کی کتاب المحبر سے لیا گیا ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے چھپی ہے دیکھئے ورق (ص ۳۷۰) و ما بعد نیز دیکھئے میرا جرمن مضمون ZDMG جلد ۹۲ (۱۹۳۸ء) میں۔

[2] Encyclopaedia of Islam, s. v. Ghassan

وغیرہ پر بھی یہی اثرات کارفرما تھے اور ان قبائل کو اکثر حالات جنگ میں ہم بیزنطینی جھنڈے کے نیچے جمع دیکھتے ہیں۔[۱] ان قبائل کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ مقرر تھا اور یہ رقمی امداد ان کو قابو میں رکھنے کا بڑا ذریعہ تھی[۲] جیسا کہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر قیصر ہند کی حکومت کرتی رہی ہے۔

بیزنطینی سلطنت نے مصر اور اسکندریہ پر بھی تسلط جما لیا تھا۔ اور حبش یعنی ابی سینیا تک اس کے زیر نگیں آچکا تھا۔ حبش نے آخر یمن (جنوبی عرب) پر قبضہ کرکے ایک اہم تجارتی راہ پر قابو پالیا۔ مصر اور حبش سے عربوں کے تجارتی تعلقات مستقل اور قدیم تھے جیسا کہ آئندہ مزید تفصیل سے واضح ہوگا۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ قبیلہ قضاعہ قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ بنجم خانوادہ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا کے دادا قصی نے جو اسی قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے اہل قبیلہ اور حلیفوں کی مدد سے مغربی عرب کے سب سے اہم مرکز اور تجارتی راہوں کے ایک بڑے جنکشن یعنی شہر مکہ پر قبضہ کر لیا تھا۔[۳] مکے پر اس وقت جنوبی عرب کے ایک قبیلے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام طبع یورپ صفحہ (۷۹۲) حالات جنگ موتہ

[۲] De Goeje, Memoire sur la Conquete de la Syrie, 2nd ed., p. 29.

Nicephore Cpolitane De rebus mauritium gestis p 27.

[۳] ابن ہشام۔ طبری وغیرہ۔

Marfat.com

(خزاعہ) کا تسلط تھا۔ اگر ابن قتیبہ کے بیان[1] پر اعتماد کیا جائے تو قصی کو خود قیصر روم نے مدد دی تھی جس کے ذریعے مکے پر قبضہ حاصل ہوا۔

قصی نے مکے میں ایک شہری مملکت (city state) قائم کی جس میں علاوہ اور ضروریات مملکت کے ایک دار الندوہ بھی (جس کا لفظی ترجمہ ہوگا ہاؤس آف پارلیمنٹ) تعمیر کیا گیا۔ اس میں شہر کے وہ سب مرد مشورے کے وقت جمع ہوتے تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال کی ہو۔ خود قصی کے بیٹے البتہ عمر کی اس قید سے مستثنیٰ تھے۔[2] قصی کے بعد وہاں ایک طرح کی اعیانیت یا امراء کی حکومت (aristocracy) قائم ہوگئی جس میں عہدے موروثی ہوگئے مثلاً قومی معبد (کعبہ) کی تولیت، حج اور حاجیوں کا انتظام، سپہ سالاری، علمبرداری، سفارت و خطابت (یا ایک طرح سے وزارت خارجہ)، عشر یعنی محصول درآمد کی وصولی، رفادہ یعنی حجاج کی خدمت و ضیافت وغیرہ کے نام سے اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ۔[3] فینیقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی یہ شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی تھی۔ یہ تقابلی مطالعہ گو بہت دلچسپ ہے مگر ایک علیحدہ مضمون کا محتاج ہے۔

---

[1] کتاب المعارف - طبع یورپ صفحہ (۳۱۳)

[2] اخبار مکہ للازرقی صفحہ (۶۴ - ۶۵ - ۲۶۵)

[3] التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴ - سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۰ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۷ - طبقات ابن سعد جلد ا حصہ ا صفحہ ۳۹ - ۱ العقد الفرید لابن عبد ربہ جلد ا صفحہ ۱۲۴ جلد ۲ صفحہ ۴۵ - ۴۶ - ازرقی صفحہ ۶۴ - ۶۹ -

عبد مناف بن قصی کے چار بیٹے مشہور رہے۔ عبد شمس۔ ہاشم۔ نوفل اور المطلب۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نجاشی حبش سے ملا۔ دوسرا قیصر روم اور شاہ غسان سے۔ تیسرا کسرائے ایران سے اور چوتھا حمیر یعنی یمن کے بادشاہ سے ملاقی ہوا۔ اور اس بات کے پروانے حاصل کئے کہ وہ بے خوف و خطر، امن و حفاظت کے ساتھ ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے آیا جایا کریں گے۔[1] کہتے ہیں کہ قیصر روم نے نجاشی کے نام سفارشی خط دیا تھا۔ اسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں تجارت کے لئے آمد و رفت کا عام پروانہ عطا کیا۔[2]

اب مکے والے ہر سال "رحلۃ الشتاء" اور "رحلۃ الصیف" کے نام سے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام و مصر وغیرہ علاقوں میں آنے جانے لگے تھے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بزنطینی حکومت آزاد تجارت کی حامی تھی چونکہ شام پر بدوی قبائل کی غارت گریوں کا سلسلہ غیر منقطع چلا آرہا تھا اس لئے بزنطینی حکومت ہر صحرا نشین کو شبہے کی نظر سے دیکھنے میں شاید حق بجانب بھی تھی۔ عرب کاروانوں کیلئے چند منڈیاں مقرر تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے[4]

---

[1] یعقوبی جلد ا صفحہ ۲۸۰ نیز لسان العرب "ایلاف" نیز سورۂ ایلاف کی تفسیر۔

[2] تاریخ طبری سلسلہ اول صفحہ ۱۰۸۹
Lammens La Mecque P. 128, etc

[3] ابن سعد جلد ا حصہ ا صفحہ ۴۳، ۴۵۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ لایلاف قریش میں اسی کی جانب اشارہ ہے اور ایلاف کے معنی بھی یہی ہیں یعنی امن نامے حاصل کرنا۔

[4] Lammens, La Mecque a la veille de l Hegire
p. 129 S0 d'apres Gutesback

Marfat.com

اسی طرح انھیں ہتھیار اور سونا اور اسی قسم کی بعض چیزوں کے برآمد کرنے کی قطعی ممانعت تھی۔ اور سرحد پر ان کی بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ ان کا اسباب کھولا جاتا تھا۔[1] اور کوئی دقیقہ نگرانی کا فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا مزید براں ان سے متعدد ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ عربوں کو مجبوری تھی۔ یمامہ[2] [illegible] دیگر خود عربی علاقوں کے غلوں کی پیداوار ضروریات کے لئے ناکافی ہوتی تھی اور ہر دور عرب شام سے غلے اور دیگر ایحتاج کے خریدنے کے لئے ہر قسم کی پابندیاں اور شرطیں گوارا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مصر پر قبضے کے بعد سے رومیوں نے بحر احمر میں سمندری حمل ونقل شروع کر دی تھی جس کے باعث بین الممالک کاروانوں کا مغربی عرب سے گذرنا کم ہو گیا تھا اور وادی غیر ذی زرع مکہ والے اس سبب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو عبد مناف کے چاروں بیٹے انھیں حالات سے مجبور ہو کر باہر نکلے ہوں اور اپنے ہاں کی تمام پیداوار (جس میں جانوروں کے پوست سب سے اہم تھے) باہر کی منڈیوں میں نکالنے کی جانب متوجہ ہوئے ہوں۔[3]

یمن میں نجران ایک زرخیز علاقہ ہے۔ اسلام کے تقریباً سو سال پہلے

---

[1] حوالہ بالا۔

[2] تاریخ طبری صفحہ ۱۹۱۹

[3] [illegible] ابن ہشام وغیرہ میں قریش کی سفارت نجاشی کا ذکر دیکھیے۔ [illegible] جو [illegible] ضرب المثل ہے۔ [illegible]

یہ خطہ بڑی حد تک عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے جب یہودیت اختیار کی تو تبلیغی غلو کے باعث یا دیگر نامعلوم وجوہ کے تحت نجرانیوں کو عیسائیت کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے نہ ماننے پر زندہ آگ میں جھونک کر بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا[1] نیز حیرہ کے حاکم کو بھی دوستانہ ترغیب دلائی کہ اپنے ملک میں بھی عیسائیوں کا قتل عام کرے۔ چند بے کس کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح قسطنطنیہ پہنچے اور قیصر سے فریاد کی۔ قیصر نے نجاشی حبش

. . . . ، کو جو عیسائی بھی

تھا اور قیصر کے زیر اثر بھی، مدد کی جانب توجہ دلائی اور حمل و نقل کے لئے بہت سی کشتیاں بھی مہیا کیں[2] خود حبش میں سات سو کشتیاں تیار ہوئیں اور حبشی بندرگاہوں میں آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی کئی سو کشتیاں بھی ضبط کر لی گئیں[3] ان میں حبشی فوج سوار ہو کر یمن پر حملہ آور ہوئی۔ معرکہ آرائیوں کے بعد ذونواس مارا گیا اور حبشیوں نے یمن پر پوری طرح تسلط حاصل کر کے آبنائے باب المندب کے اہم تجارتی راستے پر اپنا اثر قائم کر لیا۔ اور رومیوں کو ہندوستان تک پہنچنے اور ریشم وغیرہ خریدنے کے لئے ایرانی سرزمین سے گزرنے

---

[1] کہتے ہیں کہ آیت اصحاب الاخدود (النار ذات الوقود) میں اسی کا ذکر ہے

[2] بحوالہ مصادر سریانی وغیرہ ! Desverger L Arabie, p, 83, n 1.

[3] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲۔ طبری صفحہ ۹۲۶۔ ابن سعد۔ صفحہ ۵۵ تا ۵۶۔

[4] طبری صفحہ ۹۲۶

[5] Desverger, L'Arabie p, 70

کی حاجت نہیں رہی۔[۵۱] اب یمن کا تعلق اسکندریہ کے لبطریک سے ہوگیا اور اس نے گرسے جن تیوس نامی ایک اطالوی پادری کو وہاں بھیجا جس نے ملک میں ۲۳ دفعات کا ایک قانون بھی مرتب کرکے نئے بادشاہ کے نام سے شائع اور نافذ کیا۔[۵۲] (اس کا ایک مخطوطہ ابھی ویانا کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے) یمن نے اگرچہ جلد مستقل اور خود مختار ہوکر حبش کی ماتحتی سے آزادی حاصل کرلی مگر بیزنطینی حکومت سے اس کے خاص مراسم رہے۔

۵۷۰ء میں پیغمبر اسلام کی شہر مکہ میں ولادت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی ذات کے باعث تاریخ عالم کے متعلق بہت سے سابقہ پیش اندازے بعد کو غلط ثابت ہوگئے۔ لیکن آپ کے حالات زندگی کو آپ کی یتیمی کے باعث نبوت سے پہلے بہت کم کسی نے یاد رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔ اتنا سیرت کی کتابوں سے ضرور پتہ چلتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ ایک کارواں کی معیت میں بصریٰ تک گئے جو شمالی فلسطین سے ہے۔ پھر پچیس سال کی عمر میں خود بھی مال تجارت لے کر وہاں گئے۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کم از کم دو مرتبہ یمن[۵۳] اور ایک مرتبہ بحرین وعمان

---

[۵۱] Desvargar, L Arabe, p. 70

[۵۲] ایضاً صفحہ ۶۷

[۵۳] ان تمام مشہور واقعات کو ابن ہشام، طبری، ابن سعد وغیرہ میں ورنہ شبلی کی سیرۃ النبی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے ان سے غیر ضروری سمجھ کر ترک کردئے ہیں

[۵۴] شبلی جلد اول حالات قبل نبوت [۵۵] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۰۶

Marfat.com

بھی ضرور تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ خط صحیح ہے[۱] جو اپنے مندرجات کے مطابق آں حضرت نے اپنے چچا زاد بھائی کو ترک وطن کر کے حبش جاتے وقت بطور تعارف دیا تھا اور جس میں نجاشی سے نہایت واقفانہ اور بے تکلفانہ انداز میں ان تارکین وطن کی مہمان نوازی کی خواہش کی گئی تھی، تو شاید یہ گمان بے جا نہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی سے پہلے ہی سے تعارف رکھتے تھے۔ ممکن ہے کسی تجارتی سفر کے سلسلے میں آپ فلسطین سے خشکی کی راہ مصر اور وہاں سے حبش تشریف لے گئے ہوں۔ عمرو بن العاص[۲] وغیرہ متعدد مکی تاجروں کا بیان ہے کہ نجاشی سے ان کی شخصی ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔ ممکن ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قبل نبوت ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور آپ بحری راہ سے یمن ہو کر مکہ واپس ہوئے ہوں۔ احادیث میں آں حضرت کی زبان سے گفتگو میں بعض حبشی الفاظ کا مروی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مگر قدیم سیرت نگاروں کی خاموشی اس بارے میں اس سے زیادہ اظہار بیان کی اجازت نہیں دیتی۔

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۹ - صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۳۷۹ - ابن القیم زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۶۰ - اس خط کو مؤرخ ۶ھ کے اوائل سے متعلق کرتے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس وقت ان مہاجرین کو حبش آئے ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے اور وہ اب مدینہ پہنچ جانے کو تیار اور منتظر بیٹھے تھے۔ نیز وقت خط کی یہ عبارت میں اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ہمراہ تیرے پاس بھیج رہا ہوں جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمانداری کر [illegible] نہیں۔ دیکھو تاریخ طبری [illegible] - ابن ہشام [illegible] وغیرہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بیزنطینی علاقے میں عرب تاجروں سے بڑی سختی کا سلوک ہوتا تھا۔ اور خاص کر چنگی کے افسر بڑی تکلیف دیتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو اس کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ذاتی تجربہ رہا ہو۔ احادیث میں عشار اور ماکس (عشر اور مکس وصول کرنے والے افسروں) کے متعلق جو بڑی سخت وعید آئی ہے [1] اس سے بھی مراد غالباً یہ اور ایسے ہی لوگ ہوں گے۔ گو آپ رومیوں کو بہر حال ایرانیوں پر ترجیح دیتے تھے (جیسا کہ سورۂ روم کی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے)

لیکن آنحضرت کے جو جذبات ایرانیوں اور بیزنطینیوں کے متعلق تھے وہ ہجرت سے بھی پہلے واضح ہو چکے تھے۔ چنانچہ ابن ہشام [2] کی روایت ہے کہ ہجرت سے چار پانچ سال قبل جب ہم وطنوں نے مصالحت اور یکسوئی کی ابو طالب کے توسط سے جب آخری کوشش کی تو آپ نے انہیں فرمایا تھا کہ مجھے مدد دو تو قیصر و کسریٰ کی بستیوں کے تمہارے زیر نگیں آنے میں کچھ دیر نہیں درکار ہو گی۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ کی شہری مملکت اپنے دامن کو پھیلانے لگی تو اس کو بیرونی سیاست کے لئے کام کرنے کا موقع ملا۔ مدینے کی روزانہ خبروں

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحدود، باب [illegible] لقد تابت توبۃ لو تابہا صاحب مکس لغفر لہ۔ اس باب میں بہ کثرت دیگر حدیثیں [illegible] ملاحظہ ہوں، نیز کتاب الاموال مؤلفہ ابو عبید (متوفی ۲۲۴ھ) نمبر ۱۶۲۴ تا ۱۶۲۷ بھی [illegible]

[2] سیرۃ رسول اللہ صفحہ [illegible] ۔

رسد کو پورا کرنے کے لئے نبطی تاجر سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے [۱] جب دومۃ الجندل کے (جو حجاز سے شام اور عراق جانے کے راستوں کے ملنے کی جگہ واقع ہے [۲] اور خود بھی ایک بڑے میلے کا مقام رہا ہے [۳]) حاکم اکیدر نے جو قیصر روم کے زیر اثر تھا، ان کاروانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کئے اور ان کو ستانے کا آغاز کیا [۴] تو ۵ھ میں رسول کریم نے اس علاقے کا رخ کیا گو ابن سعد (بحوالہ واقدی) کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی آمد پر اکیدر بھاگ گیا اور شہر خالی کر گیا لیکن ابن ہشام [۵] (بحوالہ ابن اسحاق) کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ راستے میں چند قبائل ملے جو اسلامی فوج سے ڈر کر منتشر ہو گئے، لیکن رسول کریم دومۃ الجندل نہیں پہنچے بلکہ اثنائے راہ ہی سے مدینہ واپس ہو گئے۔ رسول کریم کا اس مہم کو ادھوری چھوڑ کر علاحدہ نہ مدینہ واپس ہونا غالباً اس وجہ سے ہو گا کہ آپؐ کو قریش، غطفان اور مدینے کے یہودی قبائل وغیرہ کی سازش کی اطلاع ملی ہو گی کہ آپؐ کے غیاب سے فائدہ

[۱] کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۵۷۰؛ المواہب اللدنیۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ نبطیوں کا مسکن بھی اس میں معاون تھی کیونکہ وہ عرب کے شمال میں عراق سے فلسطین تک پھیلے ہوئے تھے۔

[۲] صبح الاعشی جلد ۴ صفحہ ۳۲۴؛ ہلکیس ہسٹری آف بائبل باب ۴ فصل ۲ نقرہ ۴ (بحوالہ شمس اللہ قادری دبدبہ آصفی بابت شعبان ۱۳۲۲ھ)

[۳] کتاب الازمنہ والامکنہ للمرزوقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

[۴] التنبیہ المسعودی صفحہ ۲۴۸ [۵] طبقات ابن سعد ۲-۱ صفحہ ۴۴ [۶] صفحہ ۶۶۸

Marfat.com

اٹھا کر مدینے پر حملہ بول دیں۔ چنانچہ آں حضرت کی مدینے میں واپسی کے چند ہی ہفتوں بعد خندق کی جنگ ہوئی جس میں مدینے کا بہت دن تک محاصرہ رہا۔

دومۃ الجندل کی اہمیت اور اس علاقے کی مؤثر نگرانی کے لئے ایک زیادہ مفصل کارروائی کی ضرورت تھی۔ دومۃ الجندل کے اطراف بہت سے خانہ بدوش قبائل بستے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توڑ لینا چاہا۔ چنانچہ مذکورہ مہم کے ایک ہی سال بعد ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک فوج دے کر روانہ کیا گیا کہ قبیلہ کلب کے سردار الاصبغ سے دوستی کی بنیاد ڈالیں۔ وہ مسلمان ہوگیا اور اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمٰن کو بیاہ دی[۵۱]۔ اس طرح اکیدر کو حلیفوں سے بچھڑا دینے اور گھیر لینے کی کارروائی شروع ہوگئی۔ الاصبغ کے علاوہ بعض دیگر کلبی سردار بھی اسلام لائے[۵۲] اس اس سے بھی مسلمانوں نے اپنی جگہ مضبوط کی ہوگی۔ غرض جب ۹ھ میں تبوک کے پڑاؤ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو سواروں کا ایک دستہ حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں دومۃ الجندل روانہ کیا تو اکیدر گرفتار ہوکر آں حضرت کے سامنے لایا گیا۔ اسلحہ اور قلعے کی ضبطی سے آں حضرت نے اس علاقے کو ہتا کر دیا اور اکیدر کے معاہدے اور دومۃ الجندل کی تجیر مقبوضہ

[۵۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۹۱ تا ۹۲ - الاصابہ لابن حجر حالات الاصبغ

[۵۲] الاصابہ لابن حجر نمبر ۱۵۲۰ - رسالت نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خان نمبر ۷ - طبقات ابن سعد ۱/۲ صفحہ ۲۴ - ۶۹ - الاستیعاب لابن عبدالبر نمبر ۳۹۲ - عقد الفرید جلد ا صفحہ ۱۳۴ تا ۳۵ -

Marfat.com

آراضی کی جو الگی پر یہ کشمکش اختتام کو پہنچی۔ ابن سعد[۱] نے لکھا ہے کہ اس معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن سے مہر لگائی (ختمہ بظفرہ) یہ ایک بہت قدیم سامی طریقہ تھا چنانچہ حال میں چند پرانی بابلی اصل دستاویزیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کے آخر میں ایک جملہ ہے "اور بہ طور توثیق اس پر اپنے ناخن کا نشان کیا" اس کے بعد نیچے بجائے دستخط کے ایک ہلال کی وضع کی لکیر نظر آتی ہے[۲] جو ناخن کی مہر تھی۔

مگر اس اثنا میں قیصر روم اور مدینے کے تعلقات کی کشیدگی۔ جنگ پر منتج ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۶ھ کے اختتام پر جب مکے سے صلح ہو گئی اور ادھر سے یکسوئی ہو گئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ہمسایہ حکمرانوں کو تبلیغی خط بھیجے۔ ان میں سے ایک ہرقل عظیم الروم[۳] کے نام تھا۔ جب قیصر سے کوئی آس نہ رہی تو آں حضرت نے قیصر کے باجگذار عیسائیوں اور صوبہ

لے یہ معاہدہ کوئی بارہ کتابوں میں ملتا ہے۔ سب سے بہتر متن المواہب اللدنیۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵ میں ہے۔ گو ابو عبید بلاذری ابن سعد قدامہ بن جعفر وغیرہ نے بھی اس متن کو محفوظ کیا ہے۔

[۱] جلد ۲ - ا صفحہ ۱۲۰

[۲]

[۳] ابن ہشام۔ طبری وغیرہ ۔ خاص اس خط پر میرا تحقیقی مقالہ رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت جولائی ۱۹۳۹ء میں چھپا ہے۔ جو اگلی اس سے پہلے کے باب میں درج ہوا۔

داروں سے براہ راست تخاطب فرمایا، آن میں سے ایک سفیر بصریٰ کے حاکم کے پاس گیا مگر اس کو موتہ کے مقام کے قریب غالباً جاسوس سمجھ کر یا یہ خیال کر کے کہ وہ غداری کی سازش میں کام کر رہا ہے، قبیلہ غسان کے ایک سردار شرحبیل بن عمرو نے قتل کر دیا۔[۵۲] سفیر کا قتل بین الممالک رسم و رواج کی شرمناک خلاف ورزی تھی۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں ایک فوج روانہ کی جس میں زید بن حارثہ، جعفر طیار اور خالد بن الولید جیسے افسر شامل تھے۔ یہ لڑائی ایک مقامی حادثہ ہو کر رہ جاتی اگر قیصر اپنے ماتحت اور زیر حمایت قبیلہ غسان کی حفاظت کے لئے فوجیں نہ بھیجتا۔ اور بہت سے عرب سرحدی قبائل کو بھی ہموار نہ کر لیتا۔[۵۳] اس نئی صورت حال کے لیے مسلمان فوج تیار نہ تھی مگر اس نے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ اور گو وہ خالد بن الولید کی کوشش اور موقع شناسی سے زندہ سلامت واپس آ گئی مگر بہت سے افسروں کو کھونے کے بعد۔[۵۴]

جب یہ فوج پسپا ہو کر واپس آئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے فوراً حضرت عمرو بن العاص کو بھیجا کہ عرب کے شمال میں قبیلہ قضاعہ کو جس سے عمرو بن العاص کی رشتہ داری بھی تھی، بیزنطینیوں سے توڑ کر مسلمانوں کا حلیف بنالیں[۵۵] مگر بظاہر اس کوشش

[۵۱] مثلاً غسانی سرداروں، معادن کے حاکم، دلریوں اور لخمیوں کو خطوط لکھے گئے یا ان سے معاہدے ہوئے (دیکھئے میری فرانسیسی کتاب Documents II. No25 52
[۵۲] ابن سعد ۲ - ۱ صفحہ ۹۲ -
[۵۳] ابن ہشام صفحہ ۷۹۲، [۵۴] ایضاً ۷۹۱ و ما بعد
[۵۴] تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے لکھا کہ موتہ کے سلسلے میں ایک بحری مہم الیہ بھیجی گئی۔
[۵۵] ابن ہشام صفحہ ۹۸۴ تا ۸۵ - طبری صفحہ ۱۶۰۴ -

Marfat.com

میں کامیابی نہیں ہوئی اس پر بڑے سازوسامان سے جن میں بحرین و عمان کی فتوحات کے باعث وہاں کی آمدنی سے بڑی مدد ملی، دوسرے سال ۹ھ میں خود آنحضرت تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ روانہ ہوئے اور تبوک میں آخری پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے قیصر ہرقل کے نام ایک نامہ بھیجا گیا کہ یا تو اسلام لائے یا جزیہ دے کر سیاسی ماتحتی قبول کرے ورنہ کم از کم اس میں آڑے نہ آئے کہ اس کی رعایا ایسا کرے۔ اگر کچھ بھی منظور نہ ہو تو جنگ ہوگی۔ قیصر کا جواب جو یعقوبی نے محفوظ کیا ہے اور جس میں قیصر کے اسلام کا اعلان ہے، صریحاً فرضی معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعد کے واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ علاوہ بر آں قیصر کا خط بیزنطینی اسلوب میں ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ جواب خالص عربی بلکہ بدوی انداز میں ہے قیصر نے جو بھی جواب دیا ہو، بہرحال اسلامی فوجوں نے جرباء، اذرح، ایلہ، مقنا، اور دومۃ الجندل کو مطیع کر لیا تو قیصر نے کوئی حرکت نہ کی۔ غرض تبوک سے مختلف دستے آس پاس کے اہم شہروں پر روانہ کئے گئے خالد بن الولید نے دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کیا اور جب اس نے آں حضرت کی اطاعت قبول کی تو اس کو گدی پر بحال کیا گیا۔ دومۃ الجندل کے آس پاس رہنے والے بعض قبائل سے بھی معاہدات اطاعت لئے گئے جو غالباً اس سے کچھ دنوں بعد کے ہیں

---

۱ ابن سعد ۱ صفحہ ۲۸ - ۲ متن خط کے لئے دیکھئے کتاب الاموال فقرہ ۵۵ نیز صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۳۷۷ ۳ جلد ۲ صفحہ ۸۲ منشات السلاطین مؤلفہ احمد فریدون بیک جلد ۱ ص ۳۰ ۴ بلاذری صفحہ ۶۱ ابن سعد ۲ - ۲ صفحہ ۳۶ روض الانف سہیلی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۰ وغیرہ - ۵ جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا -

Marfat.com

ایک دوسرا فوجی دستہ ایلہ (حال عقبہ) کے اہم تجارتی مرکز کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تحریری پیام لے کر گیا۔[۵۱] یہاں کے حاکم یُحنّہ بن رُوبہ نے جو مقامی پادری بھی تھا مناسب یہ خیال کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ معاملت کرے۔ چنانچہ ایک معاہدہ لکھا گیا[۵۲] جس میں ایلہ نے اسلامی مملکت کی باجگذاری دیگر تمام ممالک سے آزادی و بے تعلقی منظور کی۔ وہاں کے لیے چند اصول عدل گستری بھی معاہدے میں لکھے گئے۔ اور یہ امر طے کیا گیا کہ بندرگاہ ایلہ میں جو تجارتی جہاز یا کارواں آئیں (خواہ وہ شامیوں ہی کے کیوں نہ ہوں، جن سے اسلامی مملکت اس وقت حالت حرب میں تھی) امن میں رہیں گے۔ اور ایلہ والے اسلامی سرزمین میں آزادانہ تجارت کے لئے آسکیں گے نیز دیگر ممالک سے بھی تجارت کرسکیں گے۔ (خواہ وہ ممالک اسلامی مملکت سے برسرپیکار ہی کیوں نہ ہوں)۔

غالباً جرجا، اوراذرح کے گاؤں کو بھی (جو معان کے قریب فلسطین میں جبل سراۃ کے جنوب میں ایک دوسرے سے چند گھنٹوں کے فاصلہ پر واقع تھے)[۵۳] کوئی فوجی دستہ بھیجا گیا تھا کیونکہ یہاں کے بھی وفور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبوک میں آکر ملے اور جزیے کے ادائی کے وعدے کے ساتھ معاہدۂ اطاعت کیا۔[۵۴]

---

۵۱ ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۲۸ تا ۲۹- ابن حدیدہ (الصباح المضی، مخطوطہ)

۵۲ ابن ہشام صفحہ ۲-۹- ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۳۷- فارسی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق (مخطوطہ پیرس) ۱۹۹ و مابعد۔

۵۳ دیکھئے معجم البلدان مؤلفہ یاقوت میں یہ نام۔

۵۴ ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۳۷- مواہب جلد ۲ صفحہ ۲۹-

یہ بہت چھوٹے گاؤں تھے جن کی آبادی بہ مشکل سو سوا سو نفوس پر مشتمل تھی جیساکہ ملبے کے جزیے کی مقدار سے واضح ہوتا ہے۔

اس مہم کے دوران میں بندرگاہ مقنا کے باشندے بھی مطیع ہوگئے۔ ان کے معاہدے کے سلسلے میں بہت سے مسائل تحقیق طلب رہتے ہیں۔ یہاں میں اپنی تحقیقات کے نتائج کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مقنا پر جو ایلہ کے قریب تھا، ایلہ کے حاکم نے قبضہ کرلیا تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو ان کے کسی خونی جرم کی پاداش میں ملک بدر کردیا تھا[1]۔ تبوک میں یہ لوگ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوروں سے پہلے ملے اور معاہدۂ اطاعت کیا اور استدعا کی کہ انھیں ان کے ملک میں دوبارہ بسایا جائے۔ اس استنباط کا باعث ایک فقرہ ہے جو ایلہ کے حاکم کے نام ابتداءً بھیجے ہوئے خط کے آخر میں درج ہے کہ اہل مقنا کو سامان دے کر ان کے وطن بھیجو۔ نیز خود معاہدۂ مقنا کے شروع میں بھی اس خواہش کی تکمیل کا ذکر ہے۔

معاہدۂ مقنا کا متن ہمیں تین جگہ ملتا ہے۔ طبقات ابن سعد[2] فتوح بلاذری[3] اور کنیزۂ مصر کی ایک قلمی کتاب[4]۔ یہاں ان کے فرق اور ان کے مندرجات پر کچھ روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

---

[1] دیکھیے معاہدۂ مقنا جس کا حوالہ آگے آتا ہے)

[2] جلد ۱۔۲ صفحہ ۲۸۔ [3] صفحہ ۶۰۔

[4]

سلسلۂ اول جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۰ تا ۱۹۷ میں اصل کتاب کے فوٹو ہیں۔

نیز دیکھیے۔

کسی کتاب یا تاریخ میں یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ مقنا والوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوجی مقابلہ کیا ہو اس کے باوجود ان کے معاہدے کی ایک شرط جو ابن سعد اور بلاذری دونوں کے متن میں ہے) ایسی ہے جو صرف بزور مطیع بنائے ہوئے قبائل پر عہد نبوی میں عائد کی جاتی تھی یعنی جملہ ہتھیاروں، مثلاً گھوڑوں تا جانوروں اور پہننے کے کپڑوں کی حوالگی مہم تبوک میں جملہ مفتوح علاقوں سے جزیہ طلب کیا گیا تھا لیکن مقنا والوں کو جزیے سے معاف کر دیا گیا اور صرف ان کے کھجور کی پیداوار، مچھلی پکڑنے کی کشتیوں اور عورتوں کے کاتے ہوئے سوت کا پاؤ پاؤ حصہ اسلامی حکومت کے حوالے کرنے کا معاہدہ ہوا۔

اسی معاہدے میں مندرج ہے کہ اہل مقنا بیگاری (سخرہ) سے مستثنیٰ رہیں گے بشرطیکہ وہ مطیع اور فرماں بردار رہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عہد نبوی میں مسلمانوں میں بیگاری کا رواج تھا؟ اگر یہ کہا جائے کہ بیزنطینی حکومت میں بیگاری کا رواج تھا اور آں حضرت نے ان لوگوں کو آزاد کر دیا تھا تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ عہد نبوی میں اسلامی مملکت کا اقتدار شمالی عرب میں خلیج عقبہ تک جہاں مقنا واقع ہے مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا تھا۔

ابن سعد کی روایت میں آں حضرت نے وعدہ فرمایا ہے کہ مقنا والوں کے معززین کا آپ احترام فرمائیں گے اور ان کے مجرموں کو معاف کر دیں گے اور یہ کہ ان کا حاکم یا تو انہیں میں سے ہوگا یا اھل رسول اللہ[1] میں سے۔

---

[1] یہ محاورہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خطوط میں بھی ہے۔ مثلاً ابن ہشام صفحہ ۹۷ میں اس سے مراد حضرت معاذ بن جبل ہیں۔

بلاذری کا انتقال ابن سعد کے کچھ دنوں بعد ہوا۔ بلاذری کو ایک شخص نے جس نے مقناوالوں کے ہاں ان کا معاہدہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس معاہدے کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے لا دیا تھا۔ اس میں ابن سعد کے متن پر متعدد اضافے ملتے ہیں مثلاً ان کا حاکم یا تو ان میں سے ہوگا یا "اہل بیت رسول اللہ" میں سے ... جملہ بہائے ہوئے خون سے مقناوالوں کو بری کیا گیا ... مقنا کے مالک مقنا والے ہوں گے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ کوئی شخص ... وہ اپنے ہتھیار، غلام، جانور اور کپڑے مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے بجز اس کے جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کا کوئی فرستادہ مستثنیٰ کر دے ... وکتبہ علی بن ابو (کذا) طالب فی سنۃ ۹" تاریخیں بتاتی ہیں کہ حضرت علیؓ اس مہم میں شریک نہ تھے۔ مدینے ہی میں رہ گئے تھے۔ "اہل رسول اللہ" کو "اہل بیت رسول اللہ" بنا دینا اور آخر میں سنہ کا ذکر کرنا جبکہ سنہ کا رواج عام تاریخی بیانات کے مطابق ۱۶ھ سے پہلے مسلمانوں میں نہ تھا اور "علی بن ابوطالب" لکھنا جو نحوی حیثیت سے غلط ہے، قابل غور ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کریں اس معاہدے کی ایک تیسری روایت کا ذکر ضروری ہے۔ مصر کے گنیزے میں ایک عبرانی قلمی کتاب ملی جو اب کیمبرج میں ہے اس میں عربی عبارتوں کو عبرانی ... رسم الخط میں (TRANSCRIPTION) لکھ کر محفوظ کیا گیا ہے اس میں اس معاہدے کی بھی نقل ہے مگر اس کا متن ابن سعد اور بلاذری کے متن سے ڈھائی گنا زیادہ ہے۔ اس میں بہت سی زائد چیزیں ہیں جن میں سے اہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

معاہدہ نہ صرف اہل مقنا بلکہ اہل خیبر سے بھی متعلق ہے اور ان کی اولاد سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ... مراعات کی وجہ بھی معاہدے میں لکھی ہے کہ بی بی صفیہ (خیبر والی) سے آں حضرت نے نکاح فرمایا ہے۔ اہل مقنا و خیبر پر ہتھیارہ غلام اور دیگر سامان حوالے کرنے کی شرط نہیں۔ وہ سب انھیں کے رہیں گے ... یہ معاہدہ عہد نبوی کا ہے مگر پھر بھی اس میں لکھا ہے کہ ان یہودیوں کو رسم "جنگی ٹیکس" سے مستثنیٰ اور معاف کیا جاتا ہے .... نیز انھیں خاص قسم کے کپڑے پہننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ تسمہ کاٹے ہوئے چپل پہننے پر مجبور کیا جائے گا۔ ان کو اجازت ہوگی کہ اچھے کپڑے پہنیں۔ ہر قسم کے ہتھیار رکھیں اور گھوڑے پر سوار ہو سکیں .... اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے تو اس کی قانونی حیثیت وہی ہوگی جو کسی مسلمان قاتل کی ہوتی ... دیگر تمام ذمیوں سے یہ اہل معاہدہ زیادہ محترم سمجھے جائیں گے ... وہ اپنے جنازے شہر کی بڑی سڑکوں پر سے لے جا سکیں گے ... وہ مسجد ال[illegible] میں داخل ہو سکیں گے ... اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو وہ اہل بیت رسول اللہ میں (بطور مولیٰ ؟) داخل سمجھا جائیگا۔ اور اہل بیت کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے اس کے چوتھائی یعنی پچاس دینار کا مستحق ہوگا۔ اور یہ اسی وقت عطا ہوگا جب دوسرے قریشیوں کو .... تاریخ معاہدہ ۳ رمضان ۵ھ لکھی گئی ہے۔ حالانکہ ہم

تبوک و مقناہ ۹ھ میں ہوئی اور جنگ خیبر ۷ھ میں ۔ اور کاتب کا نام بلاذری ہی کی طرح علی بن ابو طالب لکھا گیا ہے گو جیسا کہ بیان کیا گیا، وہ تبوک کی مہم میں شریک نہ تھے ۔ آخر میں بطور گواہ تین ایسے صحابہ کا نام ہے جو اہل شیعہ کے نزدیک خاص احترام سے دیکھے جاتے ہیں یعنی عمار بن یاسر، سلمان فارسی مولیٰ رسول اللہ اور ابوذر غفاری ۔"

اگرچہ ہرش فیلڈ (Hirschfeld)[۵۱] اور لے شنسکی (Lessynsky)[۵۲] نے اپنی قابلیت اور علمیت سے انتہائی کام لے کر اس دستاویز کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ (یہ دونوں مولف یہودی ہیں) مگر اس میں قبل از وقت چیزوں کا اتنا عنصر (anachronism.) ہے کہ اس کا جعلی ہونا پہلی نظر ہی میں ظاہر ہے ۔ اس کے ثابت کرنے میں کسی تفصیل اوقات کی مطلق حاجت نہیں ۔ اور غالباً یہ وہی دستاویز ہے جس کے شائع ہونے کا یاقوت[۵۳] اور ابن القیم[۵۴] نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی صحت کو ماننے سے انکار کیا ہے ۔ ابن القیم نے تو بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور دس وجوہات سے غلط ثابت کیا ہے ۔

---

۵۱ Jewish Quarterly Review, XV. P 152 FF

۵۲ Die Juden in Arabien) P 107 FF
بحوالہ (M S O S) برلن مذکورہ بالا صفحہ ۵۵)

۵۳ معجم الادباء جلد ا صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۸ - ابن کثیر کا بھی اس پر ایک خصوصی رسالہ ہے ۔

۵۴ احکام اہل الذمہ (مخطوطہ بزم ادب حیدر آباد) ورق ۴ تا ۵ ۔

Marfat.com

اشپربر (Sperber) نے[1] تسلیم کیا ہے یہ دستاویز جعلی ہے دراصل میں بلاذری کی روایت پر حذف و اضافہ کرکے تیار کی گئی ہے مگر وہ ابن سعد کی روایت کو بہرحال صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن ان بے وقت جبروں اور غیر معمولی زیادتی کی کوئی وجہ نہیں بیان کرتا جن کی جانب ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

ہم اپنی رائے بیان کرنے سے پہلے اس اہم جملے کی طرف دوبارہ توجہ منعطف کرتے ہیں جن میں اہل مقنا کو اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے حوالے کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ شرط اصل میں ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت وہاں کے یہودیوں پر لگائی گئی تھی[2] اور اس جنگ میں حضرت علی بھی شریک تھے[3]۔ کوئی تعجب نہیں جو معاہدہ انہوں نے لکھا ہو۔ حضرت عمر کے زمانہ میں ان یہودیوں کو جنہیں حسب معاہدہ اسلامی حکومت جلاوطن کرنے کی مجاز تھی، شام میں جا بسنے کا حکم دیا گیا[4]۔ اسی بنا پر ہمارا گمان ہے کہ جب یہ خیبری شام و فلسطین پہنچے تو وہ اپنے ساتھ اپنا معاہدہ بھی لیتے گئے جو آں حضرت نے کیا تھا۔ اور مقامی یہودیوں کو جن میں اہل مقنا بھی شامل ہیں، اس کی اطلاع ملی۔ بعد میں ابن سعد اور بلاذری کے زمانے میں یا اس سے کچھ پہلے شیعی یا عباسی تحریک کے زمانے میں اہل مقنا

---

[1] برلن کے مذکورہ رسالے (MSOS) کا صفحہ ۷۶ تا ۸۵ ملاحظہ ہو

[2] بلاذری صفحہ ۲۳۔ کتاب الخراج قدامہ بن جعفر (مخطوطہ ...) باب خیبر

[3] حالات جنگ خیبر کسی کتاب سیرت میں دیکھئے۔

[4] ابن ہشام صفحہ ۸۰۰

نے اپنے اصلی اور اس خیبر کے معاہدے دونوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی دستاویز تیار کی جس میں حسب ضرورت دونوں اصلی معاہدوں کو جملے یا فقرے داخل کئے گئے اور کچھ نئی چیزیں داخل کی گئیں اور خیبر کے معاہدے کے کاتب کی حیثیت سے (یا یوں بھی وقتی اہمیت کے باعث) حضرت علی کا نام آخر میں بڑھا دیا اس کے بعد فاطمی عہد حکومت میں خاص کر الحاکم بامر اللہ کے زمانے میں جب غیر مسلم رعایا سے سخت برتاؤ ہونے لگا اور ان پر بہت ظالمانہ پابندیاں عائد کی گئیں تو مصر کے یہودیوں نے ایک تیسری دستاویز تیار کی جس میں ضروریات زمانہ کے مطابق بہت کچھ حذف و اضافہ و تبدیلی کی۔ اس دستاویز کی نقل کا مصر میں دستیاب ہونا، اس میں شیعی عنصر کا اتنی زیادہ مقدار میں پایا جانا اور فاطمیوں کا تعلق ــــ ان تمام امور سے ہمارے گمان کو مزید تقویت ہوتی ہے ــــ

غرض متعدد اہم مقاموں کو مطیع بنانے اور اسلامی اثر کا سکہ بٹھلانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی مہم سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ مگر مسلمانوں کو موتہ کی شکست کا ملال تھا۔ اس لئے دوسرے سال ہی جبکہ جزیرہ نمائے عرب کی اندرونی الجھنیں سلجھ چکی تھیں اور دیگر معاملات سے یکسوئی ہو کر پورا ملک مسخر ہو چکا تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایک اور خاصی بڑی فوج حضرت اسامہ بن زید کی سرداری (جن کے والد زید بن حارثہ موتہ میں سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے) تیار کی، ابھی یہ فوج مدینے

Marfat.com

سے روانہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کا دوسرے ہی دن انتخاب ہو گیا اور خلیفہ حضرت ابوبکر نے مجوزہ مہم کو روکنا پسند نہیں کیا چنانچہ حضرت اسامہ کی فوج آبل پر[۵۱]۔ جس کی جگہ بعض وقت ابنی بھی کہتے ہیں مگر جغرافیائی حیثیت سے غلط ہے۔ چھاپہ مار کر ستر دن میں واپس آگئی۔ بعض یوروپی مولفوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس فوج کی روانگی اصل میں اس لئے تھی کہ اس میں معززین انصار شریک تھے اور حضرت ابوبکر چاہتے تھے کہ انتخاب خلیفہ سے انصار میں ان کے نامزدے کی شکست کے باعث جو جوش پیدا ہوا تھا اسے ٹھنڈا کیا جائے۔ ممکن ہے یہ اتفاقی فائدہ بھی ہوا ہو لیکن اس فوج کی روانگی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کی تعمیل کا جذبہ بھی بہت کچھ کار فرما تھا حضرت ابوبکر اس کا جتنا خیال رکھتے تھے وہ اس واقعے سے بھی معلوم ہو گا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انھوں نے اعلان کیا کہ جس کسی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وعدہ کیا تھا وہ اب مجھ سے رجوع ہو[۵۲]۔ اسلامی مملکت کو چند مرتدوں، باغیوں اور مدعیان نبوت سے پریشانی

۵۱ یہ طبری کی روایت ہے۔ طبری میں عموماً نام صحیح ملتا ہے۔ مثلاً قسا طلوس کی جگہ قابن ct CAIN

۵۲ یہ عام روایت ہے

۵۳ کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۲۴۔

Marfat.com

رہی لیکن جب اس سے بے فکری ہوگئی تو حضرت ابوبکر نے قیصر روم کے پاس ایک مرتبہ اور سفارت بھیجی اور اسلام یا سیاسی اطاعت کی دعوت دی مورخ ذہبیؒ نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے اور اس میں بعض عجیب قصے بھی لکھے ہیں کہ قیصر کے پاس جملہ انبیاء کی تصویریں تھیں اور مسلمان سفیروں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کو فوراً پہچان لیا تھا۔ ارمنی مورخ سابیوس (Sabeos) نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں قیصر کے پاس ایک اسلامی سفارت آئی تھی۔ اس کے بیان کا ترجمہ ہیوبش مان (Hubashman) نے اپنی کتاب میں کیا ہے:۔

انھوں (مسلمانوں) نے: تب ایک سفارت بیزنطینی شہنشاہ کے پاس بھیجی اور کہا: خدا نے یہ علاقہ ہمارے جد (حضرت) ابراہیم اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا۔ تو اس پر بہت دنوں سے قابض ہے۔ وہ ہمیں صلح اور آشتی سے واپس کر دے پھر ہم تیرے ملک میں نہیں آئیں گے۔ ورنہ ہم اصل کا سود کے ساتھ واپسی کا مطالبہ کریں گے۔''

قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہ دیا جس کی سفیر کو اس سے توقع تھی کیونکہ اس نے کہا: یہ ملک میرا ہے، تیرا ورثہ تو صحرا ہے۔ جا، وہاں امن سے رہ۔

قیصر کی سفارت کی ناکامی اور اتمام حجت کے بعد حضرت ابوبکر نے شام فلسطین

لہ تاریخ کبیر حالات ابوبکر (مخطوطہ) نزب حیدر آباد۔

Marfat.com

اور ان پر الگ الگ فوجیں بھیجیں۔ ان فوجوں کو جو ہدایتیں حضرت ابوبکر نے دیں وہ متعدد مؤلفوں[1] نے محفوظ کی ہیں۔ دخویے (De Goeje)[2] کو ان کے متعلق اعتراف ہے کہ "ان ہدایات میں معقولیت اور اعتدال کی جو روح کارفرما ہے اس کے باعث ان کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے"۔

مسلمان فوجوں نے بڑی ہمت اور بہادری سے بہ یک وقت بیزنطینی اور ایرانی دونوں شہنشاہیوں سے مٹ بھیڑ شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں کی کامیابی کا بڑا باعث ان کا طرز عمل تھا۔ چنانچہ اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ فوجی مصلحتوں سے مسلمان سپہ سالار نے جب ایک مرتبہ چند شہروں کا تخلیہ کیا تو رعایا سے وصول کردہ ٹیکس یہ کہہ کر واپس کر دیئے تھے کہ یہ ٹیکس حفاظت کے معاوضے میں تھے، ہم اب تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ ولندیزی مستشرق دخویے[3] لکھتا ہے

فی الحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ عربوں نے مفتوحوں سے جو برتاؤ کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق مالکوں کے بے اصول

---

[1] مثلاً شرح السیر الکبیر للسرخسی جلد ۱ صفحہ ۴۷۔ جمع الجوامع للسیوطی (مخطوطہ بزم ادب حیدرآباد) مسند ابی بکرؓ طبری صفحہ ۱۸۴۹ تا ۱۸۵۰ کنز العمال جلد ۲ نمبر ۶۲۵۹ - ۶۲۶۱ -

[2] Memoire sur la conquete de la Syrie, p. 22.

[3] ایضاً صفحہ ۱۰۴، ۱۰۶ -

ظلم سے کیا جائے تو بڑا ہی سخت فرق نظر آتا ہے جو عیسائی فیصلہ کالسی ڈون (Chaicedon) کو نہیں مانتے تھے۔ ان کے ناک کان قیصر ہرقل کے حکم سے کاٹے گئے۔ اور ان کے گھر ڈھائے گئے تھے (دیکھیے حوالے کے لئے Barhebraeus, Chron. Eccl., I, p. 274.) یہودیوں پر الزام لگایا گیا تھا کہ ایرانیوں کے حملے کی انھوں نے تائید کی تھی۔ اگرچہ ہرقل نے ان کے لئے عام معافی کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کا سخت ظالمانہ طور سے پیچھا کیا گیا تھا (حوالہ Eutychius, II, 242.)

اس کے برخلاف عرب جو حضرت ابوبکر کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے، مقامی باشندوں کا دل موہ لینے کی کوشش کرنے لگے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے۔۔۔ تقریباً پندرہ سال بعد ایک نسطوری پادری (حوالہ کے لئے Assemani, Bibl Orient., III., 2, p. XCVI) اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ طائی (یعنی عرب) جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے) ہمارے مالک بھی بن گئے ہیں مگر وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسر پیکار نہیں۔ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدیسوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجوں اور خانقاہوں کو جاگیریں (۶۵۷ء) عطا کرتے ہیں۔"

اسی سلسلے میں ایک اور اہم شہادت یہاں پیش کی جاسکتی ہے مشہور پادری کارالیفس کی C. Karalevskij نے شہر انطاکیہ کے عیسائی حالات لکھتے ہوئے فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا Dict. d'Histor. et Geographie Ecclesias.v Anticche میں اعتراف کیا ہے:-

مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (JACOBITES) نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا، یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خودمختار وحدت قرار دیا جائے اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدارات عطا کئے جائیں۔"

اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ پہلی صدی ہجری میں شام و فلسطین کی مادری زبان تک عربی ہوگئی۔ اور یہ علاقے آج تک ٹھوس عربی ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ وغیرہ کے قیصران روم سے جو سیاسی تعلقات تھے اگرچہ ان کے متعلق لاطینی، ارمنی، اور سریانی تاریخوں سے بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور سفارتوں اور مسلمانوں کا دلچسپ تذکرہ ملتا ہے، اور ان سے عربی تاریخوں کی تائید یا تکمیل ہوتی ہے، لیکن ان سب کا ذکر اس صحبت میں ممکن نہیں۔ ان کے لئے اور دیگر بیزنطینی علاقوں مثلاً مسان، غسان، تغلب - مصر

آرمینیا، حبش وغیرہ کے سیاسی تعلقات عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ رہے ہیں اس کے لئے میری تالیف La Diplomatie musulmane a l' epoque du Prophete et des Khalifes Orthodoxes کے ابواب متعلقہ میں مواد اور حوالے مل سکتے ہیں۔

خطوط کے متن

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ أسلم تسلم وأسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک إثم الاریسیین۔ و "یا اھل الکتاب تعالوا إلی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ألا نعبد إلا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً أربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"۔

(۲) من محمد رسول اللہ إلی صاحب الروم۔ إنی أدعوک الی الاسلام فان اسلمت فلک ما للمسلمین وعلیک ما علیھم فان لم تدخل فی الاسلام فأعط الجزیۃ فان اللہ تبارک وتعالی یقول "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون"۔ والا فلا تحل بین الفلاحین وبین الاسلام ان یدخلوا فیہ او یعطوا الجزیۃ۔

(۳) إلی احمد رسول اللہ الذی بشر بہ عیسی من قیصر ملک الروم إنہ جاءنی کتابک مع رسولک وانی اشھد أنک رسول اللہ نجدک عندنا فی الانجیل بشرنا بک عیسی بن مریم وانی دعوت الروم إلی ان یؤمنوا بک فأبوا۔ ولو اطاعونی لکان خیرا لھم ولوددت انی عندک فاخدمک وأغسل قدمیک

Marfat.com

(۴) إلى مرحنة بن رؤبة وسروات أهل أيلة سلم أنتم فإني أحمد إليكم الله
الذي لا إله إلا هو فإني لم أكن لأقاتلكم حتى أكتب إليكم فأسلم أو أعط الجزية
وأطع الله ورسوله ورسل رسوله وأكرمهم واكسهم كسوة حسنة غير كسوة الغزاة
واكس زيدا كسوة حسنة فمهما رضيت رسلي فإني رضيت وقد علم الجزية فإن أردتم أن يأمن البر
والبحر فأطع الله ورسوله ويمنع عنكم كل حق كان للعرب والعجم إلا حق الله
ورسوله وإنك إن رددتهم ولم ترضهم لا آخذ منكم شيئا حتى أقاتلكم فأسبي
الصغير وأقتل الكبير فإني رسول الله بالحق أومن بالله وكتبه ورسله وبالمسيح ابن
مريم أنه كلمة الله وإني أومن به أنه رسول الله وائت قبل أن يمسكم الشر فإني
قد أوصيت رسلي بكم وأعط حرملة ثلاثة أوسق شعير وإن حرملة شفع لكم
وإني لولا الله وذلك لم أراسلكم شيئا حتى ترى الجيش وإنكم إن أطعتم
رسلي فإن الله لكم جار ومحمد ومن يكون منه وإن رسلي شرحبيل وأبي
وحرملة وحريث بن زيد الطائي فإنهم مهما قاضوك عليه فقد
رضيته وإن لكم ذمة الله وذمة محمد رسول الله والسلام عليكم إن
أطعتم وجهزوا أهل مقنا إلى أرضهم۔

(۵) بسم الله الرحمن الرحيم هذه أمنة من الله ومحمد النبي رسول الله
وأهل أيلة سفنهم وسيارتهم في البر والبحر لهم ذمة الله ومحمد
كان معهم من أهل الشام وأهل اليمن وأهل البحر فمن أحدث منهم حدثا فإنه
لا يحول ماله دون نفسه وإنه طيب لمن أخذه من الناس وإنه لا يحل أن يمنعوا
ماء يردونه ولا طريقا يريدونه من بر أو بحر هذا كتاب جهيم بن الصلت وشرحبيل
بن حسنة بإذن رسول الله

عہد نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات

قبل اسلام جزیرہ نمائے عرب زیادہ تر صحرا ہے۔ اس لئے وہاں کی آبادی اپنی غذا تک کے لئے قدیم سے بیرونی درآمد کی محتاج رہی ہے۔

تعدد ازدواج سے آبادی میں تیز اضافہ اور ذرائع معیشت میں خانہ جنگیوں وغیرہ کے باعث روز افزوں انحطاط عربوں کو اکثر ترک وطن پر قدیم سے مجبور کرتا رہا ہے۔ ایک طرف وہ خطرناک بحری راستے سے مشرقی افریقہ جاتے رہے، تو دوسری طرف شمال مشرق میں عراق کی طرف اور شمال مغرب میں فلسطین کی طرف بھی خشکی کے راستے سے ہمیشہ ان[1] کا رُخ رہا بعد میں ملاح مہارت بڑھنے پر وہ ہند اور چین تک تجارت کے لئے آنے جانے لگے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے۔ اس کو سب سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلۂ طے ہی سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ اب یہ مسلمات سے سمجھا جاتا ہے کہ فارسی لفظ تازی اور اسی کا بگڑا ہوا چینی لفظ تا شی (جس سے عرب مراد ہوتے ہیں) اسی لفظ طی[2]

---

[1] اس کی قدامت اور وسعت کے لئے دیکھئے میرا مقالہ عربوں کے تعلقات بیزنطینیوں سے جو اوپر درج ہوا — مختصر یہ کہ سنٹ پاول کے زمانے میں دمشق میں ایک عرب بادشاہ حارث حکمران تھا، تو حلب جیسے شمالی علاقوں تک میں عرب کی راجدھانیاں قائم ہو چکی تھیں۔

[2] بریٹشنائڈر کا انگریزی سالہ عربوں کے متعلق چینیوں کے معلومات ص۵

کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ تبت کے تاشی لاما کا بھی شاید اس لفظ سے کوئی تعلق ہو۔
ان تارکان وطن کی تعداد ایرانی صوبۂ عراق میں اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ انھوں نے عہد نبوی سے صدیوں قبل حیرہ (کوفہ) میں ایک طاقتور سلطنت قائم کر لی تھی اور لخمی قبیلے کے ان عرب حکمرانوں پر ماحول کا کچھ اتنا اثر پڑا کہ شام کی طرف جانے والے غسانیوں کے برخلاف انھوں نے خانہ بدوشی تک ترک کر دی۔ اور بستیوں میں بس کر عربی تہذیب کی عظیم الشان خدمت انجام دینے لگے۔
ایرانی شہنشاہوں نے مختلف مصلحتوں سے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ عرب اور ایران (عراق) کے مابین حد فاصل اور حاجز مملکت (بفر اسٹیٹ) بنے اور خانہ بدوش بدویوں کی عراق میں لوٹ مار کی مہمیں خود یہ لوگ جھیلنے لگے[۵۹] اور ایرانی امن میں ہو گئے تو دوسری طرف ایرانی جو روز افزوں آرام طلب ہوتے جا رہے تھے، مفت کے عرب رضا کاروں سے اپنی فوج میں کثیر تعداد میں کام لینے لگے۔ اس سے عربوں میں جنگجوئی اور فوج آرائی کی روح نہ صرف تازہ رہی بلکہ صیقل پاتی اور فطرت میں رچتی گئی تو ساتھ ہی ایرانی روز بروز جنگ سے ڈرنے لگے اور بزدل ہوتے گئے۔ ایرانی بیزنطینی جنگوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ ان عربی فوجوں نے فیصلہ کن اور عظیم الشان حصہ لیا اور ایرانی حکومت کے لئے صرف اپنے بل بوتے پر جو وسیع فتوحات حاصل کیں، ان سے ہر کوئی واقف ہے ان کے ہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ امر البتہ نمایاں کئے جانے کے قابل ہے کہ بیزنطینی قیصروں

۵۹ تنبیہ مسعودی ص ۱۸۶

نے منجمیوں اور پھر غسانیوں سے جنگی حلیفی کرلی اور ایرانی کسراؤں کے لئے بھی ناگزیر تھا کہ اسی کے مماثل طاقتور عربوں کو اپنا حلیف بنائے رکھیں۔

عرب کے جانوروں تک کی وفاداری ضرب المثل ہے۔ پھر حیرہ کے حکمرانوں پر کسرایان ایران کا اعتماد کیوں نہ بے پایاں ہوتا۔ کسی اور ملک میں یہ نظیر نہ ملے گی جیسی یہاں ملتی ہے کہ کسرائے ایران اپنے ولی عہد کو اپنے جونیئر حلیف بلکہ ماتحت حکمراں حیرہ کے ہاں بھیج دے تاکہ وہیں اس کی تعلیم و تربیت ہو۔ بعد میں بدوی روایات کے حامل اس شہزادے نے حکمراں بن کر دنیا پر یہ ثابت کردیا کہ حیرہ کا عربی ماحول مدائن کے ایرانی ماحول سے کہیں زیادہ مفید و کردار ساز تھا۔

حیرہ والوں کی خدمات خود عرب کے لئے کچھ کم اہم نہ تھیں۔ عربی شعراء اور تاجر ہمیشہ ان کے دربار میں بھرے رہتے تھے اور غیر محسوس طور سے تاثر و تاثیر کرتے چلے جاتے تھے اور غالباً صحرا نشینوں سے اس مسلسل تعلق ہی نے باوجود عیش و ترفہ کے لخمی حکمرانوں میں بہت سی اچھی بدوی صفتیں مثلاً بات کا پاس اور آن کے لئے جان تک کی پرواہ نہ کرنا بہت کچھ برقرار رکھیں۔

عربی رضا کاروں کی وفاداری اور اطاعت شعاری نے رفتہ رفتہ دربار مدائن کو یہ بھلا دیا کہ حیرہ کمزور اور جونیئر حلیف ہی، لیکن ماتحت اور غلام نہ تھا۔ مجوسی و مزدکی روایات نے عصمت و ناموس کا تصور ہی ایرانی دربار سے مٹا دیا تھا[۱]۔ اسی لئے اُنھوں نے اس میں کوئی برائی ہی نہیں سمجھی کہ انھیں اصول کا اطلاق عرب حکمراں کی ہو

---

[۱] مزدک نے ملکۂ ایران کے متعلق بھرے دربار میں شہنشاہ سے جس بے باکانہ بے حسی کا اظہار کیا تھا اس سے عربی خواں بے خبر نہ ہوں گے۔

Marfat.com

بیٹیوں پر کیا جائے۔ اس کے نتیجے سے سب واقف ہیں کہ حکمران حیرہ کو مدائن طلب کیا گیا۔ اور اس وفا شعار نے جانتے بوجھتے اس کی تعمیل کی، تو تحفظ عصمت کے جرم میں اس کا سر قلم کیا گیا اور نشۂ غرور میں چور شہنشاہ نے حاجز مملکت کو بھی فنا کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حیرہ میں ایرانی افسر آ دھمکے اور گو برائے نام ایاس بن قبیصہ نامی ایک عرب کو بھی وہاں کے عربوں کا سردار بنا دیا گیا، لیکن سلطنت حیرہ کا ایران سے الحاق کر کے ایک معمولی صوبہ بنا دیا گیا۔ یہ قصہ یہیں ختم نہ ہوا بلکہ حکمران حیرہ نے اپنے پاس کا بعض امانتی مال اصل مالکوں کو پہنچانے کے لئے بعض بڑی قبائل کے سرداروں کے سپرد کیا تو شہنشاہی احکام اس کی فوری حوالگی کے لئے پہنچے اور انکار پر سزا دہی اور عربوں کی بالکلیہ تباہی کے لئے ایک عظیم الشان ایرانی لشکر روانہ کیا گیا۔ مگر اب کی دفعہ قدرت نے ایران کو ایک تنبیہ کرنی چاہی اور ذی قار کی جھیل پر ان کی فوج کو جان پر کھیلے ہوئے بدوؤں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ مگر دولت ایران نے بجائے سبق لینے اور اپنی اصلاح کرنے کے عربوں پر مزید ستم آرائی شروع کر دی۔ اور انھیں روز افزوں اپنا دشمن بنانا شروع کیا (اب حیاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی دور زندگی شروع ہو چکا تھا) اور خلافت صدیقی کے آغاز پر اسی ایرانی سرحد کے ستم رسیدہ مثنیٰ شیبانی کا ایران پر حملہ کے اپنے رضاکارانہ خدمات کا پیش کرنا زیادہ تر ایران کی اسی حرب کش سیاست کا ردعمل تھا۔ اس واقعے سے چند ہی سال قبل یمنیوں کی دعوت اور تعاون سے ایرانیوں نے حبشیوں کو نکال کر یمن پر قبضہ کر لیا تھا اور وہرز کی فوجی گورنری کے بعد لائق باذان وہاں گورنر بنا۔ لیکن پائے تخت ایران میں کچھ ایسی تیزی سے

شاہ گردی ہو رہی تھی کہ مٹھی بھر ایرانی فوج کے لئے کسی مزید کمک کی غیر موجودگی میں یمن پر قبضہ رکھنا بڑا دشوار ہو گیا تھا۔

حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوب مشرقی عرب کے ساحلی علاقوں یعنی عمان اور الحسا میں بھی (جسے اُس زمانے میں بحرین کہا جاتا تھا) ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے تھے۔ عمان میں جلندی بن المستکبر کا خاندان کسرائے ایران کی طرف سے حکمران نامزد ہوا تھا۔ جس کے کچھ حالات محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب المحبر (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) میں لکھے ہیں اور بعد میں اسی جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد سے جناب رسالت مآب صلعم نے تخاطب فرمایا تھا۔ عمان وسیع ملک ہے۔ وہاں کے ایک اور عرب سردار ہوذہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عطا کی تھی۔ اسی لئے اس کا لقب ذوالتاج یا صاحب التاج مشہور ہو گیا تھا (دیکھئے اشتقاق ابن درید صفحہ ۲۰۹ عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۲ صفحہ ۶۷) الحسا میں کسی عرب ریاست کا بظاہر پتہ نہیں چلتا اور وہاں کے صدر مقام ہجر میں ایرانی فوجی گورنر (مرزبان) رہا کرتا تھا۔ بعض غیر موروثی عرب افسر بھی تھے۔

عرب مؤلفوں کے ہاں اس قسم کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں کہ فلاں عربی شیخ نے فلاں بادشاہ (کسریٰ، قیصر، نجاشی وغیرہ) کے ہاں باریابی حاصل کی۔ ابن عبد ربہ نے اس کا ایک مستقل باب (الوفادات) ہی قائم کیا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص سے خوشنودی کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ اس کی خواہش پر کسریٰ نے ایک مہندس (انجینیر) بھیجا جس نے وادی وَجّ میں ایک فصیل دار قلعہ تعمیر کیا

Marfat.com

جیسے طائف کہنے لگے۔ دکتاب الاغانی جلد ۲ صفحہ ۸۴-۹۴) اس کے استحکام کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ وحنین کے بعد طائف کو اسلامی فوجوں نے آگھیرا تھا۔ اور باوجود منجنیق اور دبابوں کے استعمال کے محاصرہ ختم ہوتا نہ نظر آیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید جانی نقصان نامناسب سمجھ کر محاصرہ اُٹھا لیا تھا۔

ابتدائے اسلام ایران آتش پرست تھا انتہائی جنسی اباحیت رکھی تھی حقیقی بہنوں اور صلبی بیٹیوں تک کو وہاں ازدواجی اغراض کے لئے محرمات میں نہیں شامل کیا جاتا تھا۔ غالباً اسی قسم کے معاملات ہوں گے جس نے مشرک عیسائیوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مجوسیوں پر قابل ترجیح بنا دیا تھا۔ قرآن مجید کی سورۂ روم بھی انھیں جذبات کی ترجمان ہے۔

ابن ہشام صفحہ ۲۸۰ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت اور اسلام کی مدد کی ترغیب دیتے تو علاوہ اُخروی روحانی ثواب کے وعدے کے یہ پیشینگوئی بھی فرماتے کہ کسریٰ وقیصر کی دولت تمہارے قدموں پر نچھاور ہوگی۔ جنگ خندق میں سنگلاخ چٹان کو توڑتے وقت چنگاریاں اُڑنے پر اسی پیشینگوئی کا اعادہ فرمایا گیا تھا۔ (دیکھو طبری وغیرہ)

میں نے ایک مستقل مضمون میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے[1] کہ ۸ھ کی

---

[1] دیکھئے رسالۂ سیاست حیدرآباد دکن۔ اپریل ۱۹۳۷ء نیز مجموعۂ ہذا

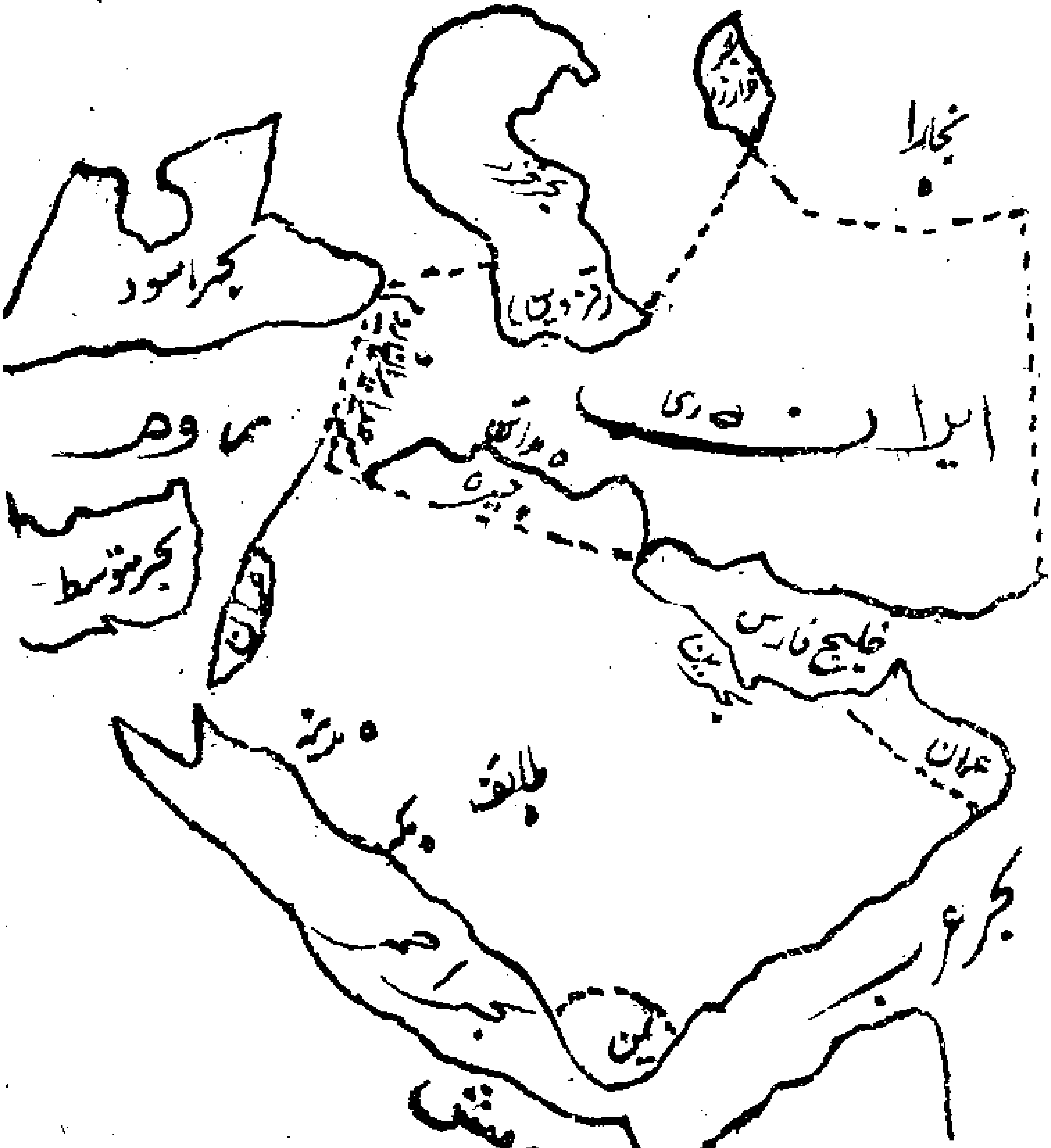

تخمینی نقشہ سلطنت ایران

بوقت آغاز اسلام

Marfat.com

صلح حدیبیہ کو قرآن مجید نے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کیوں کہا ہے اور کس لئے اسے اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی کامیابیوں کا شہ کار سمجھا جاتا ہے (مشہور عام خیال تبلیغ کی سہولت کچھ دل کو نہیں لگتا) یہاں اس کا دہرانا غیر ضروری ہے بہرحال اس صلح سے جہاں مسلمانوں کے ہاتھ کھل گئے اور وہ خیبر کے نوپذیر خطرے کا وہیں تین ماہ میں استیصال کرنے کے قابل ہو گئے وہیں انھیں دو نوبیوں ایرانیوں کی بیزنطینیوں (رومیوں) کے ہاتھوں عہد آفریں شکست کے سلسلے میں بین الممالک صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا (نینوی کی لڑائی شعبان ۶ھ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ ہوئی)۔

بلاذری (فتوح صفحہ ۷۹) اور ابن الاثیر (کامل ۲/۱۴۵) نے بیان کیا ہے کہ ایرانی مقبوضہ بحرین کے ایک عربی النسل افسر منذر بن ساوی کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا خط ۶ھ ہی میں روانہ کیا تھا۔ غالباً کسرائے ایران کا خط بھی اسی نامہ بر کے ذریعے سے بھیجا گیا ہوگا، جس نے بحرین کے حاکم سے خواہش کی کہ اسے کسریٰ کے پاس مدائن بھیج دے۔

یہاں اس کی غالباً ضرورت نہیں کہ سادہ بحرین، عمان، یمن وغیرہ عرب کے جملہ ایرانی مقبوضات سے عہد نبوی میں جو اسلامی تعلقات رہے ان کی پوری تفصیل اور ان کا ارتقا بتایا جائے۔ ورنہ ان علاقوں کے ایرانی افسروں یا عرب شیوخ کے نام لکھے ہوئے کئی درجن نامہ ہائے نبوی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ ایک منذر ہی کے نام کے نو خط ملتے ہیں جن میں بحرین کی سیاسیات کی پوری تاریخ محفوظ ہے۔ ان کے متن کے لئے میری حقیر تالیف "الوثائق السیاسیۃ"

دیکھی جاسکتی ہے (جس کی طباعت کے بعد اوائل ۱۳۶۱ھ میں کتب خانہ خدابخش مرحوم پٹنہ میں قبیلۂ عبد القیس سے کیا ہوا ایک اور معاہدہ کتاب وسیلۃ المتعبدین میں دستیاب ہوا ہے۔ یہاں صرف شہنشاہ ایران سے خط و کتابت پر کچھ بحث کی جائے گی جس میں متعدد گتھیاں سلجھانی ہیں۔

تمام اسلامی مورخوں محدثوں اور دیگر مؤلفوں نے متفقہ طور سے بیان کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کے نام اسلام کے تبلیغی خطوط بھیجے تو ان میں سے ایک کسریٰ ایران کے نام بھی تھا۔ اس کا متن جس میں کچھ لفظی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، یہ ہے —

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
(۲) من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس	محمد رسول اللہ کی طرف سے سردار ایران کسریٰ کے نام۔
(۳) سلام علی من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ	ہدایت پر چلنے اور خدا و رسول پر ایمان لانے والے کے لئے سلامتی ہو۔
(۴) وادعوک بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ	میں تجھے خدا کا بلاوا دیتا ہوں کیونکہ مجھے خدا نے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے،
(۵) لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین۔	تاکہ میں ہر زندہ شخص کو ڈراؤں کافروں کے متعلق خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی۔
(۶) فاسلم تسلم	اسلام لا سلامت رہے گا۔

Marfat.com

(۷) فان ابیت فان اثم المجوس علیک — اگر تو انکار کرے تو تمام مجوسیوں کا وبال تجھی پر پڑے گا۔

یہ متن تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۱ و صفحہ ۱۵۷۲ (دو روایتیں) صبح الاعشیٰ قلقشندی جلد ۶ صفحہ ۳۶۶ بحوالہ کتاب الصناعتین لابی ہلال العسکری نیز جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۷۸، اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون مکتوب نمبر ۳ المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۹۱ تاریخ الیعقوبی جلد نمبر ۲ صفحہ ۸۳ نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ للزیلعی۔ مکتوب نمبر ۹ مفید العلوم و مبید الہموم۔ للقزوینی مکتوب نمبر ۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۲۲۔ المنتقیٰ لابی نعیم ورق نمبر ۳۵ / ب (مخطوطہ حیدر آباد) منشآت فریدون بک جلد ۱ صفحہ ۳۱ وسیلۃ المتعبدین لعمر الموصلی جلد ۸ ورق نمبر ۲ / ب (مخطوطہ بانکی پور) میں مکمل ملتا ہے۔ اور طبقات ابن سعد اموال ابی عبید صحیح البخاری صحیح مسلم مسند ابن حنبل وغیرہ میں جستہ جستہ ملتا ہے اس پر کاشانی نے اپنی اطالوی تاریخ اسلام میں اور اشپیرنگر نے اپنی جرمن کتاب سوانح و تعلیمات محمدی میں بحث کی ہے ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دوم کی روداد میں میرا بھی ایک انگریزی مضمون اس خط کے متعلق ملے گا۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ یہ متن مختلف تاریخوں میں لفظی اختلاف کے ساتھ روایت ہوا ہے۔ اہم تر یہ ہے۔

بعض روایتوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حذف ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیونکہ حذف عبارت کا عام رواج رہا ہے۔

قلقشندی نے ابو ہلال عسکری سے جو متن نقل کیا ہے، صرف اسی

Marfat.com

ایک روایت میں کسریٰ ابرویز عظیم فارس" کے الفاظ ہیں اور باقی کسی نے بھی پرویز کا نام نہیں لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرویز کا نام بعد کا قیاسی اضافہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ میں طبری کی ایک روایت میں وشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وأن محمداً عبدہ ورسولہ کے الفاظ زائد ہیں جو اصل فقرے کی صرف شرح معلوم ہوتی ہے۔

ف۴ میں دعاء اللّٰہ اور دعایۃ اللّٰہ کی روایتیں عام ہیں۔ رسالات نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خاں نوشکی نے دعاء الاسلام کہیں سے نقل کیا ہے۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

ف۵ میں قرآنی آیت کے لحاظ سے بعض روایتوں میں "لینذر" بھی مروی ہے جو عربی کے لحاظ سے ذرا تکلف سے ٹھیک ہوگا۔

ف۶ میں "فان" کی جگہ "ذان" اور اسی طرح "ابیت" کی جگہ "تولیت" نیز "اثم المجوس علیک" کی جگہ "علیک اثم المجوس" وغیرہ فرق بھی ملتے ہیں۔ جو روایت بالمعنی کا نتیجہ ہیں۔ ان سے مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

غرض یہ خط عبداللہ بن حذافہ السہمی بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے تھے۔ یہ ٹھیک طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ آیا عبداللہ بن حذافہ ہی مداین گئے تھے، یا حاکم بحرین نے اپنے کسی آدمی کے ہاتھ اسے پایۂ تخت روانہ کیا تھا بہر حال تمام اسلامی مؤلف بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ (خسرو پرویز) نے طرز کاطب دیکھتے ہی پورا خط پڑھے بغیر چاک کر دیا۔ اور نامہ بر کو سامنے سے نکلوا دیا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ دو آدمی مدینہ روانہ کرے اور نبی عربیؐ کو برضاءمندی ورنہ بجبر گرفتار کر کے مدائن روانہ کرے۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا کہ آج رات میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کر دیا۔ اس پر وہ یمن چلے آئے اور جلدی ہی مدائن سے کسریٰ شیرویہ نے سرکاری اطلاع بھیجی کہ اس نے مصلحت عامہ کے تحت اپنے باپ کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اور کہتے ہیں کہ شیرویہ کی پدرکشی کی تاریخ وہی تھی جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور اس معجزہ کو دیکھ کر باذان اور بہت سے یمنی مسلمان ہو گئے۔

یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۶ پر مذکور ہے اور بہ ظاہر ابن اسحاقؒ کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ ابن ہشام نے زہری کی روایت خود اضافہ کی ہے۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۷۱ میں جہاں بادشاہوں کے نام خطوط کا ذکر ہے۔ وہاں کسریٰ کے سلسلے میں یہ قصہ بیان نہیں ہوا ہے۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۲ تا ۱۵۷۴ میں جہاں اس سفارت کا ذکر ابن اسحاقؒ کے حوالے سے نقل ہوا ہے، وہیں زہری کی روایت صرف اتنی بیان ہوئی ہے کہ کسریٰ کے نامہ مبارک پارہ پارہ کرنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا اس کے ملک کو بھی پارہ پارہ کر دے اور طبری نے شیرویہ کی پدرکشی کا قصہ زہری کے اس قطع کلام کے بعد یزید بن حبیب کی روایت کی بنا پر نقل کیا ہے اور وہاں زہری کا اس سے تعلق نہیں ہے۔

اس اختلاف کو ہم کوئی خاص اہمیت عام حالتوں میں نہیں دیتے۔ لیکن طبری نے جہاں یہ قصہ سنہ ۶ھ کے حالات حدیبیہ کے بعد بیان کیا ہے وہیں ایران قدیم کے حالات میں صفحہ ۱۰۰۹ پر یہ جملہ بھی عکرمہ کے حوالے سے ایک غیر مربوط قصے کے آخر میں لکھا ہے:۔

فاھلک اللہ کسریٰ وجاء الخبر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ ففرح ومن معہ۔	چنانچہ خدا نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور اس کی اطلاع جناب رسالتمآب کو حدیبیہ کے دن پہنچی جس سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوشی ہوئی۔

جب خسرو پرویز کے مرنے کی اطلاع حدیبیہ کے دن آ چکی تھی تو پھر بعد میں پرویز کے نام خط لکھنا اور پدرکشی کی اطلاع بطور معجزہ دینا سب بے بنیاد قصے بن جاتے ہیں۔ کثیر نویسی کی وجہ سے طبری کے ہاں بلا تنقید متضاد روایات کا آ جانا اور روایات میں بھی بے احتیاطی سے قطع و برید ہو جانا ایک معروف واقعہ ہے جس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے طبری کا غور سے مطالعہ کیا ہے

اسی بنا پر ابونعیم کی دلائل النبوۃ (جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۲۴) کی یہ روایت خاص توجہ کی مستحق ہے کہ:۔

"رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو اسی دن شکست ہوئی تھی جس دن حدیبیہ کی صلح ہوئی اور جب اس کی اطلاع پہنچی تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوشی ہوئی (کہ قرآن مجید کے سورۂ روم کی کئی سال قبل کی پیشگوئی پوری ہو گئی)۔"

Marfat.com

نینوی کی لڑائی شعبان ۶ھ (دسمبر ۶۲۷ء) میں ہوئی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ عام طور سے اسلامی مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ مہم حدیبیہ کے لئے مسلمان مدینے سے ذی قعدہ ۶ھ میں نکلے۔ لیکن امام ابو یوسف نے کتاب الخراج (صفحہ ۱۲۸) میں یہ روایت بیان کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے لئے رمضان میں نکلے۔ تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۴) میں حدیبیہ کے ذی قعدہ میں پیش آنے کا ذکر کر کے اس بات پر تعجب ظاہر کیا گیا ہے کہ عروہ کے بیان کے مطابق صلح حدیبیہ ماہ شوال میں منعقد ہوئی۔

آں حضرت صلعم کے ہمعصر زمانے کی تاریخیں نہ تو بیزنطینیوں کے ہاں محفوظ رہیں نہ ایرانیوں کے ہاں، اور نہ حبشیوں کے ہاں۔ ان حالات میں ایک واحد استثناء خاص توجہ کا محتاج ہے۔ وہ یہ کہ قیصر ہرقل اور کسریٰ پرویز میں جب آخری فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی تو قیصر میدان جنگ سے وقتاً فوقتاً اپنے بیٹے کو خط روانہ کرتا رہا۔ اتفاق سے یہ اب تک محفوظ ہیں اور انھیں میں سے ایک میں قیصر نے اپنے بیٹے کو لکھا ہے کہ خبر آئی ہے کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے ۲۷ فروری ۶۲۸ء کو قتل کر ڈالا ہے[۱]۔ (جو وسط رمضان ۶ھ کے مطابق ہے) قرآن

---

[۱] قیصر ہرقل کی جنگوں کے متعلق بھی بڑی تحقیقات کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر سب سے مستند کتاب جرمن زبان میں گیرلانڈ (Gerland) کی ہے جس کا نام "قیصر ہرقل کی ایرانی مہمیں" (Persische Feldzuge des Kaisers Heraklius) ہے۔ یہ واقعہ اس کتاب میں یونانی مورخ تیوفان کے حوالے سے نقل ہوا ہے۔

Marfat.com

شہادت قیصر کے اس خط کی صحت کی تائید کرتی ہے۔ شعبان میں نینوی میں فیصلہ کن شکست کھانے کے بعد وسط رمضان میں اس کا مارا جانا کوئی تعجب کا حامل نہیں اور بظاہر قیصر کو اس واقعہ کے بیان کرنے میں عمداً جھوٹ پر آمادہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے واقدی کا یہ بیان کرنا کہ ـ

"شیرویہ نے اپنے باپ کسریٰ کو منگل کی رات ١٠ جمادی الاولیٰ ۷ھ کو قتل کیا، جبکہ چھ گھڑی رات گذر چکی تھی۔" (تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۴)

اپنے اندر مقابلۃً کم کشش رکھتا ہے۔

غرض اس وقت جو گتھیاں نظر آتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ـ

واقعہ	طبری کی روایہ	ابونعیم	ابویوسف	واقدی	ابن کثیر کی روایہ	ہرقل کا خط یونانی مآخذ میں	عام مورخین
نینوی میں ایرانی شکست	·	·	·	·	یوم الحدیبیہ	·	شعبان
کسریٰ پرویز کا قتل بیٹے کے ہاتھ	یوم الحدیبیہ	·	·	۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ	·	وسط رمضان ۶ھ	·
اس قتل کی اطلاع کا جناب رسالتمآب کو پہنچنا		یوم الحدیبیہ	·	·	·	·	حدیبیہ کے کچھ ماہ بعد تقریباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں
حدیبیہ کیلئے روانگی	·	·	رمضان ۶ھ	·	·	·	ذیقعدہ ۶ھ
صلح حدیبیہ					شوال ۶ھ	·	تقریباً اواخر ذیقعدہ یا اوائل ذی الحجہ ۶ھ

ان میں ممکن ہو تو باہم تطابق دینے ورنہ کسی ایک کے بیان کو ترجیح دینے کی ضرورت

Marfat.com

ہے۔ لیکن اس طرف توجہ کرنے سے قبل دو اہم امور بطور تمہید ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے۔

۱۔ واقدی اور ان کے شاگرد ابن سعد نے سیرۃ نبویہ کے واقعات کو کبھی تو ہجری سنہ[1] سے بیان کیا ہے۔ اور کبھی ہجرت کے وقت[2] سے اور سب جانتے ہیں کہ ہجرت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور سنہ ہجری اس سے کوئی دو ماہ اٹھارہ دن قبل یکم محرم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے مثلاً جنگ بدر کا ذکر کرنا ہو تو ماہ نہم رمضان سنہ ۲ ہجری یا ہجرت سے ایک سال چھ ماہ بعد کہنا پڑے گا۔ واقدی نے کسی ایک طریقہ پر شروع سے آخر تک لزوم نہیں رکھا ہے اور سنہ من الہجرۃ (ہجرت کے وقت سے) اور للہجرۃ (ہجری سنہ سے) کہنے میں آسانی غلط ملط ہو سکتا ہے۔ مزید براں اگر راوی کی صرف روایت پہنچی ہو اور اس سے بالمشافہ جرح اور تعین کا موقع نہ ہو اور راوی نے ہجری سنہ مراد لیا ہو، اور واقدی نے وقت ہجرت سے مدت مراد ہونی سمجھی ہو تو نادانستہ تین ماہ کا بڑی آسانی سے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص کر اس لئے کہ واقدی نے مہینے کا نام لینے کے بجائے اکثر مہینوں کی گنتی دی ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ یا بیس مہینوں بعد وغیرہ۔

(۲) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی حجہ سنہ ۱۰ھ میں سال کبیسہ کو عربی مہینوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے منسوخ فرما دیا اور خطبۂ حجۃ الوداع میں اس کی قرآنی

---

[1] یا اولین مسلمان مہاجرین مکہ کی مدینہ روانگی یعنی ماہ محرم سے بلکہ شاید وسط ذی حجہ سے

[2] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ یعنی ۱۲ ربیع الاول سے۔

ممانعت (انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر الآیہ) کو دہرانے کے بعد ارشاد فرمایا تھا کہ

وان الزمان قد استدار کھیئتہ } زمانہ چکر کھا کر پھر وہی شکل اختیار کر چکا
یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض } ہے جیسا خلقت آسمان و زمین کے وقت تھا

(سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۶۸ تاریخ طبری صفحہ ۱۷۵۲ وغیرہ)

اور متفقہ طور سے اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اس وقت ۱۰ھ میں حجۃ الوداع موقع پر قمری اور کبیسہ دونوں لحاظ سے ذی حجہ باہم جمع ہو گئے تھے۔ قمری اور مہینوں کے متعلق عربی مورخوں نے جو بیانات چھوڑے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر تیسرے سال قبیلہ بنی فقیم کا سردار (جس کا لقب قلمس ہوا کرتا تھا) حج کے موقع پر منیٰ میں ایک خاص رسم کی انجام دہی کے ذریعے سے اعلان کرتا تھا، کہ اب جو ذی حجہ چل رہا ہے اس کے بعد نیا چاند نظر آئے گا تو وہ محرم الحرام کا نہ ہوگا (بلکہ ایک گمنام اور غیر محترم مہینہ ہوگا) اور اس کے بعد کا نیا چاند محرم الحرام کا ہوگا (جدید علم ہیئت بھی یہی کہتا ہے کہ قمری سال میں شمسی سال سے دس دن کم ہوتے ہیں اور ہر تیسرے سال ایک مہینے کا فرق پڑ جاتا ہے) اس بیان کے بموجب اگر ۱۰ھ میں دونوں قسم کے مہینے یکجا ہو گئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

(دیکھئے جدول صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

سنہ ۶		سنہ ۷		سنہ ۸		سنہ ۹		سنہ ۱۰	
ہجری مدنی	مکی کبیسہ	ہجری مدنی	کبیسہ مکی	ہجری مدنی	کبیسہ مکی	ہجری مدنی	کبیسہ مکی	ہجری مدنی	کبیسہ مکی
محرم	ربیع ۱	محرم	صفر	محرم	صفر	محرم	صفر	محرم	محرم
صفر	ربیع ۲	صفر	ربیع ۱	صفر	ربیع ۱	صفر	ربیع ۱	صفر	صفر
ربیع ۱	جمادی ۱	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۱
ربیع ۲	جمادی ۲	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	ربیع ۲
جمادی الاول	رجب	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۱
جمادی ۲	شعبان	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	جمادی ۲
رجب	رمضان	رجب	شعبان	رجب	شعبان	رجب	شعبان	رجب	رجب
شعبان	شوال	شعبان	رمضان	شعبان	رمضان	شعبان	رمضان	شعبان	شعبان
رمضان	ذلقعدہ	رمضان	شوال	رمضان	شوال	رمضان	شوال	رمضان	رمضان
شوال	ذی حجہ	شوال	ذیقعدہ	شوال	ذلقعدہ	شوال	ذلقعدہ	شوال	شوال
ذلقعد	×	ذلقعدہ	ذی حجہ	ذلقعدہ	ذی حجہ	ذلقعدہ	ذی حجہ	ذلقعدہ	ذلقعدہ
ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	×	ذی حجہ	ذی [illegible]

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ذی قعدہ سنہ ۶ مکی میں جب صلح حدیبیہ ہوئی تو رمضان سنہ ۶ مدنی چل رہا تھا اور اس طرح عروہ کا یہ کہنا کہ مہم حدیبیہ شوال میں ختم ہوئی یا امام ابو یوسف کا کہنا کہ حدیبیہ کے لئے مسلمان مدینے سے رمضان میں نکلے تھے۔

Marfat.com

اور عام مورخین کا اس واقعہ کو ذی قعدہ میں قرار دینا ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔ چونکہ اس وقت تک سال کبیسہ منسوخ نہیں ہوا تھا اور مکے پر قریش ہی قابض تھے، اس لئے ان کے حج کا موسم ان کے ذی قعدہ سے شروع ہوا تھا حالانکہ فی النفس قمری حساب سے ابھی رمضان ہی کا مہینہ چل رہا تھا۔

سنہ ہجری اور وقت ہجرت کے فرق کے تین مہینے اور قمری اور کبیسہ سالوں کے سترہ میں فرق کے تین مہینے جملہ چھ مہینوں کا فرق۔ یہ بڑی آسانی سے واقدی کی اس روایت کی توجیہ کر دیتا ہے کہ پرویز کا قتل ذی قعدہ (مکی) کی جگہ جمادی الاولیٰ میں کیوں بیان کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں راوی نے کہا ہو گا کہ سنہ ہجرت کے اکہترویں مہینے میں اور واقدی نے وقت ہجرت (ربیع الاول) سے حساب کیا اور نہ تو کبیسہ سالوں کا خیال رکھا اور نہ ہجرت اور سنہ ہجری کے فرق کا لحاظ کیا۔ اور سنہ ہجرت کے اکہترویں مہینے ذی قعدہ ۵ھ مکی کی جگہ جمادی الاولیٰ ۶ھ بیان کر دیا۔

واقدی نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ خسرو پرویز کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارے جانے کی تاریخ انھیں کس ماخذ سے معلوم ہوئی۔ اگر اس تاریخ کے متعلق یونانی مورخ کا بیان (خود قیصر ہرقل کے خط کی بنا پر) صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ ۲۹ر فروری ۶۲۸ء (مطابق وسط رمضان ۶ھ م وسط ذی قعدہ ۵ھ مکی) کو ہوا ہو گا۔ اور یہ روایت قطعاً رد کر دینی پڑے گی کہ کسریٰ کے حکم سے جب یمن سے دو ایرانی افسر مدینے آئے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آج رات میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کر دیا۔" اور

Marfat.com

یہ کہ اس پیشنگوئی یا غیب گوئی کے صحیح ثابت ہونے پر گو رزمین مع حوالی سوالی مسلمان ہو گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی عظمت کی برقراری کے لئے ایسے کسی معجزے کی محتاج نہیں خاص کر جبکہ اس معجزے کا حال کچھ بہت زیادہ مستند ذرائع سے بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے متعلق خود عرب مؤلف متضاد باتیں بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر واقدی کی روایت کہ یہ قتل دار جمادی الاولیٰ کو ہوا، صحیح بھی مان لی جائے تو متعدد علمی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور پرویز کے قتل کی جو تاریخ ایرانی اور رومی ذرائع سے متعین ہے نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے اسی لئے طبری کی روایت کہ کسریٰ کے قتل کی اطلاع حدیبیہ کے دن آئی اصل میں اس روایت کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو ابو نعیم نے بیان کی ہے کہ نینوا کی شکست کی خبر حدیبیہ[1] کے دن آئی۔ اور اس میں کوئی امر مانع نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ یہ حدیبیہ سے مہینہ بھر پہلے کا واقعہ تھا اور اس عرصے میں ایران کی خبر اس زمانے میں مکے تک آسکتی تھی۔

مجھے اپنے ان اخذ کردہ نتائج پر اصرار نہیں ہے اور اگر کوئی اہل علم ان کی اصلاح کر سکیں اور گتھیوں کو سلجھا سکیں تو سیرۃ نبویہ کی ایک الجھن رفع ہو سکے گی۔ واللہ الهادی الی الصواب وھو لموافق والیہ المآب۔

تتمہ جیسا کہ عرض کیا گیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ عظیم الفرسؐ کے نام خط روانہ فرمایا تھا۔ ابو ہلال عسکری کی روایت کہ خط میں کسریٰ ابرویز لکھا ہوا تھا، ممکن ہے کہ صحیح ہو اور باوجود پرویز کے قتل ہو چکنے کے اس کی اطلاع اس وقت تک مدینہ منورہ نہ آئی ہو

[1] گو ابو نعیم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نینوا کی شکست ہی حدیبیہ کے دن ہوئی۔

Marfat.com

لیکن پرویز کے قتل کے بعد مدائن میں جو شاہ گردی شروع ہوئی اس کے باعث یہ نہیں معلوم کہ وہ نامۂ مبارک دراصل کس نے وصول کیا بہر حال ایران کی پریشان صورت حال کے باعث جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست ایرانی مقبوضات عرب کے افسروں سے مخاطبت شروع فرمائی۔ چونکہ ان مستقبل بعیدا ایرانیوں کو اب مدائن سے کسی کمک اور مدد کی توقع نہ رہی تھی جیسا کہ طبری نے (تاریخ صفحہ ۱۹۹ میں) بیان کیا ہے کہ کم از کم یمن میں ایک وطنیت پسند تحریک بہ زور وشور سے اٹھ چکی تھی کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو نکال باہر کیا جائے، اس لئے علاوہ اور اسباب کے کوئی تعجب نہیں کہ اپنی جان و مال کے اس خطرے کو دیکھ کر ان ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے اور حکمران عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت حاصل کرنے کی جانب ترغیب پائی ہو۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یمن، عمان، بحرین وغیرہ کے ایرانی مقبوضات دیکھتے کے دیکھتے مدائن سے ٹوٹ کر مدینے سے جڑ گئے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست خارجہ کچھ اتنی کامیاب ہو رہی تھی کہ باقی علاقوں کے لئے مدائن کو فکر ہونے لگی۔ چنانچہ چند ہی دنوں بعد جب قسمت نے پوران دخت کو تخت کیانی پر پہنچایا تو اس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفے تحائف بھیج کر دوستی کی طرح ڈالنی چاہی (جیسا کہ تاریخ طبری صفحہ ۱۶۳ء میں صراحت ہے اور ترمذی شریف جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۹۶ باب قبول الہدایا میں بلا صراحت نام اس کا ذکر ملتا ہے)

ضمیمہ | نسی کے متعلق عرب مولفوں میں سے البیرونی وغیرہ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سال قمری کو سال کبیسہ بنانے کا نام ہے

Marfat.com

تو بعض مؤلف یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اشہر حرم کی طوالت سے گھبرا کر غیر حرام مہینہ بیچ میں شامل کیا جانے کا نام تھا تاکہ اس زمانے میں لوٹ مار کی جا سکے۔ غور کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "نسیء" کی موت کے کئی سو سال بعد جب خالص قمری سنہ میں پلے ہوئے بعض عرب مؤلف اس کو سمجھ نہ سکے اور جس طرح قمری و شمسی سال میں سالانہ دس دن کا فرق قدیم زمانے میں عام بدویوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور وہ قلمس کی کبیسہ گری کو محض یہ سمجھتے تھے کہ مسلسل تین حرام مہینوں کی دل برداشتہ کرنے والی طوالت کو توڑنے کے لئے ایک غیر حرام مہینہ لایا گیا ہے، بالکل اسی طرح انھیں بدویوں کی اولاد اور ان کی کہاوتوں اور روایتوں کے حامل مسلمان علماء بعد کو زیادہ غور کئے بغیر بدویوں کی روایتوں کو اسلامی ادبیات میں شامل کرنے لگے۔ نسیء کے متعلق سویڈن کے پروفیسر موبرگ (Moberg) نے جرمن زبان میں سنہ ۱۹۳۱ء میں جو مقالہ لکھا ہے وہ چاہے نتائج کے لحاظ سے غیر تشفی بخش ہو لیکن مواد اور حوالوں کے اعتبار سے بہت مفید ہے۔ اس کا خلاصہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی دیا گیا ہے۔

Marfat.com

عہد نبوی میں یہود

(۱)

پس منظر موجودہ دنیا کی خونی یا نسلی اساس پر بنی ہوئی قوموں میں یہود ایک بہت پرانی قوم ہے جس کا اپنا تمدن بھی ہے اپنے ادبیات اور جس کی اپنی تاریخ موجود ہے۔ اگر ان کو حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد مانا جائے تو یہ لوگ نمرودوں کے ظلم سے تنگ آکر بابل یعنی عراق سے کنعان یعنی فلسطین و شام آبسے تھے۔ پھر حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر پہونچے جہاں کہتے ہیں کہ اس زمانے میں شامی نسل کا ایک خانوادہ فرعونیت کر رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ کا جلدی ہی عزیز مصر اور مختار کل وزیر بن جانے میں ان جو سے زیادہ دشواری نہ تھی۔ چند نسلوں بعد شاہ گردی ہوئی اور ایک مصری خانوادہ برسر اقتدار آگیا تو سابق کے منظور نظر اب معتوب اور رفتہ رفتہ مقہور بن گئے۔

فرعون رعمسیسؔ کے زمانے میں یہ حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی میں اجتماعی طور پر مصر کو خیرباد کہتے اور ارض مقدس (فلسطین) کا رخ کرتے ہیں صحف موسیٰ یعنی توریت کے کتب خمسہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ مابقی توریت بعد کے دیگر انبیاء وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔ اس سے خاص کر صحیفۂ اشمویل کے موجودہ نسخوں سے معلوم ہوتا ہے

ؔ رعمسیس بظاہر لقب ہے۔ اس کا نام منیفتا مون نیز ستیوسر میں مشہور ہے یہ ۱۳۲۰ ق م کے لگ بھگ اپنے باپ سیتی اول کا جانشین ہوا۔ اور ۱۲۶۰ ق م میں کسی وقت غرق بحر ہوا۔ اس کی مومیائی ہوئی لاش ۱۸۸۶ء میں دستیاب ہوئی۔

Marfat.com

کہ انھوں نے ارض مقدس کی پرانی آبادی پر (جو عمالقہ قبائل کے عربوں پر مشتمل تھی) کچھ اتنے مظالم کئے کہ انسانیت کو گھن آتی ہے۔ دودھ پیتے بچوں تک کو جیتا نہ چھوڑا۔ یہی لچھن تھے جن کے باعث خانہ جنگی بھی پھیلی۔ لاتعداد انبیاء و صالحین بھی اپنوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

چنانچہ طالوت (یعنی بادشاہ) ساول کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے حکومت الٰہی چلائی۔ پھر خانہ جنگی ہو کر یہودی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کبھی عراق نے مشرق سے اور کبھی شام نے شمال سے ان کی بستیوں پر حملہ کیا اور یہ وہاں سے خارج البلد ہو کر تتر بتر ہوئے تو اس کے مراجعانہ اثرات ہزاروں برس گزر جانے کے بعد آج تک جاری ہیں۔

قبل بعثت عہد نبوی کے آغاز پر یہودی ہم کو عرب کے ہر حصے میں ملتے ہیں۔ تھوڑی بستیوں میں بھی اکے دکے بھی بلکہ بستیوں کا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے جو ایلہ (عقبہ)، مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیماء، فدک، مدینہ، یثرب اور طائف و جرش سے لے کر یمن اور عمان و بحرین تک عرب میں شمالاً جنوباً چلا گیا تھا۔

مکے میں یہ کم نظر آتے ہیں۔ البتہ میلوں میں جو مکے کے آس پاس ہوا کرتے ہوتے تھے (جیسے عکاظ، منا، مجنہ، ذوالمجاز وغیرہ) یہ پیسے کمانے کے قسم قسم کے ڈھنگ اختیار کرتے تھے۔ غیب دانی کے دعویدار۔ قسمت بتانے والے کاہن، عراف وغیرہ زود یقینوں کے لئے دلجمعی تو بے فکروں کے لئے دل بہلاوے کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اور ان پڑھ بدویوں کی نظر میں نکھنبر پڑھنے والے

(اہل کتاب) ہونے کی حیثیت سے بڑا احترام رکھتے تھے۔
مشرق و مغرب اب سب جگہ مسلّم ہے کہ عہد نبوی کے آغاز کے لگ بھگ زمانے میں اہل کتاب ایک بڑے انسان، ایک آخری نبی (تسلی دہندہ) کے انتظار میں تھے۔ لیکن سیرت نبویہ کے طالب علم کو عجیب پیچیدہ اور متضاد و متصادم واقعات سے سابقہ پڑتا ہے جن کا حل آسان نہیں۔ ایک طرف قبل بعثت زمانے میں مدینے کے یہود اپنے ہم شہری عربوں کو طعنے اور دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ مسیحا اب آنے والا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کا ساتھ دے کر اپنے دشمنوں کی سرکوبی کریں گے۔ دوسری طرف ایسے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں جن میں یہودی ہی مسیحائے منتظر کے قتل کے درپے نظر آتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دودھ پلائی بی بی حلیمہ کے گود میں ایک میلے میں جاتے ہیں۔ ایک یہودی فال گو آپ کو دیکھ کر شور مچاتا ہے کہ یہودیو۔ دوڑو۔ اس بچے کو قتل کرو۔ یہ تمہارا استیصال کرے گا۔ یا آپ نو عمری میں اپنے چچا کے ساتھ تجارتی کاروان میں فلسطین جاتے ہیں۔ وہاں عیسائی راہب انھیں مشورہ دیتے ہیں کہ مزید آگے نہ بڑھیں۔ یہود اس بچے کے دشمن ہیں۔ دیکھ پائیں اور پہچان لیں تو جان کے لالے پڑ جائیں وغیرہ۔

آغاز تبلیغ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں کے لئے نیز قیامت تک اسوۂ حسنہ بننا تھا۔ اسی لئے خدا نے آپ کو عالم اسباب کا پابند رکھا۔ اور باوجود آپ کے مخاطب سارے جن و انس ہونے کے آپ کی شخصی ذمہ داری محدود رہی۔ بالکل ابتدائی زمانے میں اپنے خاندان، اپنے

۱؎ مثلاً کاسانووا کی کتاب محمد اور دنیا کا اختتام (فرانسیسی) صفحہ ۲۸ نیز انجیل یوحنا ۱۹-۲۸

Marfat.com

ملنے جلنے والوں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔ پھر رازداری کو ختم کرنے اور سب کو برملا تبلیغ کی ہدایت ملی اللہ کی زندگی میں بہرحال آپ کی ذاتی ذمہ داری وہی تھی جو قرآن نے بیان کی ہے "لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" (مکہ اور اس کے اطراف وجوانب کو خدا کی نافرمانی کے انجام سے ڈرائیں) کیا اس علاقے میں یہود بستے تھے؟ عرب مورخ بھی اس سے انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی اندرونی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔

چنانچہ ہجرت مدینہ سے قبل جو (۸۶) سورے نازل ہوئے ہیں ان میں یہودیوں سے براہ راست تخاطب کہیں نہیں ہے۔ "یا بنی اسرائیل" کا جملہ سب سے پہلے[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورہ ۸۷ یعنی بقرہ میں ملتا ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہونے والے سوروں میں پہلا ہے۔ ورنہ اس کی دور میں "یا بنی آدم" اور "یا ایہا الناس" ہی کا استعمال ہے۔

ترتیب نزولی کی یادداشت سامنے رکھ کر قرآن مجید کا کئی دن مطالعہ کرنے پر جو انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلی آیت جس میں یہودیوں کا (بالواسطہ ہی سہی) ذکر ہے وہ سورۂ مزمل کی ہے کہ "اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا" ($\frac{۷۳}{۱۵}$ اور بالعبد)
یہاں یہودی قوم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہودیوں کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے، اور ہی ان سے مشابہت کا کہ خدا نے فرعون (رعمسیس) کی ہدایت کے لئے ایک رسول بھیجا، اور نہ ماننے پر سخت سزا دی۔

---

[1] قرآن مجید میں یہ لفظ آنحضرت کے خیال سے ... رہیں ملا نقل حکایت کے طور پر آیا ہے۔

اسی طرح تمھاری (مکہ والوں کی) طرف بھی ایک رسول آیا ہے۔

اس کے بعد سورۂ اعلیٰ ۸۷ ترقی ہے کہ "آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے بے شک یہ گزشتہ صحف مقدسہ میں (یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی) ہے" (۸۷/۱۶ تا ۱۹) پھر یہود تو نہیں البتہ ان کی ایک نئی شاخ یعنی نصاریٰ کا لطیف ذکر سورۂ قل ھو اللّٰہ (۱۱۲) میں آتا ہے اور ان کے بنیادی عقیدے کی تردید کی جاتی ہے کہ خدا کے کوئی اولاد ہو۔

اور بار بار ذکر آتا ہے تو فرعون کا اور اس کے برے انجام کا (فجر ۸۹/۱۰۔ بروج ۸۵/۱۸، ق ۵۰/۱۲۔ قمر ۵۴/۴۱ ص ۳۸/۱۲)۔ یہ ترتیب نزول سے درج ہیں۔

سورۂ تین (۹۵) میں طور سینین کا محض ضمنی ذکر ہے۔

سورۂ ص (۳۸) بہ کثرت انبیاء کا ذکر ہے۔ انھیں میں حضرت داؤد، سلیمان، اور ایوب علیہم السلام کے یہود میں مبعوث ہونے کا ذکر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کو بھی اسی طرح کا ایک نبی اور ایک رسول ظاہر فرماتے ہیں۔

یہود کا مکی سورتوں میں تفصیلی اور اہم ذکر پہلی مرتبہ سورۂ اعراف میں ملتا ہے (جو تدوین کے لحاظ سے سورہ ۷ ہے۔ لیکن نزول کے لحاظ سے ۳۹) اس سورت کی ان آیتوں کو نظر انداز کر دیں جو بہ اتفاق مدنی ہیں (اور جن میں یہود کو عہد بعہد مختلف ملکوں میں مذہبی ایذا رسانیوں کی پیشین گوئی ہے (۷/۱۶۳ تا ...)) تو باقی کی سورت میں بنی اسرائیل کا قصہ کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان کا فرعون سے نجات پانا اور ارض مقدسہ کے راستے میں کوہ طور پر الواح توریت سے حضرت

Marfat.com

موسیٰ کا سرفراز ہونا وغیرہ بیان ہونے کے بعد توریت و انجیل میں بھی رسولِ عربی کی
پیشینگوئی کا دعویٰ دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے جو یہ ہے :-

"اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے ستر آدمیوں کو ہمارے مقرر کردہ وقت کے لئے چن لیا۔ جب ان لوگوں کو زلزلے نے دھر لیا تو کہا میرے رب تو چاہتا تو پہلے ہی ان کو ہلاک کر سکتا اور مجھے بھی۔ کیا تو ہم کو ہمارے ہی کے احمقوں کے کرتوت کی بنا پر ہلاک کرے گا؟ یہ تو تیری ہی آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے بھٹکاتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ تو ہمارا والی ہے اس لئے ہم کو معاف کر دے۔ اور ہم پر رحم کر کہ تو معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

"اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی۔ ہم تیرے ہی پاس توبہ کرتے ہیں۔

"(خدا نے) کہا: میرا عذاب، میں اسے جسے چاہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو سمائی ہے پس میں یہ (رحمت) ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں یعنی :

"جو لوگ رسول نبی امّی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو ان کو نیکی بات کا حکم دیتا ہے اور ان کو ناپسندیدہ بات سے روکتا ہے اور ان کے لئے اچھی چیزیں حلال

کرتا ہے اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور بندشیں جو کہ ان پر تھیں گراتا ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدافعت کریں اور اس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ہمراہ اتری ہے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔

"کہہ، اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حیات بخشتا اور موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو خود بھی اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے۔ اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم صحیح راہ پاؤ۔

"اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کے ذریعے سے رہبری کرتا ہے اور اسی کے ذریعے سے انصاف کرتا ہے۔"

آیات ۱۵۵ تا ۵۹

ان آیتوں کا شان نزول تو صراحت سے کتب تفسیر و حدیث میں مجھے نہ ملا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکے والے جب بیرون کا سفر کرتے، مثلاً طائف، یمن، مدینہ، خیبر، عراق، شام، مصر وغیرہ اور اپنے شہر کی نبأ عظیم سناتے کہ ان کے شہر میں ایک شخص اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے تو ان مقامات کے یہودی اور عیسائی "جتنے منہ اتنی ہی باتیں" یا "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" زنی کرتے اور اعتراضات وجوابات کھجاتے۔ سورۂ ہذا (اعراف) میں پہلے

تو تبلیغ و ہدایت کا بنیادی استدلال تفصیل سے دہرایا گیا ہے کہ سابق میں بھی انبیاء آتے رہتے تھے۔ ایک طرف اگر ان کے ہمعصر نافرمان عذاب الٰہی میں گرفتار اور تباہ ہوئے تو دوسری طرف متبعین کی آئندہ نسلوں میں گمراہی عود کر آئی اور سابقہ تعلیماتِ الٰہی کے آخری آثار بھی ناپید ہو گئے تو نئے سرے سے نبی بھیجے گئے۔ یا سابق میں جہاں کوئی نبی نہیں آیا تھا اب وہاں نبی مبعوث ہوا — نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا اس طرح ذکر آیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کی طرف بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ دیگر انبیاء کے برخلاف حضرت موسیٰ کی تعلیم محفوظ سمجھی جاتی تھی اور ان کے پیرو یہودی موجود بھی تھے۔ یہ سوال ہوتا تھا کہ اگر توریت حضرت موسیٰ پر اتری ہوئی، باقی کتاب ہے تو پھر کسی نئے نبی اور نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے اور کیوں سب لوگ جو ہدایت کے متلاشی ہوں، یہودی نہ ہو جائیں؟ کم از کم مدینے کے یہودیوں میں ایک حد تک تبلیغ نظر آتی تھی اور وہ اپنے دین کو محض نسلی اور بنی اسرائیل سے مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ ابھی براہ راست یہودیوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ نہیں پڑا تھا صرف یہودیوں کے سکھائے ہوئے اہل مکہ کے اعتراضات سامنے آ رہے تھے۔ ان کی سمجھ اور ضرورت کے مطابق ان کو جواب دیا جا رہا ہے کہ :-

۱- آپ نبی موعود ہیں۔ توریت اور انجیل میں آپ کی بشارت اور آمد کی پیشگوئی موجود ہے۔

۲- ارتقائے ذہن انسانی کے مدنظر خدا نے سابقہ احکام میں کچھ ترمیم کرنی چاہی اور کچھ بندشیں اور بوجھ دور کر کے انسانوں کے لئے از راہِ

کرم وفضل سہولت بہم پہونچائی چاہی ہے۔

سوم سابقہ انبیاء ملک وار، قوم وار یا زمانہ وار تھے۔ اب خدا نے ایک ایسے نبی کی بعثت فرمائی ہے جو سارے انسانوں کے لئے سارے ملکوں سارے زمانوں کے لئے ہو۔

اگرچہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، نبی کی تعلیم اپنی آپ سفارشی ہے لیکن انبیائے سابقہ کے متبعین کی اس نہایت قلیل محدود تعداد کے لئے جو آپ بھی صحیح ربانی تعلیم پر عامل ہو، ایک نئے نبی کی پیروی کی ترغیب کس طرح ہو؟ بہترین طریقہ یہ تھا کہ خود ان کی مذہبی کتابوں میں ایک آخری نبی ایک آخری تسلی دہندہ کا صراحت سے ذکر ہو۔ اِنَّہٗ لَفِی زُبُرِ الاَوَّلِیْنَ (۲۶/۱۹۶) یعنی آنحضرت کا ذکر تمام گذشتہ آسمانی کتب میں ہونے کا قرآن مدعی ہے۔ اور باوجود امتداد زمانہ اور دستبرد حوادث کے اب تک ایسی چیزیں کچھ نہ کچھ ملتی ہیں، ویدوں میں (جو صحف ابراہیم علیہ السلام ہوں) ایک عبداللہ نامی کے بیٹے کی بشارت ہے۔ گوتم بدھ نے بھی پایا ہے وہ نبی تسلیم کئے جائیں یا نہ ہوں، مرتے وقت اپنے چیلوں کو ایک برگزیدہ نبی کے انتظار کا حکم دیا، مذکورہ صدر آیات میں توریت وانجیل میں بھی آپ کی بشارت کے ہوتے ہونے کا دعوی ہے۔ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلمان علماء اس پر تفصیل سے بحث اور نشاندہی کرتے آرہے ہیں۔ یہاں تفصیل بے محل ہوگی۔

ابھی تک مکے والے ہی مخاطب تھے۔ ممکن ہے حج کعبہ کے لئے آنے والے اہل جزیرہ نمائے عرب بھی جو سال میں ایک مرتبہ منیٰ میں جمع ہوتے تھے

اور کئی دن وہاں رہ کر وعظ سناتے تھے، جلدی ہی مخاطب بننے لگے ہوں۔ لیکن بہر حال چونکہ یہود و نصاریٰ سے براہ راست سابقہ تقریباً معدوم تھا۔ اسی لئے یہودیوں کا ذکر ضمنی اور بصیغہ غائب ہی ہے۔ البتہ ان کی واقعی فضیلتوں کا کھلے دل سے اعتراف ہے۔ اور ان کی مذہبی کتاب کو الہامی اور خدا کی دی ہوئی کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔

سورہ ۲۷ میں (جو بہ لحاظ ترتیب نزول ۴۸ ہے) ایک نیا انداز شروع ہوتا ہے۔ سورت کے شروع میں جہاں آں حضرت اور آپ کے متبعین کو اطمینان دلایا جاتا ہے کہ یہ نزول قرآن خدائے حکیم و علیم ہی کی طرف سے آ رہا ہے وہیں ذرا آگے (۲۷:۷۶ میں) یہ آیت ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو ایسی باتیں صحیح بتاتا ہے جن میں سے اکثر کے متعلق بنی اسرائیل میں آپس ہی میں اختلاف ہے۔ کیا کچھ یہود [illegible] موعودہ آیات لا چکے اور باقی انکار کر رہے تھے؟ اس بارے میں سوائے قیاس آرائی کے کچھ چارہ نہیں۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اس کے بعد قرآن اور آں حضرت کی توجہ یہود کی طرف بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ اس کے بعد جو دو سورتیں (قصص و بنی اسرائیل ۴۹ و ۵۰) نازل ہوئے وہ زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے حالات پر مشتمل ہیں اور ان کی عظمت و علو مرتبت کا بار بار ذکر ہے۔ ان کی کتاب کو بصائر للناس و ہدیً و رحمۃً (۲۸:۴۳) اور ہدًی لبنی اسرائیل (۱۷:۲) کہہ کر سراہا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب یہودیوں سے بالواسطہ ہی سہی راست تماس قائم ہو گیا تھا اور وہ قریش مکہ کے بحث اور مناظرے میں عملی دلچسپی لینے اور توریت

Marfat.com

میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کو شدت سے جھٹلانے لگے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی جو سورۂ (قصص) نازل ہوا اس میں حضرت موسیٰؑ وہارون علیہما السلام کا مکرر تفصیلی ذکر (۱۱/۵ تا ۴۳) کرنے کے بعد ہمعصر یہودیوں پر جان بوجھ کر اختلاف وانکار کرنے (۱/۴۹) کا الزام لگایا گیا اور آں حضرت کے نبی موعود ہونے کا مکرر اطمینان (۱/۹۳ میں) دلایا گیا کہ فان کنت فی شک مما أنزلنا الیک فسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک اس سے بھی اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ ایک یا زائد یہودی اور نصرانی اسلام قبول کر چکے تھے اور وہ توریت وانجیل کی نبی موعود کے متعلق پیشینگوئیوں کا مصداق آنحضرت کو تسلیم کر رہے تھے۔ اس کے بعد ہی سورۂ ہود (۱۱) نازل ہوا۔ جان بوجھ کر آں حضرت کا انکار کرنے کا الزام اس میں پھر دہرایا جاتا ہے (۱۱/۱۱)

اسی اثناء میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب "یا لصحف" کو آسمانی وحی تسلیم کرنے سے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو رہا اور اس کا جواب بھی ملتا جا رہا تھا۔ یہودیوں کی مقدس کتاب میں انبیائے سلف کے حالات کثرت سے ہیں جن میں سے بعض میں ان کا کردار وافعال شرمناک نظر آتا ہے۔ ایک طرف قرآن بر۔ درزان انبیاء کے نام یا حالات بیان کر کر کے ان کو مثلی انسان قابلِ تقلید و نمونہ شخصیتیں اور خدا کے برگزیدہ اور صالح ترین بندے قرار دے رہا تھا بلکہ مسلمانوں کو اب بھی ان کی تعلیم و سیرت کی اقتداء کا حکم دے رہا تھا (فبھداھم اقتدہ ۶/۸۹) اور دوسری طرف انھیں انبیاء کے حالات جو اہل کتاب یعنی یہودیوں کے ہاں لکھے ہوئے ملتے تھے ان سے جا بجا گھن آتی تھی۔

Marfat.com

یہودی قوم کی طرح اصل میں یہود کی مقدس کتاب کی سرگزشت بھی [illegible] رہی۔ کبھی تو غیر ملکی حملہ آوروں کی مذہبی ایذا رسانیوں میں یہ کتاب برباد و نیست ناپید ہوئی اور صدیوں بعد محض انفرادی حافظوں سے کام لے [illegible] مکمل ہوئی ہے (متعدد ابواب کا دوسرے ابواب میں اب محض حوالہ ملتا ہے اصل [illegible] ہیں) کبھی نیک نیتی سے احبار تصحیح کیا کرتے ہیں کہ تصحیف کرتے ہیں اور [illegible] داشتہ کبھی پرانے رسم الخط اپنی غیر ترقی یافتہ صورتوں میں اثر بودیا اور [illegible] غلطیوں کا باعث بنتے ہیں۔ کبھی اختلاف [illegible] قلمی نسخوں کی سیاہی [illegible] کر مفہوم کو کچھ سے کچھ کر دیتی ہے۔ اور یہ سب باتیں اب خود یہودیوں [illegible] ہیں۔ اور ہم شاید ایک مزید امر کا ذکر کر سکتے ہیں۔ حضرت سلیمان خلیفہ [illegible] کی وفات پر یہودیوں میں تخت سلطنت کے لئے خانہ جنگی ہوتی ہے اور [illegible] دوسرے کی عیب جوئی کرتا ہے

یربعام نامی سردار حضرت سلیمانؑ کا سزا یافتہ اور دشمن تھا [illegible] سے وہی آپ کے بعد یہودیوں کے بارہ میں سے دس قبائل کا بادشاہ [illegible] جاتا، ارتداد اختیار کرتا اور بت پرستی کو رائج کرتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے فرزند اور ولی عہد کو صرف دو قبائل کی حکومت پر اکتفا کرنا پڑا۔ اگر یہود عامی ملاؤں کی تالیفوں میں حضرت سلیمان اور ان کے والد [illegible] صریح بت پرست ہوں تو کیوں قابل حیرت ہو ؟!

اب قرآن مجید یہود پر ایک مزید الزام واحسان الٰہی ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ یہودی کتاب مقدس میں انسانی عناصر سے جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں

Marfat.com

ان کو دور کرتا اور ان کے انبیاء کی سیرت کو نکھارتا اور کذب و افترا سے پاک کرتا ہے۔ گزشتہ چند صدیوں میں قرآن کی تائید کا قدرتی سامان بھی ہوگیا ہے۔ مختلف مقاموں سے توریت کے مخطوطے برآمد ہو رہے ہیں اور ابتدائی مطبوعہ نسخوں سے ان کا مقابلہ کرنے پر تحریف، سہو، حذف و اضافہ سب ہی قسم کی ایک دو نہیں ہزاروں غلطیوں یا اختلافات کا پتہ چل رہا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں جہاں ہٹلر یہودیوں کے حق میں بخت نصر ثانی ثابت ہوا وہیں خود فلسطین میں یہودیوں کو تاحال قدیم ترین توریت چند عرب بدویوں کی مہربانی سے ایک پرانے کھنڈر میں خون لگی محفوظ ملی ہے۔ یہ سنہ عیسوی کے آغاز یا اس کے لگ بھگ زمانے کا لکھا ہوا مخطوطہ ہے اور ابتدائی قرأت ہی میں مروجہ توریت کی متعدد مقامات پر اہم تصحیح کرتا پایا گیا ہے۔ اگر اسے دیانتداری سے ایڈٹ کیا گیا تو توقع ہے انجیل کی الٰہی کی اسی دنیا میں کچھ اور تنزیہ ہو جائے۔ یہودیوں کے اندرونی اختلافات اور ان پر جبر کا انکار وغیرہ کا سورۂ ہود (۱۱۰) کے بعد سورۂ حٰم سجدہ (۴۵/۴۱) میں بھی ذکر ہے اور سورۂ شوریٰ (۱۴/۴۲) میں بھی اور سورۂ جاثیہ (۱۷/۴۵) میں بھی۔ ہر جگہ یہودیوں کے انبیاء کی تعریف و توصیف اور یہودیوں پر خدا کے انعام و احسان کا بار بار ذکر ہے۔ حتیٰ کہ آخرالذکر آیت سورۂ جاثیہ نے تو حد کر دی کہ:۔

ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبٰت	ہم نے بنی اسرائیل کو دی کتاب اور حکمت اور نبوت اور کھانے کو دیں انہیں

Marfat.com

وفضلنٰھم علی العٰلمین واٰتینٰھم بیّنٰتٍ من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم۔

بہترین چیزیں اور طیبات دی ان کو تمام جہانوں پر اور دیے ان کو صاف صاف امر و احکام۔ پھر اختلاف کیا انہوں نے مگر علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی نزاع و بغاوت کے باعث۔

پھر سورۂ احقاف (پ ۲۶) نازل ہوتا ہے۔ اس میں کتاب موسیٰ اماماً و رحمۃ وھٰذا کتابٌ مصدقٌ لساناً عربیاً (پ ۲۶) کہہ کر توریت کی توصیف کی گئی۔ اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ مؤید قرار دیا۔ سورۂ انبیاء (پ ۱۷) میں جو ذرا بعد میں نازل ہوا، توریت کو الفرقان و ضیاء کے القاب دیئے گئے ہیں۔

قرآن کی تبلیغی ضرورتیں تھیں کہ مذکورۂ بالا دکھایا گیا۔ سورۂ کے بعد پھر کا کی خالص عقائدی و توحیدی سورۂ غاشیہ (پ ۳۰) نازل ہوتا ہے جس میں عذاب سے انسانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر مکرر کا بالا سورۂ کہف (پ ۱۵) نازل ہوتا ہے۔

ضرب المثلوں، کہانیوں وغیرہ کا منشا استدلال میں زور اور شگفتگی پیدا کرلینے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے سچ تو یہ ہے کہ ان قصوں کی بحث میں پڑنا کہ اصحاب کہف کا زمانہ کون سا ہے، ان کی تعداد کیا تھی، وہ کیا تھے، ان کا غار کہاں تھا وغیرہ قرآن کے موضوع بحث کے لئے جو انسانوں کی نصیحت و رہبری ہے، کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ تاہم علوم انسانی سے فائدہ اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

Marfat.com

قصہ موسیٰ و آب حیات پر (جس سے مچھلی زندہ ہوگئی) شاید یہاں کچھ بحث بے جا نہ ہو۔ اس طرح کا قصہ مختلف تمدنوں کی قومی روایتوں میں ملتا ہے۔ سکندر اعظم اور اس کے باورچی کی طرف بھی یہ قصہ منسوب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی ہزار سال بعد کا واقعہ ہے لیکن ایک قصہ جو عراق میں اینٹوں پر لکھے ہوئے کتب خانے میں ملا ہے اور جو حضرت موسیٰؑ سے قدیم تر مانا جا رہا ہے اس میں گلگامیش کی طرف بھی بعینہٖ یہی واقعہ منسوب ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً عمران کا نام دو الگ شخصیتوں کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح اگر موسیٰؑ کا نام بھی دو لوگوں کے لئے ہو تو کوئی امر مانع نہیں۔ سورۂ کہف (۶۰، وما بعد) میں موسیٰ اور طالب علمانہ سفر کا جو ذکر ہے اس میں بہ ظاہر ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ لازماً حضرت موسیٰؑ بن عمران (برادر حضرت ہارونؑ) ہی کا ہو۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ وہاں موسیٰ سے مراد گلگا موسیٰ ہی ہوں۔ (گلگامیش کے اس قصہ آب حیات اور مچھلی کے دوبارہ زندہ ہونے کی تفصیل کے لئے دیکھئے جرمن رسالہ تسامت شرلیفت فیور ماسیمود یالوگی ۱۹۱۱ء) توریت میں بھی مچھلی زندہ ہونے کا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں ملتا۔

مکی دور کی ان سورتوں میں مندرجہ ایک اور چیز کے ذکر پر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ سورۂ انعام (موجودہ تلاوتی ترتیب میں نمبر ۶ اور بہ لحاظ نزول نمبر ۵۵) میں اور پھر سورۂ نحل (تلاوت نمبر ۱۶ نزول نمبر ۷۰) میں یہودیوں کی غذائی ممانعتوں کا ذکر ہے چنانچہ اول الذکر میں (۶: ۱۴۶) ارشاد ہوا ہے کہ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر ... الآیۃ اور آخر میں ہے ذلک جزینٰھم ببغیھم ... اور آخر الذکر سورے (۱۶: ۱۱۸) میں مکرر اسی کو یاد دلایا گیا ہے کہ وعلی الذین ھادوا حرمنا ما قصصنا علیک من قبل وما ظلمنٰھم گمان یہ ہوتا ہے کہ

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان غیر ضروری ممانعتوں کو منسوخ قرار دیا (۱۵۷) تو یہودی نصیحت کرنے لگے اور جاہل اہل مکہ کو بھڑکانے لگے۔ اس پر خود یہودیوں کی سرزنش مناسب نظر آئی اور انھیں یاد دلایا گیا کہ وہ چیزیں ایک کفارے کے طور پر ان کے لیے ممنوع قرار دی گئی تھیں، فی نفسہ وہ بری نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ بے قصور عربوں اور مسلمانوں کو خدا کی پیدا کردہ ان نعمتوں سے محروم رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔

نظر بازگشت جیسا کہ ہم نے کہا، مکی دور کے سلسلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے تعلقات پر ہمیں کوئی بیرونی شہادتیں یا واقعات نہیں ملتے۔ قرآنی تذکروں کی اندرونی شہادت کی مدد سے تعلقات کا جو ارتقا اوپر دکھایا گیا، اس میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ اسلام اور یہودیوں میں کبیدگی پیدا ہوگئی اور روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ایک آیت جو اگرچہ ایک مدنی سورے (۵۴) میں ملتی ہے لیکن جس کے متعلق بعض بیرونی شہادتوں سے تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ وہ مکی ہے اور ہجرت حبشہ کے وقت نجاشی کے نام جو نامۂ تعارف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی جعفر طیار کو دیا تھا، اس میں مندرج ہے، ایک عظیم کوشش کا آغاز معلوم ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور عام اہل عرب سب ملت ابراہیمی پر مجتمع ہو جائیں یعنی :-

یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا ..

یہ کوشش ہجرت مدینہ کے بعد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ عہد

نبوی میں تو ناکام رہی مگر پیشکش موجود ہے۔ اس پر مزید بحث آگے عہد نبوی کے دور کے متعلق ہمیں اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ملی۔ اب مدنی دور کا مطالعہ کرتا ہے جو اہم واقعات سے لبریز ہے۔

صفحہ ۳۳۴ کا تتمہ

طبری وغیرہ مفسروں نے آیت لا اکراہ فی الدین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں انصار کا مدینہ منورہ میں رواج تھا کہ لاولد لوگ منت مانتے تھے کہ ان کی اولاد زندہ رہی تو اسے یہودی بنا دیں گے بنوالنضیر کے اخراج کے وقت ایسے متعدد نوعمر عربی النسل یہودی بچے یہودیوں کے پاس تھے اور اُن کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ انصار نے ان کو روک لینا اور جبراً مسلمان بنانا چاہا تو رسول اکرم نے اسے خلاف عہد سمجھکر اجازت نہ دی۔

یہودیوں سے تعلقات ہجرت کے بعد

(۲)

مدینہ طیبہ کا قدیم ترین نام طابت ملتا ہے۔ پھر طیبہ (بغیر تشدید) کے۔ اس کا ایک محلہ جو ابتداءً الگ گاؤں ہوگا) یثرب کہلاتا تھا یہ اب جبل احد کے جنوب مغرب میں بتایا جاتا ہے، جہاں پانی اور نخلستان کثرت سے ہیں۔ مدینہ بھی خاصا قدیم نام ہے جس سے یہودیوں ہی کے ایک مرکز کا نام تھا۔ بہر حال وہ زمانہ اسلام میں مدینۃ النبی کے نام سے پورے عرب میں مشہور رہا۔

اس بستی میں یہودی آبادی خاصی قدیم تھی۔ لیکن اس میں عربیت اتنی آ گئی تھی کہ ان لوگوں کے نام اور گھریلو زبان بھی خالص عربی ہو گئے تھے اور تاریخ میں قبیلہ وار بٹ گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی تنظیم تھی۔ ان کا ایک بیت المدراش تھا جو نیم عدالتی نیم علمی گویا دار الافتاء تھا۔ ان میں قبیلہ وار کنز بھی تھا یعنی وہ مال جو وہ اتفاقی قومی ضروریات کے لئے چندہ کر کے جمع کیا کرتے تھے۔ یہاں یہ امر قدرے حل طلب ہے کہ مدینے کے یہودیوں کی پوری تاریخ سے پتہ نہیں [illegible] وادی کم ہے، یا مدینے پر یہودی اقتدار کے [illegible] (حکمراں) کی حکمداری کی تحقیق کی جاسکے۔ لیکن بہرحال [illegible] مدینے کے یہودی عہد میں ہو دوں انتقین [illegible] ایک [illegible] نام پر بڑ [illegible] متصل ایک پہاڑی پر بنی خدمت [illegible] کتاب ([illegible]) تک موجود تھے جن میں لوگوں کے

ناموں کے سوا کوئی چیز نہیں۔ معلوم نہیں یہ کتبے کب کے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ کی آبادی کے دو بڑے طبقے ہو گئے تھے بت پرست عرب اور یہودی۔ ان میں آپس میں بھی پھوٹ تھی اور نتیجہ یہ تھا کہ چند عرب اور چند یہودی قبائل ایک طرف اور باقی عرب اور باقی یہودی قبائل دوسری طرف حلیف کر چکے تھے اور ان میں وقتاً فوقتاً خونریزی بھی ہوتی رہتی تھی۔ ایسی آخری جنگ جو یوم بُعاث کے نام سے مشہور ہے، اتنی تلخ رہی تھی کہ اب اہل مکہ سے بھی اس میں شرکت کی کوشش ہونے لگی تھی اور ایسی ہی کوشش کے ایک وفد سے بیعت عقبہ عمل میں آئی تھی۔

یہودی مدینے کی زراعت، تجارت اور صنعت پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں (صحیح بخاری ۳۴/۹) مگر عرب تو جن اسباب سے بھی اسلام کی طرف مائل ہوئے ہوں، ان یہودیوں کے لئے کوئی خاص ترغیب بظاہر نہ تھی۔ وہ ایک پرانا مذہب رکھتے تھے۔ اور اس پر وہ شدت سے دل بستہ تھے۔ اور ان کی دینی و دنیوی ضرورتیں اس سے بہرحال پوری ہو رہی تھیں۔ ان کی مالی و معاشی حالت بھی ہمسایوں سے اچھی تھی ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ ان کے پاس ایک الہامی کتاب تھی اور اس طرح وہ ذہنی حیثیت سے بھی اپنے لئے یہودی عربوں پر ایک فوقیت محسوس کرتے تھے۔

بے شبہہ ان کی مذہبی روایتوں میں ایک آخری نبی کی بشارت اور پیشگوئی تھی۔ لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ اس کے عربوں میں سے ہونے کی کس حد تک توقع کرتے تھے۔ البتہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت وہ

Marfat.com

ایسے نبی کی آمد کا انتظار ضرور کر رہے تھے جیسا کہ یورپی مورخ بھی اب تسلیم کرنے لگے ہیں۔ مگر یہودی یہ چاہتے تھے کہ اس نبی کی مدد سے خود یکسر اس جماعت پر غالب آ جائیں اگرچہ بعض اکابر حضرت اللہ تعالیٰ کی عمومیت انہیں پسند نہ آسکتی تھی۔ لیکن خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ آنے اور پناہ گزین مہاجرین مکہ کے فوری کام سے فارغ ہونے کے بعد یہودیوں کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔ مکی عہد کے اواخر میں توریت کی بشارتوں پر زور دیا جانا شروع ہو چکا تھا اور اب یکا یک ہزاروں یہودیوں سے رات دن شہر کی گلیوں میں مڈبھیڑ رہتی تھی۔ ویسے بھی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں سے جب تک شہر مدینہ کی اس تقریباً پچاس فی صدی آبادی سے سمجھوتہ نہ ہو، کوئی انتظام قابل اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۴۰ میں بنی قینقاع سے تعلقات کے سلسلے میں جو تبلیغی انداز ہے وہ قدیم ترین معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ان کو آپ حلف دے دے کر پوچھتے تھے کہ "کیا توریت میں میری پیشینگوئی نہیں ہے۔ اگر تم قسم کھا کر کہو کہ نہیں ہے تو پھر تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اسی مفہوم کا ایک مکتوب نبوی بھی ملتا ہے جو خیبر کے یہودیوں کے نام ہے۔ اس میں ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں اور توریت کی بشارتوں کے مصداق پر ایمان لانے کی دعوت یہی کہہ کر دی گئی ہے کہ اگر واقعی توریت میں ذکر نہ ہو تو پھر تم سے کوئی خصوصی مطالبہ نہیں۔ غالباً یہ مکتوب بھی اسی زمانے کا ہے اور مخصوص قاصد کے ذریعے سے خیبر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ مسلسل ایسے اتفاقات ہی پیش آتے رہے جن سے تعلقات کبیدہ سے

کبیدہ تر ہی ہوتے چلے گئے۔

یہ تو ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ صحیفہ یعنی شہری مملکت مدینہ کا دستور (جس میں یہودی بھی ساتھ شریک ہوئے اور جس کی تفصیل کے لئے کتاب عہد نبوی کا نظام حکمرانی جلد اول میں متعلقہ باب ملاحظہ ہو) کب مرتب اور نافذ ہوا۔ لیکن مورخ یہ صراحت کرتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی سب سے پہلے بنی قینقاع نے کی۔ واقعات کی پوری تفصیل تاریخوں نے محفوظ نہیں کی۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۲ھ کے وسط میں ان یہودیوں نے زمانہ جاہلیت کی بعض گندہ عادتوں کے تحت ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی جس پر کچھ کشت و خون ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست یہ تھی کہ ہر چیز پر تبلیغ دین مقدم رہے۔ چنانچہ اس عہد شکنی اور فساد کے سلسلے میں بھی آپؐ نے ان کے پاس جا کر انھیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ انھوں نے نہ معلوم کیا کیا جواب دیا کہ بات بڑھ گئی اور مسلمانوں نے ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ دن کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غیر مشروط اطاعت پر یہ منظور فرمایا کہ یہ لوگ تین دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں مگر ہتیار ضبط کر لئے گئے۔ ان کے اخراج کی نگرانی کے لئے آں حضرتؐ نے بروایت طبری ایک خصوصی افسر مقرر فرمایا تھا۔ ان کی تعداد سات سو بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اذرعات (فلسطین) جا بسے۔

یہاں دو ایک امور قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض بعد کے سالوں میں بھی مدینے میں بنی قینقاع کے یہودیوں کا پتہ چلتا ہے (جیسا کہ آگے ذکر آئیگا)

معلوم نہیں آیا ان کے پورے قبیلے کی جلا وطنی ہوئی یا صرف چند کی۔ اگر سب کی ہوئی تو آیا بعد میں ان کے متعین افراد کو معافی دے کر اجازت عطا ہوئی کہ مدینے میں آ رہیں اور اپنی دست کاری یعنی سُنار کا کام انجام دیں۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ جن مؤلفوں نے بعد کے زمانے میں ان کا ذکر کیا ہے، وہ کوئی سہو بیانی ہو کر بنی قینقاع کے یہودیوں نے ۳ھ میں معرکۂ احد میں مسلمانوں کو (ابن سعد ۱/۲ ۳۴) اپنے تعاون کا پیش کش کیا۔ ۵ھ میں بنی قریظہ سے جنگ ہوئی تو بھی (مبسوط سرخسی ۱۰/۲۲ نیز الاصل للشیبانی) مسلمانوں کا ہاتھ بٹایا اور ۷ھ میں خیبر میں بھی مسلمانوں کو مدد دی اور انعام حاصل کیا (سنن کبریٰ بیہقی ۹/۵۴) مگر ایک بار سہو بیانی ہو گی، بار بار نہیں۔ بہر حال یہ لوگ زراعت پیشہ نہیں بلکہ دست کار تھے۔ ان کے رہنے کے مکانوں کی جگہ آج مدینہ منورہ میں، چٹیل میدان کے سوا کچھ باقی نہیں۔ تاریخ میں سُوقِ بنی قینقاع کا بھی ذکر آتا ہے۔ غالباً یہ دستکاری کے علاوہ تجارت بھی کرتے تھے۔ انصار کے بعض قبائل کی بنی قینقاع سے تا حال دفاعی حلیفی تھی لیکن اب ان مسلمان انصار نے اس حلیفی سے دستبرداری دی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ البتہ ان کی اطاعت کے بعد بہ پاس حلیفی ان کے ساتھ نرمی کی سفارش ضرور کی۔ اس لڑائی میں دیگر یہودی ناطرفدار رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں سے معاہدہ اجتماعی نہ تھا بلکہ ہر ہر یہودی قبیلے کے ساتھ انفرادی طور پر ہوا تھا۔ دستور مدینہ کے معاہدے میں قینقاع کا نام بھی نہیں ہے بلکہ ان کی بھی ہر شاخ کا الگ الگ نام ہے۔ یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ دستور مدینہ میں مذکور ان قبیلوں

میں سے کونسے بنو قینقاع کے ہیں، کونسے بنو النضیر کے اور کونسے بنو قریظہ کے۔

یہودیوں میں آپس میں جتنی بھی پھوٹ رہے، غیروں کے مقابلے میں وہ اپنوں کی پچ بہت کرتے ہیں۔ بنی قینقاع کی جلاوطنی کے بعد مدینے کے باقی یہودی اسلام اور مسلمانوں سے دل ہی دل میں کھٹک گئے ہوں تو بعید نہیں۔ لیکن دو سال تک ان کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ گمان کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرتؐ ان میں تبلیغ کرتے رہے ہوں گے اور مباحثہ مناظرہ بھی عام مسلمانوں سے ہوتا رہا ہوگا۔ اور معدودے چند کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا ہوگا۔ سورۂ بقرہ ہجرت کے بعد نازل شدہ پہلی سورت سمجھی جاتی ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک بنی اسرائیل ہی کا قصہ ہے اور ان مباحثوں کو گویا جیتا جاگتا تذکرہ ہے۔ ان کو خدا کی وہ نعمتیں یاد دلائی جاتی ہیں جو پے درپے ان پر ہوتی رہیں۔ ان کی طرح طرح سے دلداری کی جاتی ہے۔ ان کے متعلق ایک ہی سورے میں دو دو مرتبہ صراحت کے ساتھ "فضلتکم علی العلمین" (قرآن ۲/۴۷-۱۲۲) تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہیں کی مذہبی کتابوں میں رسول عربیؐ کی آمد کی جو پیشین گوئیاں ہیں وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں ان کے تمام انبیاء کو مسلمانوں کے بھی انبیاء تسلیم کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہنا چاہیئے کہ انہیں ایک بنیادی مذہب کے (جو اقل قلیل معتقدات پر مبنی تھا) قبول کرنے میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کہ "مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابی سب اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور عمل صالح کرتے رہیں" (قرآن ۲/۶۲ نیز ۵/۶۹) لیکن "کسان نہیں مسلمان ہوتا" پھر بھی ابھی ہمارے اس پیکر استقلال صلی اللہ

علیہ وسلم کو ان سے بالکل ہی مایوسی نہیں ہو گئی ہو گی۔
اس اثناء میں بیت المقدس کی جگہ کعبے کو مسلمانوں نے اپنا قبلہ بنا لیا۔
یہودی اس پر بھی جھنجھلائے ہوں گے۔

بنی قینقاع کے واقعے کو چند ہی مہینے گزرے تھے کہ احد کا معرکہ پیش آیا، جس میں قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچا اور اسلامی حکومت ختم ہوتے ہوتے رہ گئی۔ یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ اس میں یہودیوں کا کتنا ہاتھ تھا[1] لیکن ابن کثیر وغیرہ سے اس کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد کعب بن الاشرف نامی ایک یہودی (جس کی ماں بنو النضیر کے قبائل سے تعلق رکھتی تھی) قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی خفیہ دعوت دیتا اور اپنی مدد کا یقین دلاتا رہا۔ گمان غالب ہے کہ یہ بنو قینقاع کے حادثے کے بعد کا واقعہ

---

[1] دستور مدینہ کے تحت یہود کا فریضہ تھا کہ بیرونی حملہ آور کی دفاع میں برابر کا حصہ لیتے مگر عام یہودی نہ صرف یہ کہ مدد نہیں دیتے بلکہ منافقوں کے تین سو کے دستے نے (جو پوری اسلامی فوج کا ایک تہائی تھا) عین وقت پر خذل کر کے اور دغا دے کر مسلمانوں میں ہراسانی ہی پھیلانی چاہی تھی۔ ان میں کچھ یہودی بھی ہوں گے۔ ان پر یہودی اثرات تو ناقابل انکار ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو گی کہ امام زہری کے مطابق۔ (دیکھو ابن کثیر $\frac{4}{14}$) :۔

"انصار نے رسول اللہ سے اُحد کے موقع پر اپنے حلیف یہودیان مدینہ سے مدد لینے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہمیں ان کی حاجت نہیں"
بنی قینقاع میں اشتباہ ہے کہ یہاں وہی مراد ہیں یا کسی دوسرے قبیلے کے۔

Marfat.com

حکومت اسلامیہ کی خبر رسانی کا نظام قابل رشک تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازباز کی اطلاع ہو گئی اور مسلمان مورخ صراحت سے تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے روانہ کردہ کارندوں نے اس غدار باغی کو دُنیا سے رخصت کر دیا۔

کعب بن الاشرف اپنی عاشق مزاجی کے لئے بدنام تھا۔ اس کردڑپتی کی اپنی دولت کو اس سلسلے میں لٹانا عربوں ہی میں نہیں، یہودیوں میں بھی اس کے خلاف غم و غصے کے جذبات بھڑکاتا رہا ہوگا۔ چنانچہ اس کے قتل پر کوئی ردِ عمل مدینے کی یہودی آبادی میں نہیں ہوتا۔ کعب کا شاندار محل نہ معلوم کتنا پُرتکلف رہا ہوگا۔ آج بھی اس کے کھنڈر مدینے کے جنوب میں سیاح کو متاثر کر دیتے ہیں یہ قصر ایک اچھا خاصا قلعہ ہے۔ محاصرے کی صورت میں اس کے اندر پانی کا انتظام ہے اور صرف ایک کنواں ہی نہیں بلکہ ایک شاندار حوض بھی جس کے کئی حصے ہیں اور ایک دوسرے میں نلکوں (پائپ) کا اتصال ہے۔ بظاہر پانی کی صفائی کا انتظام تھا۔

صحیفۂ مدینہ میں یہودیوں سے علاوہ دفاعی حلیفی کے سماجی بیمے میں شرکت کا بھی اقرار تھا یعنی اگر کوئی خوں بہا ہرجانہ دینا ہو تو تعاون کیا جائے گا معرکۂ اُحد کو چند مہینے گزرے تھے کہ ۴ھ میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ معمولی وسائل سے توجہ دہانی کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود متعلقہ قبائل یعنی بنو النضیر کی بستی میں بعض اکابر صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور صورتِ حال سے آگاہ کر کے معاہداتی فرائض یاد دلائے۔ انھوں نے

Marfat.com

تاں سٹول کی اور انتظار کرایا۔ دھوپ تیز ہونے لگی تو مورخ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی گڑھی کے سامنے میں جا بیٹھے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ گڑھی پر سے چکی کے پاٹ گرا کر کعب بن الاشرف وغیرہ کا انتقام لیا جائے (تاریخ نے مدینے وغیرہ میں اور بھی اس طرح کے یہودی حوادث کا ذکر کیا ہے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل گیا اور آپ اس طرح وہاں سے چلے گئے کہ شبہ نہ پیدا ہو۔ لیکن یہ اعلانِ جنگ تھا۔

چنانچہ بنو النضیر کی گھنے نخلستان سے گھری ہوئی بستی کا محاصرہ کیا گیا جو مدینے کے جنوب میں ہے اور جب کافی کشمکش کے بعد جس میں جنگی ضرورتوں سے ان کے نخلستانوں کا کچھ حصہ بھی (حسب بیان قرآن) کاٹ کر صاف کرنا پڑا تھا، انھوں نے اطاعت قبول کی تو ان کے ساتھ کافی رعایت کی گئی۔ ہر شخص کو ایک ایک اونٹ سامان لے کر مدینے سے چلے جانے کی اجازت دی گئی۔ ہتھیار اس سے مستثنیٰ تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ انھوں نے سرزوری دکھائی اور گاتے بجاتے اس طرح مدینے سے گئے گویا فتح انہیں کی ہوئی ہے۔ انھوں نے گھر اور باغ تو بے شک چھوڑے لیکن اثاث البیت میں سے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ لے گئے اور دعدے کی فیاضانہ تعبیر کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سب کو روا رکھا (طبری صفحہ ۱۴۵۲)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنو النضیر نے جلاوطنی کے حکم پر توجہ دلائی کہ ان کے قرضے مقامی باشندوں سے وصول طلب ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ضعوا و تعجلوا" (تم کچھ گھٹا کر میعاد سے قبل بے باق کرا لو)

(سرخسی سیر کبیر ۲۳/۳) ان کو باوجود دشمن ہونے کے حق تھا کہ اپنے قرضے وقت پر واپس پائیں۔ تعجیل ادا کے لئے مدیونوں سے کوئی نیا راضی نامہ کرلینے کا انہیں اختیار تسلیم کیا گیا۔ ان کی جائداد غیر منقولہ جو صلحاً ہاتھ آئی تھی حکومت کی ملکیت ہوگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ تو اپنے صرف خاص کے لئے رکھا اور باقی کو انصار کی اجازت لے کر صرف مہاجرین میں تقسیم فرمایا بجز دو غریب انصاریوں کے اور دو نومسلم نضیریوں کے جائداد انہیں کو واپس دیدی گئی (طبری صفحہ ۱۴۵۴) بخاری نے کتاب البیوع میں ایک حدیث لکھی ہے کہ یہودیوں کو جلا وطن کرتے وقت آں حضرت نے انہیں اجازت دی کہ اپنی زمین فروخت کردیں مگر کوئی مزید تفصیل نہیں لکھی معلوم نہیں کب کا واقعہ ہے۔

ایک ذیلی تفصیل یہ ہے کہ بنو النضیر کے محاصرے کے وقت اسلامی پڑاؤ ایسے مقام پر ڈالا گیا جو بنو النضیر اور بنو قریظہ کی بستیوں کے مابین تھا۔ منشا ظاہر ہے کہ یہ تھا کہ آخر الذکر کی خفیہ جنگی امداد کا ممکنہ انسداد کیا جائے۔ اس اسلامی پڑاؤ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی جگہ آج بھی ایک یادگار مسجد فضیخ موجود ہے۔ یہ خیمہ لکڑی کا تھا تاکہ تیروں سے محفوظ رہے (سیرۃ شامیہ)

یہ خیال کرنا معقول ہے کہ اسلام اور یہودیوں کے تعلقات اب بہت کشیدہ ہوگئے تھے اور یہ کہ تبلیغ اسلامی کی کوششوں پر اب یہودی رذائل اخلاق و تہذیب سے بھی گرتا جاتا ہوگا۔ مسجد نبوی کے وعظوں میں ان کے برگشتہ نوجوانوں کا آکر دل کے پھپولے پھوڑنا اور "السلام علیک" (تجھ پر سلامتی) کی جگہ "السام علیک" (تجھ پر موت) یا راعنا (ہم پر توجہ یا رعایت کر) کی

Marfat.com

جگہ زبان موڑ کر غالباً "راعینا" (ہمارا چرواہا) کہنا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح توہین کی کہ انہیں یا کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائی اور اسی طرح کی طفلانہ حرکتیں سرزد ہونے لگیں وہ خود دین اسلام کا بھی طرح طرح سے ٹھٹول کرنے لگے (قرآن ۵/۵۷) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کرانہ فروشوں سے غلہ ادھار بھی خرید فرمایا کرتے تھے ان میں سے بھی بعض لوگ گستاخی اور بدزبانی سے پیش آتے۔ لیکن آپؐ کا خلق عظیم ایک نمونہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے "السام علیک" پر آپ کی توجہ منعطف کرائی تو آپؐ نے کہا ہاں میں ان کو جواب میں "و علیک" (اور تجھ پر بھی) کہہ دیتا ہوں "راعنا" کے سلسلے میں قرآن نے (۲/۱۰۴) مسلمانوں کو تعلیم دی کہ وہ ایک مترادف لیکن دوسرا لفظ "انظرنا" استعمال کیا کریں تاکہ یہودیوں کو ایک مروّج محاورے سے بیجا فائدہ اٹھانے اور خفیہ گستاخی کرنے کا موقع نہ ملے (علانیہ کی ظاہر ہے کہ انہیں کیا جرات ہوتی) کرانہ فروش کے واقعہ میں مورّخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے حق سے زیادہ ہی رقم قرض کی ادائی میں دلا کر رخصت کیا۔ دین کی ٹھٹول پر بھی اپنی وسعت قلبی سے جواب جاہلاں باشد خموشی سے زیادہ کچھ نہ کیا۔

البتہ قرآن مجید کی تازہ وحیوں میں یہود کے متعلق انداز بیان درشت تر ہوتا چلا گیا۔ ان پر ایک مذہبی کتابوں میں تحریف کرنے (۴/۴۶، ۵/۱۳) بیسیوں کی خاطر جھوٹے خلاف شرع فتوے اپنی ملت والوں کو دے کر انہیں گمراہ کرنے (۵/۴۱) سود خواری وحرام خوری (۵/۶۲، ۴/۱۶۱) توریت کے احکام کو علی العموم پس پشت

ڈالنے (۲/۷۵) اور اپنے انبیاء تک کو بہ کثرت قتل کرنے (۲/۶۱) وغیرہ کے ان پر الزام لگائے گئے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت کے لئے جانے (۵/۷۸) اور دیگر مماثل امور کا ذکر کرکے کہ گویا مسلمانوں کو تشفی دی جانے لگی کہ یہ قوم سدا سے ایسی ہی رہی ہے۔ اس کے ایمان نہ لانے سے دلگیر نہ ہونا اور یہ کہ ان گمراہیوں اور کفر ہی کے باعث ان پر ذلت اور مسکنت یعنی غریب الوطنی کا عذاب صدیوں سے نازل ہے۔

لیکن ان روز افزوں سیاسی کشیدگیوں کے باوجود ان کی کسی حق بات سے انکار نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ اور آخر تک یہی کہا جاتا رہا کہ توریت ایک ہدایت اور ایک خدائی کتاب ہے۔ یہودیوں کو اس کی کامل تعمیل کرنی چاہیئے (۵/۴۴) یہودیوں اور دیگر اہل کتاب کا ذبیحہ اور پکوان نیز ان کی لڑکیوں سے نکاح مسلمان کے لئے جائز قرار دیا گیا (۵/۵) جن چیزوں میں راست وحی کے ذریعے سے قانون سازی نہ ہوتی تو مسلمانوں کو یہود وغیرہ اہل کتاب کے عمل کے پابند رہنے کا حکم دیا گیا جہاں قرآن میں اس کا نظری حکم ہے (فبھداھم اقتدہ) وہیں بخاری و ترمذی میں (مثلاً بالوں کی مانگ نکالنے کے سلسلے میں) نظائر بھی موجود ہیں اور صریح تر حکم بھی ہے۔

بنو النضیر کو اپنی جلاوطنی پر بڑا دکھ ہوا۔ وہ خیبر جاکر بسے اور وہاں کے سردار و سربرآوردہ لوگ بن گئے۔ لیکن ان کی ساری توانائیاں صرف انتقام کی تیاری میں خرچ ہونے لگیں۔ انھیں کے وفد ایک طرف مکہ جاکر قریش کو مدینے پر حملے کے لئے اکساتے اور اپنی مدد کا اطمینان دلاتے

Marfat.com

ہیں تو دوسری طرف غطفان و فزارہ کے لیٹرے قبائل کو بھی مدینے پر حملے اور لوٹ کی چاٹ دلاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احزاب کا معرکۂ خندق میں مدینے کا محاصرہ کرنے آنا ان یہودیوں ہی کی کوشش کے باعث تھا۔

مدینے کا معاشی مقاطعہ اور مدینے جانے والے قافلوں کو دومۃ الجندل وغیرہ میں ہراساں کرنا بھی انہیں کے اثرات کی غمازی کرتا ہے۔ خندق کے محاصرے کے دوران میں بنو قریظہ کے یہودی جو ابھی مدینے میں تھے حُیی بن اخطب وغیرہ ان نفری یہودیوں ہی کے ورغلانے سے دغا بازی پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور خندق کی معرکہ آرائی کے بعد بھی یہ مایوس ہوئے بغیر اپنی سازشوں میں لگے رہے۔

شوال ۵ھ میں قریش و احزاب نے مدینے کا محاصرہ کیا۔ پیشگی اطلاع مل جانے کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کے لئے شہر کے کھلے حصے میں خندق کھدوائی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس میں بنو قریظہ نے سبل، پھاوڑے کدال وغیرہ اوزار مسلمانوں مستعار دیئے تھے۔ (مغازی واقدی۔ مخطوطہ برٹش میوزیم صفحہ ۱۰۲ ب) لیکن ان کی کسی عملی مدد کا پتہ نہیں چلتا بلکہ محاصرے کے آخری زمانے میں اُنھوں نے دغا کی تیاری بھی کی[۱] اور بعد ازاں صاف پر لانے عہد و پیمان کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا۔ مسلمان عورتیں بچے جن گڑھیوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے وہاں یہ منڈلانے اور بدنیتی سے مواقع تلاش کرنے لگے۔ بہرحال مسلمانوں کی زبردست سفارتی اور سیاسی

[۱] ایک رات خدشہ تھا کہ یہ سچ مچ حملہ کر بیٹھیں گے آں حضرتؐ نے پانچ سو سپاہی بھیجے جو رات بھر ان کی بستی کے پاس تکبیریں لگاتے رہے اس سے یہ ڈر گئے (قنانی)

Marfat.com

جدوجہد کے باعث ان میں اور احزاب میں ایکا نہ ہونے دیا گیا اور جب قریش وغیرہ محاصرہ اُٹھا کر چلے گئے تو انہیں غداری کا وبال چکھنا ناگزیر تھا۔ ان کی بستی کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ اس میں شہر کے دیگر یہودیوں نے بھی مسلمانوں کی مدد کی۔ خاص کر بنو قینقاع کے باقی ماندہ یہودیوں نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا معلوم ہوتا ہے کہ بنو قریظہ کے سلوک سے یہ یہودی نالاں تھے۔ کافی مدت کے بعد قریظہ والوں نے ہتھیار ڈالے اور اسے منظور کیا کہ ان کے سابق انصاری حلیف ان کے متعلق جو فیصلہ کریں وہ نافذ کیا جائے۔ بنو النضیر کے حلیفوں نے جان بخشی کرائی تھی۔ بنو قریظہ کے حلیف ان کے پچھلے برتاؤ سے ناراض ہوں گے۔ انھوں نے حکم دیا کہ توریت میں مفتوح دشمن کے ساتھ جو برتاؤ کرنے کا یہودیوں کو حکم ہے وہی برتاؤ ان یہودیوں سے کیا جائے رحمۃ للعلمین مجبور ہو گئے اور حکم دیا کہ تمام بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں بچوں کو غلام بنا کر ان کی پوری جائداد کو غنیمت بنا لیا جائے۔ عورتوں کو قتل اسی لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ لڑتی نہیں ہیں ورنہ اسی معرکے میں ایک یہودی عورت نے ایک گڑھی کے اوپر سے چکی کے پاٹ نیچے گرائے جس سے ایک انجان مسلمان سپاہی شہید ہو گیا۔ اس جنگی جرم کی سزا میں اس عورت کو بھی گرفتاری کے بعد سزائے موت دی گئی۔ (سیرت ابن ہشام) مالِ غنیمت میں سے حکومت نے اپنے حصّے کی لونڈیوں کو ہراج کر کے اس کی آمدنی سے بروایت سیرت شامی شام اور نجد کے بازاروں میں اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔ زمینیں، مکان، باغ وغیرہ جائداد غیر منقولہ عام سپاہیوں میں بانٹ دی گئی۔ (بلاذری)

اب مدینے میں یہودی بہت کم رہ گئے۔ ان کی شرارتیں کم ہوگئیں تو اسلامی حکومت کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ انتہائی مرحمت کا ہوگیا۔ ان کے غریب قبائل کو سرکاری خزانے سے روزینے مقرر ہوگئے (جیسے بنو عُریض۔ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ کے مشرقی سرے پر اب بھی ان کی بستی مسجد عریض کے نام سے موجود نظر آتی ہے) ان کو شہر میں تجارت وحرفت کی پوری آزادی رہی حتیٰ کہ خود رسول اکرمؐ کی ایک زرہ کرایہ اُدھار لینے کے باعث ایک یہودی کے پاس گرو تھی اور اسی حالت میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ یہودی ہمسایوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدارات کرتے اور بنفس نفیس ان کے بیماروں کی عیادت کرتے ان کے جنازے گلیوں میں سے گزرتے اور آپؐ بیٹھے ہوئے ہوتے تو موت کے خدائی فعل کے احترام میں اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔

بنو قریظہ کے خاتمے پر خیبر کے بنو النضیر وغیرہ کی آتش غضب اور بھی بھڑک اُٹھی۔ سرخسی (شرح سیر کبیر ۱/۲) کے مطابق ان میں اور مکے والوں میں یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ اگر اب مسلمان انسدادی مہم کے لئے مکے کی طرف جائیں تو خیبری اور اگر خیبر کی طرف جائیں تو مکی لوگ مدینے پر (جو فوجوں سے خالی رہیگا) چڑھ دوڑیں اور شہر کو لوٹ لیں اور اگر کسی طرف بھی نہ جا کر مدینے میں رہیں تو وسیع تر تیاریوں سے خندق ثانی کا انتظام ہو رہا تھا۔

سیاست کاری کے شہ کار صلح حدیبیہ نے اس حلیفی کا خاتمہ کیا اور قریشی اور خیبری محور ٹوٹ گیا اور جب خیبر کی مہم میں اس طرح قریش کی ناطرفداری کا یقین ہوگیا تو مہینے بھر بعد ہی محرم ۷ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

خیبر کا محاصرہ فرمالیتے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ مہم خیبر کی تیاریاں مدینے کے یہودیوں پر شاق گزریں مگر وہ اس کی رازمیں اطلاع خیبر کو دینے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ امام ابو یوسف کے بیان کے مطابق تو بنی قینقاع نے آں حضرت کی مدد کی اور مال غنیمت سے انعام پایا (رد علی سیر الاوزاعی صفحہ ۴۰ و تعلیق سنن کبریٰ بیہقی ۹/۵۳) میں ان یہودیوں کی تعداد صرف دس بیان ہوئی ہے بہرحال کافی جمعیت مدینے میں رہی اور پندرہ سو جانباز خیبر گئے۔ فزارہ و غطفان خیبر کے حلیف تھے۔ راستے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ناظر فیصلہ رہنے کا حکم دیا۔ مدینے کے کھجوروں کا لالچ بھی دیا جو بے سود رہا۔ اور جب انھوں نے نہ مانا تو فوجی نقل و حرکت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تبدیلی کی کہ ان عرب قبائل کو اپنی بستیوں اور بیوی بچوں کی حفاظت ہی ضروری ہو گئی اور خیبر کی پوری معرکہ آرائی میں پھر انھوں نے کوئی حرکت نہ کی (یہ لالچی خیبر کی فتح کے بعد اپنا حصہ یا انعام مانگنے بھی بے غیرتی سے گئے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر انہیں رخصت کر دیا جیسا کہ شامی نے لکھا ہے)

خیبر کا معرکہ بڑا سخت تھا۔ آتش فشاں لاووں سے پٹے ہوئے دشوار گزار میدانوں میں جہاں جہاں کچھ زمین قدرتی آگ کی دستبرد سے بچ گئی تھی وہ زرخیز بھی تھی اور پانی کی وہاں افراط بھی۔ وہاں عظیم الشان نخلستان اب بھی ہیں اور یہودی دور کے شکستہ پرانے تالاب بھی۔ یہاں پہاڑیوں پر سات قلعے بھی تھے۔ اور یقیناً پوری بستی بیس پچیس مربع میل سے کم رقبے پر مشتمل نہ رہی ہو گی۔ ان قلعوں میں سے ایک جو حصن مرحب تھا کھنڈر ہوتے

کے باوجود آج بھی سعودی گورنر کے لئے رہائش فراہم کرتا ہے اور وہاں سے پورے شہر کا طائرانہ نظارہ ہوتا ہے۔ سد الحمید کا تالاب بھی اچھی حالت میں باقی ہے۔

خیبر کی دولت مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں شادیوں کے موقع پر انہیں سے زیورات کرائے پر لیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ ضائع شدہ زیور کا ہرجانہ دس ہزار دینار ادا کیا تھا (شرح سیر کبیر ۱۸۹/۱)

یکے بعد دیگرے یہ قلعے فتح ہوتے گئے اور بعض کی فتح میں مقامی یہودیوں نے بھی مدد دی۔ چنانچہ شامی کی روایت میں حصن الزبیر کے ایک زمین دوز راستے کا پتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی ہی سے ملا جس سے قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ مغازی واقدی (ورق ۱۰۱) میں ہے کہ محصور یہودی اپنے قلعوں پر سے مسلمانوں پر منجنیقوں سے سنگباری بھی کیا کرتے تھے۔ منجنیق کا مال غنیمت آئندہ جنگوں میں مسلمان سپاہی طائف وغیرہ کے خلاف استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی گڑھیوں کے اوپر سے چکی کے پاٹ گرا کر انجان مسلمانوں کی شہادت کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (شرح سیر کبیر ۱۸۲/۱)

دوران محاصرہ میں کسی یہودی کا ایک غلام (جو چرواہا تھا) آکر مسلمان ہو گیا اسلامی قانون کے مطابق وہ فوری آزاد ہو گیا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اپنے آقا سے خیانت نہ کرنا۔ چنانچہ وہ جانوروں کے گلے کو ہانکتا ہوا اپنے آقا کے قلعے کے قریب تک گیا پھر للکار کر جانوروں کو بھگا دیا۔ وہ عادت کے مطابق سیدھے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور یہ دیانتدار غلام واپس اسلامی پڑاؤ میں آ گیا۔

Marfat.com

شدید کشمکش کے بعد آخر سب قلعوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان سے معاہدہ یہ ہوا کہ جسم پر کے لباس کے ساتھ مع بیوی بچوں کے ایک جنی ذوگوش وہ وہاں سے جہاں ان کے سینگ سمائیں چلے جائیں (بلاذری صفحہ ۳۳)

اس علاقے میں کوئی اسلامی آبادی نہ تھی اور یہودی آبادی کے فوری اخراج پر بستی اُجڑ جاتی، باغ ویران ہو جاتے اور غلّے کی پیداوار رک کر ملک کی ضرورتوں میں دشواری ہی پیدا ہو جاتی۔ اس لئے خود یہودیوں کی خواہش پر آں حضرتؐ نے منظور فرمایا کہ تا حکم ثانی وہ خیبر میں رہیں اور اپنی زمینوں سے حسب سابق استفادہ کریں اور پیداوار نصفا نصف تقسیم ہو۔

بعد کے سالوں میں اسلامی تحصیلدار کا طرز عمل اس بٹائی میں اتنا منصفانہ ہوتا تھا کہ بے اختیار یہودی پکار اُٹھتے تھے کہ "اسی انصاف کے باعث زمین پر آسمان کھڑا ہے۔ ٹوٹ کر گر نہیں پڑتا" بٹائی کے سرکاری حصّے سے آں حضرت نے جو روزینے مقرر فرمائے اس کی دو دستاویزیں تاریخ نے محفوظ رکھی ہیں (ابن ہشام صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۶) اس میں ازواج مطہرات کے نام بھی ملتے ہیں۔ بی بی فاطمہ کا بھی۔ حضرت ابو بکر بھی ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ رشتہ دار بھی۔ بعض دیگر مردوں اور عورتوں کا بھی نام ہے اور مغازی الواقدی ورق ۱۵۸ کے مطابق داری اور اشعری لوگوں کے لئے بوقت وفات آپؐ نے اسی سے وصیت بھی فرمائی۔

صلح کے بعد مسلمان سپاہی یہودی باغوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کی شکایت آئی تو آں حضرتؐ نے مسلمان سپاہیوں کو سخت تنبیہ فرمائی اور

Marfat.com

اند یہودی معاہد کنندوں کا مال ان کی مرضی یا اپنے حق کے بغیر لینا حرام بتایا (شرح سیر کبیر ۲/۱) اسی موقع پر حضرت علی کی روایت میں متعہ (عارضی نکاح) اور گدھے کا گوشت مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا۔ امتاع مقریزی (۱/۳۲۲) کے مطابق مال غنیمت میں سے توریت کے نسخے یہودیوں کو واپس کر دیئے گئے۔ صلح کے بعد ایک یہودی عورت نے آں حضرت کی ضیافت کر کے زہر دینے کی کوشش کی۔ آں حضرت نے اسے اقرار پر معاف کر دیا۔

معاہدے کے تحت ہتھیاروں اور سونا چاندی فاتح کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ بنو النضیر کا کنز یعنی خزانہ بلدیہ لاپتہ ہو گیا۔ آں حضرت نے اس کے افسر خزانہ کے اطمینان دلانے پر کہ وہ جنگوں میں خرچ ہو گیا، یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ اگر یہ بات آئندہ جھوٹ ثابت ہوئی تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ بعد میں ایک مقامی یہودی نے چغلی کھائی کہ ایک کھنڈر میں کوئی شخص اکثر مشتبہ حالت میں گھوما کرتا ہے۔ وہاں کھدائی پر یہ خزانہ برآمد ہو گیا اور خزانچی کنانہ بن الربیع کو جھوٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور اسی کی نوجوان بیوہ (جس کی شرح سیر کبیر ۱/۱۸۲ کے مطابق رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی) بی بی صفیہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔ بی بی صفیہ کے باعث اسلامی حکومت کا برتاؤ بھی خیبر کے ساتھ نرم ہو گیا۔ اور یہ خود بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ صلۂ رحمی کرتی تھیں۔ لکھا ہے کہ جب بی بی کی وفات ہوئی تو انہوں نے اپنی ایک تہائی جائداد اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے وصیت فرمائی (زرقانی ۳/۲۹۰ بحوالہ سیر الصحابیات) اسلام ایسی صلۂ رحمی اور فراخ دلی کی حوصلہ افزائی ہی کرتا ہے

خیبر کے آس پاس کے علاقوں میں یہودی بستیاں بکثرت تھیں۔ خیبر کا انجام اس سلسلے میں دور رس اثرات کا باعث بنا۔ مبسوط سرخسی (جلد ۱۰ صفحہ ۲ تا ۴) کے مطابق بنو عذرہ بھی یہودی تھے انھوں نے بھی اب خاموشی سے اطاعت قبول کرلی۔

بلاذری[1] (صفحہ ۳۳ تا ۳۵) کا بیان ہے کہ خیبر سے واپسی میں وادی القریٰ سے آنحضرت ؐ نے اطاعت کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار پر کچھ کشمکش اور جنگ رہی اور انہیں مفتوح کی شرطیں (جو خیبر کے مماثل تھیں) مجبوراً قبول کرنی پڑیں۔ یہاں کی کچھ زمین (جو غالباً افتادہ تھی) بروایت بلاذری حمزہ الحنفی کو جاگیر میں بھی عطا فرمائی گئی۔ یہاں عمرو بن سعید بن العاص کو عہد نبوی میں گورنر بنایا گیا (صفدی ۸۴ تا ۸۵) مدینے کے رخ میں فدک بھی پڑتا ہے بقول بلاذری آپ[2] نے وہاں ایک مبلغ بھیجا۔ ان لوگوں نے گھبرا کر لڑے بھڑے بغیر خود حاضر ہوکر خیبر کی شرطوں پر امن طلب کیا جو انہیں دے دیا گیا۔ اسے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مصرف خاص کے لئے معین فرمایا۔ یعنی یہاں کی آمدنی سے اپنے اور اہل و عیال کے مصارف زندگی ادا فرماتے اور جو بچ رہتا وہ عام مفادِ ملی میں خرچ ہو جاتا (ابن ہشام صفحہ ۷۶۴) صفدی کے مطابق فدک و مضافات کا گورنر الحکم بن سعید بن العاص کو بنایا گیا۔

خیبر کو بہ ظاہر مکمل داخلی خود مختاری حاصل تھی وہاں کوئی مسلمان گورنر مامور نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ایک انصاری (مدنی) مسلمان مسافر وہاں مارا گیا تو خوں بہا کے لئے آں حضرت[2] نے یہودیوں ہی کو خط لکھا اور ان سے قسمیں کھانے

پر کہ یہ یہودیوں کا فعل نہیں ہے۔ خوں بہا مدینے کے سرکاری خزانے سے ادا کیا گیا (ابن ہشام صفحہ ۸۰۰، نیز موطا امام مالک)

۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ پھر جلدی ہی طائف کی باری آئی۔ طائف میں یہودی تو کافی تعداد میں تھے۔ لیکن بہ ظاہر تجارت و حرفت اور سودخواری کے سوا انھیں وہاں سیاسیات میں کوئی خاص اثر حاصل نہ تھا۔ بلاذری (صفحہ ۶۵) ان کا ذکر تو کرتا ہے لیکن طائف کے معاہدے میں ان کا کوئی خصوصی ذکر نہیں ہے بجز اس کے کہ ثقیف کے تجارتی معاملت دار سے یہی مراد ہوں۔

۹ھ میں تبوک کی عظیم مہم پیش آئی اس میں تیس ہزار مسلمان تھے۔ اتنی بڑی جمعیت کبھی عہد نبوی کے کسی اور معرکے میں نظر نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ آس پاس کی چھوٹی بستیاں آسانی اور خاموشی کے ساتھ مطیع ہو گئی ہوں گی جرباء، اذرح، تیماء اور مقنا زیادہ تر یہودی بستیاں معلوم ہوتی ہیں۔ جرباء و اذرح نے فی کس سالانہ ایک دینار کے جزیے پر آمادگی ظاہر کی اور مقنا اسی شرط پر امان عطا ہوا۔ (ابن سعد)

تیماء کی اطاعت کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ وادی القریٰ کا حشر دیکھ کر انھوں نے خود پیش قدمی کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کی درخواست کی۔ ان کے معاہدے میں جزیے کا ذکر ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ غالباً تبوک کے لگ بھگ زمانے کا واقعہ ہے کیونکہ جزیہ زیادہ تر اسی زمانے کے معاہدوں میں ملتا ہے۔ یہاں کے گورنر یزید بن ابی سفیان تھے (ابن سعد) جو فتح مکہ کے وقت

Marfat.com

شـ ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جو بھی ہو فوج کشی کے بغیر اطاعت کے باعث ان سے خاص رعایت کی گئی۔ ان کا معاہدہ جو تاریخ نے محفوظ کیا ہے اختصار و جامعیت کا کمال اور اس زمانے کی سیاسی تسوید کا دلچسپ نمونہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	مہربان رحم والے اللہ کے نام سے
ھذا کتاب من محمد رسول اللہ	یہ تحریر ہے اللہ کے رسول محمد کی
لبنی عادیا۔	طرف سے بنو عادیا کے لئے۔
ان لھم الذمۃ وعلیھم الجزیۃ	ان کے لئے ذمہ داری ہے اور ان پر جزیہ۔
ولا عداء ولا جلاء	نہ ظلم ہوگا اور نہ جلا وطنی۔
اللیل مد والنھار شد	رات (اس معاہدہ کو) دراز کیا کرے گی تو دن
وکتب خالد بن سعید	اس میں شدت پیدا کیا کریگا۔ (اسے)
(دیبلی وابن سعد)	خالد بن سعید نے لکھا۔

بنو عادیا کے نام اور تیماء کے ذکر سے گمان ہوتا ہے کہ اس سے مراد وفاداری میں ضرب المثل یہودی سموأل بن عادیا کا خاندان ہے جو مسعودی (التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۸) کے مطابق تیماء ہی میں حکمراں تھا۔

مقنا کا معاملہ کافی پیچیدہ ہے۔ خلیج عقبہ کی یہ بندرگاہ بھی غالباً یہودی عیسائی جھگڑوں کا ہدف بنی ہوئی تھی اور یہاں کے یہودیوں کو ایلہ والے عیسائی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ایلہ سے معاہدہ ہوا تو آں حضرت نے [illegible] مقنا [illegible] ان کے وطن واپس کر دیا جائے [illegible] ہوا ہے کہ [illegible] یہودی اگر آں حضرتؐ کی مدد اور رہبری

کرنے لگے تھے۔ خود مقنا والوں کا معاہدہ ایک معمہ ہے ان سے کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا اس کے باوجود ابن سعد میں ان کا جو معاہدہ درج ہے، اس کے مطابق ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہتھیار، اپنے غلام، اپنے جانور، اپنے کپڑے، اپنے نخلستانوں کی ربع پیداوار، شکار ماہی کا چوتھائی حصہ اور عورتوں کی کتائی کا بھی چوتھائی حصہ اسلامی حکومت کو ادا (کیا؟) کریں۔ البتہ انھیں جزیے سے معاف اور مستثنیٰ کر دیا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ساری گزشتہ و آئندہ خطائیں بھی معاف کر دیں اور آخر میں یہ کہ انھیں بیگار ی اور جبری خدمت سے بھی معاف کر دیا گیا (مگر کیا عہد نبوی میں بیگار ی تھی؟) اور وعدہ کیا گیا کہ ان کا سردار یا تو انھیں میں سے ہوگا یا اہل رسول اللہؐ میں سے ہوگا۔ اس کے چند دن بعد بلاذری نے اپنی تاریخ فتوح البلدان لکھی اور اس معاہدے کے چشمدید نسخے کا جو متن دیا ہے اس میں کچھ مزید اضافے تھے۔ اولاً سارے بہائے ہوئے خون کی معافی۔ دیگر یہ کہ ان کی بستی کا ان کے سوا کوئی مالک نہ ہوگا بجز رسول اللہؐ یا رسول اللہ کے کسی فرستادے کے۔ ہتیار، لباس غلام وغیرہ کی حوالگی کے ذکر میں یہ جملہ کہ بجز اس کے جو رسول اللہ یا آپ کا فرستادہ مستثنیٰ کر دیں۔ ان کی بستی کا سردار یا تو انھیں میں سے ہوگا یا اہل رسول اللہؐ میں سے (ابن سعد پر لفظ بیت کا اضافہ!) پھر آخر میں کاتب کا نام بھی ہے علی بن ابو (کذا) طالبؓ اور تاریخ بھی کہ ۹ھ (تاریخ کے سلسلے میں اگرچہ ایک روایت صبح الاعشیٰ قلقشندی ج ۱۳ اور التراتیب الادار یہ مولفہ کتانی ۱۸۰/۱ میں ہے کہ سنہ ہجری کی ایجاد خود جناب رسالتؐ کے حکم سے ہوئی مگر

طبری وغیرہ کی روایت ہی عام طور پر مسلّمہ ہے کہ یہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ لہٰذا ۹ھ کی دستاویز میں اس کا ذکر مشتبہ ہے ممکن ہے اس جعلی دستاویز ہی کی اساس پر قلقشندی وغیرہ کو دھوکا ہوا ہو)۔

اس معاہدے کی ایک تیسری روایت یہودی گینزۂ مصر کے ایک مخطوطے میں عربی زبان مگر عبرانی رسم الخط میں ملتی ہے۔ اس کے مطابق یہ معاہدہ مقنا کے ساتھ ساتھ اہل خیبر اور ان کی اولاد کے حق میں قیام قیامت تک کے لئے ہے۔ رعایتوں کی وجہ بی بی صفیہ کا ازدواج بیان کیا گیا ہے جو خیبر والی تھیں ہتھیار غلام، مال و متاع کی حوالگی نہیں ہے بلکہ وہ سب یہودیوں ہی کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں انھیں رسم یعنی سرکاری ٹیکس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ نیز یہودیوں کو خصوصی لباس پہننے اور خصوصی رنگ کا کمربند باندھنے سے (ان میں سے کوئی چیز بھی عہد نبوی میں نہ تھی!) انھیں عمدہ لباس پہننے ہتھیار باندھنے اور گھوڑوں پر سواری کرنے کی بھی اجازت ہے (گویا عہد نبوی میں کسی پر ایسی کوئی بندشیں تھیں!) کسی مسلمان کے قتل عمد پر ان سے عدالت میں وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جو قاتل کے مسلمان ہونے کی صورت میں ہوتا۔ انھیں دیگر تمام ذمیوں پر ترجیحی امتیازیت عطا کی گئی ہے۔ یہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے اور اپنے جنازے شہر کی شاہراہوں پر سے لے جا سکتے ہیں (ان کی بستی میں بوقت معاہدہ مسجدیں کہاں؟ اور شاہراہوں میں مسلمانوں کا اعتراض کہاں!) اور سب سے دلچسپ یہ کہ ان یہودیوں کو اسلام لانے پر اہل بیت نبوی کا فرد قرار دے دیا گیا ہے۔ آخری اشارہ سے (مقنا ۹ھ میں مطیع ہوا اور خیبر ۷ھ میں!)

Marfat.com

سنہ ۹ھ کا معاہدہ مقنا کم و بیش اسی نہج کا ہونا چاہیے جیسا جرباء و اذرح کا جو بغیر لڑے بھڑے خوشی سے مطیع ہوئے تھے۔ قصہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مامون وغیرہ کی آزاد خیالی اور بے راہ روی کا جب ردعمل ہوا اور خلیفہ متوکل (سنہ ۲۳۲ تا سنہ ۲۴۷ھ) وغیرہ نے غیر مسلم رعایا پر کچھ سختیاں کیں تو ان سے بچنے کے لیے وہ دستاویز تیار ہوئی جو ابن سعد اور بلاذری کے زمانے میں ملتی ہے۔ اس میں کپڑوں اور ہتھیار کی حوالگی کا جو ذکر ہے وہ جیسا کہ یاد ہوگا، خیبر کے معاہدے میں درج تھا۔ اب اس جعل سازی کے وقت خیبر اور مقنا کے پرانے روایات و الفاظ کو بھی لے لیا گیا اور کچھ رعائتیں بھی اپنے لیے لکھ لیں تاکہ خلیفہ متوکل کو اس سے متاثر کیا جائے کہ یہ رسول اللہ کا حکم ہے۔ پھر جب مصر میں فاطمی خلافت آئی (جس کا مقنا پر قبضہ تھا) اور خاص کر الحاکم بامر اللہ نے (جسے ایک جنون کے زمانے میں یہودیوں وغیرہ پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کیے تو وہ دوسری دستاویز گھڑی گئی جو آپ [لہ] مصر کے یہودی گنیزے سے برآمد ہوئی ہے اور سابق دستاویز میں فاطمی رجحانات کے لحاظ سے ٹانکے لگا کر بہت سے ایسے حقوق حاصل کیے گئے [ٹہ] جو عہد نبوی میں تو ہر کسی یہودی کو حاصل تھے۔ لیکن فاطمی دور میں نہ تھے۔ ہرشفیلڈ [سہ] لیشنسکی اور اشٹیر [کہ] [illegible]

لہ اس کا ذکر یاقوت اور ابن القیم بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے دور سے پہلے کی چیز ہے۔ صفدی نے وافی بالوفیات ۴/۲ تا ۵۴ میں اس کا کچھ ذکر کیا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا ہے۔

ٹہ ہرشفلڈ کی جرمن کتاب یہودی عرب میں صفحہ ۱۰۷ اور ما بعد۔

سہ انگلستان کے رسالہ جیوش کوارٹرلی ریویو سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۴ میں اس کا مضمون

کہ اس کا مضمون جرمن رسالہ ام ایس او ایس ۱۹۱۶ء صفحہ ۴۸ تا [illegible] میں۔

Marfat.com

نے حالیہ زمانے میں اس پر مضمون لکھے ہیں اور اس دستاویز کو اصلی قرار دینے میں پورا زور ذہانت خرچ کیا ہے۔ لیکن مذکورۂ بالا وجوہ سے ہم اس دستاویز کے چند متون کو جعلی سمجھنے پر مجبور ہیں۔

قرآن مجید میں مفتوح اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم غالباً اسی زمانہ ۵ھ میں نازل ہوا تھا۔

بحرین کا ایرانی گورنر منذر بن ساوی غالباً ۶ھ میں مسلمان ہوا تھا آں حضرت نے اسے اس کے عہدے پر برقرار رکھا۔

رسول کریمؐ کا منذر کے نام ایک خط ابن طولون وغیرہ کے ہاں ملتا ہے اس میں یہ ہے کہ "جب تک تو کام اچھا کرتا رہے گا تجھے خدمت سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اور جو لوگ مجوسیت اور یہودیت چھوڑنا نہ چاہیں ان پر جزیہ لگایا جائیگا۔" خوش قسمتی سے یہ اصل خط اب دستیاب ہو گیا ہے۔ اس خط کے آنے پر منذر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بحرین کے یہودیوں سے کیا برتاؤ کیا جائے (مکتوب ابن سعد میں ہے) آپؐ کا جواب امام ابویوسف وغیرہ کے ہاں محفوظ ہے کہ جو لوگ تبلیغ اسلام پر بھی مسلمان ہونا قبول نہ کریں ان سے سالانہ ایک دینار جزیہ لیا جائے۔ غالباً یہ پوری خط و کتابت بھی ۹ھ کی ہے اور شاید غزوۂ تبوک سے کچھ پہلے کی۔ کیونکہ چند دن بعد ابو ہریرہؓ وغیرہ کو بحرین بھیجا جاتا ہے اور منذر کے پاس جمع شدہ جزیہ سپرد کرنے کی ہدایت ہوتی ہے نیز ایک اور مسلمان حاکم کو لکھا جاتا ہے کہ مقامی مسلمانوں سے وصول شدہ محاصل (تمام زکوٰۃ) بھی انہیں کے ہاتھ مدینہ روانہ کر دے — یہ ساری رقمیں غزوۂ تبوک کی تیاری

Marfat.com

میں خرچ ہوئیں۔

اسی کے لگ بھگ زمانے میں یمن کے گورنروں کے نام جو نامہ ہائے مبارک گئے ہیں ان میں بھی مقامی یہودیوں پر جزیہ لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایک خط میں جو ابن ہشام وغیرہ میں ہے یہ الفاظ ہیں "جو یہودی اپنی یہودیت نہ چھوڑنا چاہے اس پر جبر نہ کیا جائے البتہ اس پر جزیہ لگایا جائے گا۔"

متفرقات

عہد نبوی میں قرآنی احکام کے مطابق یہودیوں کو عدالتی و قانونی خود مختاری حاصل تھی۔ انھیں کے فریقین مقدمہ، انھیں کے حکام عدالت اور انھیں کا قانون۔ البتہ انھیں اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو مقدمہ اسلامی عدالت میں پیش کریں۔ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت خود جناب رسالت مآب نے فرمائی اور قانون شخصی یعنی توریت کے مطابق حکم دیا۔ منقول لکھا ہے کہ ایک زنا کا مقدمہ پیش ہوا۔ اور چار یہودیوں نے عینی شہادت دی [illegible]۔ آں حضرت نے یہودیوں ہی سے پوچھا کہ اس بارے میں تمھارا قانون کیا ہے۔ انھوں نے کہا منہ کالا کر کے تشہیر۔ آپ کا اطمینان نہ ہوا۔ توریت منگوائی اور پڑھوا کر معلوم کیا کہ سزا میں سنگسار کرنا چاہیے۔ جب یہ سزا نافذ کی گئی [illegible] (ابن ہشام وغیرہ)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آج کل جو توریت ملتی ہے اس میں [illegible] سزا کا ذکر نہیں ہے لیکن انجیل میں یہ قصہ اب بھی ملتا ہے کہ ایک عورت کو زنا کے باعث پکڑ کر حضرت عیسیٰؑ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ "توریت میں اس کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ استاد، اب آپ کیا حکم دیتے ہیں" وغیرہ۔ اس سے سیرت نگاران عہد

Marfat.com

نبوی کے بیان کی توثیق ہوتی ہے اور قرآنی دعواے تحریف توریت کی تائید۔

مدینہ منورہ میں ایک یہودی نے نہایت بے رحمی سے ایک عورت کا سر پتھروں سے کچل کچل کر مار ڈالا تھا۔ آں حضرت صلعم نے اس کو بھی توریتی قصاص کے انداز میں اسی طرح قتل کرنے کا حکم دیا (بخاری، تفسیر طبری وغیرہ)

عربی ادبیات میں یہودی قدیم سے مختلف قسم کی شہرتیں رکھتے آئے ہیں ان میں سموأل بن عادیا جیسے عہد کو وفا کرنے اور بات کا پاس کرنے میں جان جائے پر آن نہ جائے کو کر دکھانے والے بھی گزرے ہیں۔ عرقوب[1] جیسے ضرب المثل جھوٹے اور بدعہد بھی۔ قرآن میں بھی ان کے متعلق ذکر ہے کہ "ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک خزانہ امانت رکھاؤ تو واپس کر دیں لیکن دوسرے ایسے ہیں کہ ایک دینار بھی امانت رکھاؤ تو واپس نہ کریں جب تک کہ سر پر نہ کھڑے رہو۔" اور ان میں تصور یہاں تک ہو گیا تھا کہ "غیر یہودیوں کے متعلق کوئی حق، کوئی ذمہ داری اور پابندی ہے ہی نہیں" (۳: ۷۵) روپے کی پرستش کے ساتھ موت کا ڈر یا بزدلی بھی بار بار قرآن میں بیان ہوئی ہے (۲: ۹۶، ۵۹: ۱۴) بزدلی اور سیہ دلی عموماً توام ہوتے ہیں۔ ان کی قساوت قلبی کی بھی قرآن کو شکایت ہے (۲: ۷۴) ان کی بدکاری اور فحش پسندی کا بھی بار بار گلہ ہے۔

یہودی تاریخ کا ایک قرآنی تذکرہ کافی قانونی اہمیت رکھتا ہے پارۂ سیقول کے اواخر (۲: ۲۴۶ و مابعد) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد یہودیوں میں ایک نبی آئے۔ بہ ظاہر ان میں فوجی اور انتظامی صلاحیت زیادہ نہ تھی۔ یہودیوں نے ان سے آکر خواہش کی کہ وہ ایک بادشاہ مامور کریں جس کے ساتھ جا کر وہ جہاد فی سبیل اللہ کر سکیں۔ انھوں نے سمجھایا کہ جنگ کا نام نہ لو۔ ایک مرتبہ وہ

[1] یہ مولانا مناظر احسن کی تحقیق ہے ورنہ عرقوب عموماً عمالقہ کا سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

خدا کی طرف سے فرض ہو جائے اور تم جی چراؤ تو اچھا نہ ہوگا۔ انھوں نے کہا: ہم کیوں جی چرائیں۔ ہمیں اپنے گھر بار اور آل واولاد سے نکالا گیا ہے۔ پھر ان پر ساؤل نامی شخص کو طالوت یعنی بادشاہ مقرر کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ خدا کا انتخاب ہے۔ یہودیوں نے اعتراض کیا کہ وہ مفلس ہے۔ مگر پیغمبر نے جتایا کہ اسے خدا نے علم وجسم کا وافر حصہ عطا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قصے میں عبادت و سیاست میں تفریق کا ذکر ہے۔ اور تقسیم اختیارات کرکے نبی کا شعبۂ کار الگ اور بادشاہ کا شعبۂ عمل الگ مقرر کیا گیا اگرچہ دونوں ہی احکام الٰہی کے تابع رہے۔ اور اخلاق سوزی نہ مذہب میں روا رکھی گئی نہ سیاست میں۔ غالباً یہی روایات ہیں جو بعد میں یورپ میں پھیلیں۔ اگرچہ سیاست کو احکام الٰہی کی جگہ مصلحت ملکی یعنی ہوا وہوس کے تابع کرنے سے دونوں میں کشتی پڑ گئی لیکن اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر جملہ فرائض سرکاری کی انجام دہی ایک فرد کی صلاحیتوں سے بالا ہو تو تقسیم کار کیا جا سکتا ہے۔

یہودیوں پر عیسائی دو ہزار برس سے خدا کشی کے الزام میں مظالم ڈھاتے چلے آرہے ہیں اور عیسائیوں کے ہر جوشِ جنوں کے وقت گزشتہ چودہ سو سال سے اسلامی ممالک یہودیوں کو پناہ دیتے آرہے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ یہودی پھر بھی عیسائیوں ہی کے گرویدہ ہیں اور اسلام کے خلاف انھیں سے ملتی کرتے ہیں۔ یہ آج نہیں عہد نزول وحی میں بھی ایسا ہی تھا۔ چنانچہ یہودیوں کی طرف سے تجربوں کی تلخی اور اس عجیب وغریب مشاہدے پر مسلمانوں کی جو نفسیاتی کیفیت ہوگی اس کے مطابق قرآن مجید میں ایک حکم نازل ہوا۔ یہ بہ لحاظ نزول

تقریباً آخری یعنی ایک سو بارھواں سورہ ہے (یعنی سورۂ مائدہ) جس میں (۵/۵۱) ارشاد ہوا۔

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا	اے ایمان لانے والو۔ یہود اور نصاریٰ
الیھود والنصاریٰ اولیاء	کو دوست نہ قرار دو۔ یہ ایک دوسرے
بعضھم اولیاء بعض ومن	کے ہی دوست ہیں اور تم میں سے جو ان
یتولھم منکم فانہ منھم	کو دوست بنائے تو وہ انھیں میں کا ہے
ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین	یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس کے کچھ دن بعد سورۂ براءت نازل ہوئی جس میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ برتاؤ کا عام اصول یعنی جزیہ لگانے کا حکم نازل ہوا۔

یہ ہے ایک ابتدائی خاکہ جو عہد نبوی کے اسلامی یہودی تعلقات کے متعلق مرتب ہو سکا ہے۔ اس کی تحریر کے زمانے میں علمی نقطۂ نظر سے ایک صحرا میں ہوں جہاں کتابوں کا پانی نہ ملنے کی وجہ سے وضو کی بجائے تیمم کرنا پڑی ہے۔

تتمہ: تاریخ ابن کثیر (۳/۲۱۷) میں مسجد نبوی کی تعمیر میں مٹی ڈھوتے وقت صحابہ جو گیت گاتے تھے اس میں یہ شعر خیبر والوں کی طرف چوٹ کرتے ہوئے ہے کہ:۔

ھذا الحمال لا حمال خیبر ھذا ابر ربنا واطھر

خیبری حمالوں کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں کیا ہے۔

پکتھال نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں یہ قابل غور نظریہ پیش کیا ہے کہ آخری نبی آنے کے سلسلے میں یہودی تصور یہ تھا کہ اس کے باعث یہودی قوم دنیا میں ایک حکمراں ذات بن جائےگی۔ لیکن جب وہاں شعوب و قبائل کی مساوات اور صرف اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا اصول قائم ہوا تو وہ مایوس اور برگشتہ ہو گئے۔

Marfat.com

عام قبائل عرب سے تعلقات

ایک حدیث میں ایک بڑے اہم سماجی مشاہدے کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ "جب خدا کو کسی قوم کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس کے حکمران اور وزیر اچھے لوگوں کو بناتا ہے اور جب برائی مطلوب ہوتی ہے تو حکمرانی اور وزارت پر برے لوگ فائز کیے جاتے ہیں۔" اسی کو بعض وقت الناس علی دین ملوکہم کی ضرب المثل میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اب معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بہت اچھے اور بہت برے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور باقی لوگ محض اقتدا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ [illegible] تو یہ آرام پسند ہیں لیکن نگرانی رہے تو گوارا کی حد تک نیک بھی رہتے ہیں مگر [illegible] کی تعلیم پر نظر ڈالو تو وہ اوسط انسانوں کی جگہ فرشتہ صفت انتہا پسندوں کے لیے قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اسلام اس کے برخلاف اوسط انسانوں کے لیے آیا اور رہبانیت و ترک دنیا اور طیبات و زینت ہائے دنیا کی اپنے اوپر تحریم کی علانیہ حوصلہ شکنی کی۔

کچھ تو اس بنا پر۔ اور شاید کچھ اس بنا پر کہ عرب میں ابھی تک زیادہ تر قبائلی دور دورہ اور انفرادی بے لگام آزادی ہی کی روایتیں چلی آرہی تھیں۔ اور تجربہ و مشاہدہ ہے کہ راسخ عادتیں چاہے بری ہی کیوں نہ ہوں، بغیر کسی نہ کسی طرح کے جبر کے مشکل

Marfat.com

سے چھوٹی ہیں۔ لہ

غرض مختلف وجوہ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اصلاحی کوشش اور تبلیغی نتائج کے تجربے کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی مناسب نظر آیا کہ دین و دنیا، عبادت و سیاست، معاد و معاش سب میں باہم ربط پیدا کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ذہنی و سماجی اصلاح کی تحریک حکومت کی جانب سے عمل میں لائی جائے تاکہ اس کی کامیابی بہتر بھی ہو، اور حکومت جیسے طاقتور با وسائل ادارے سے تصادم کے برے نتائج اور حصول مقصد میں تعویق سے بچ جائیں۔ چنانچہ ہجرت مدینہ سے بھی پہلے کے زمانے میں آپ تبلیغ کرتے ہوئے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میری مدد کرو تو خدا قیصر و کسریٰ کے تاج تمھارے قدموں میں لا ڈھکا دیگا۔ منیٰ، مجنہ، ذوالمجاز اور عکاظ کے میلوں میں بھی آپ یہی فرماتے رہے اور طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے قبائلی سرداروں سے بھی یہی کہا۔

لہ اسلام میں غلامی کی اجازت بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ سابقہ تمدنوں میں چاہے وہ سزا اور مال غنیمت کی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو کہ اس کی خدمات سے مفت فائدہ اٹھایا جائے، اسلام میں غلامی کی اجازت صرف اصلاح ذہنی کے لئے ہے اور جیسے ہی مردم خوار یا چھوت چھات کو ضروری سمجھنے والے یا اور اسی طرح کی برائیوں میں مبتلا انسان چند روزہ نگرانی کے بعد دماغی تربیت و اصلاح پا جائیں تو ان کو نظریۂ مکاتبت آزاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے جیسا کہ "فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً" کی تفسیر حضرت عمر رضہ سے مروی ہے۔ اور اس آزادی میں حکومت کے خزانے سے بھی مدد قرآن نے لازمی قرار دی ہے۔

Marfat.com

اور جیسے ہی اوس وخزاج کے اولین قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا تو آں حضرت نے ان کی سیاسی تنظیم اور مرکزیت کا سامان کر دیا۔ ہجرت سے کوئی دو سال پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں ہر ایک سے علاوہ اور اقراروں کے یہ اقرار لیا کہ سننا اور اطاعت کرنا ہمارا شیوہ رہے گا۔ چاہے حکم ہمیں پسند ہو یا ناپسند آپ ہمارے سردار رہیں گے اور جس کو جس عہدے پر مامور کیا جائے ہم اس سے اختلاف نہیں کریں گے۔ اور ہم جہاں بھی رہیں حق کا بول بالا کریں گے اور خدا کے حکم کے سامنے ہم کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کریں گے اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے"۔ اس کے ایک سال بعد بیعت عقبہ ثالثہ ہوئی تو جہاں ان لوگوں نے صراحت سے اقرار کیا کہ "اگر آپ اور آپ کے مکی ساتھی ترک وطن کر کے مدینہ چلے آئیں تو ہم آپ سب کی ویسی ہی مدد و حفاظت کریں گے جیسی اپنے بیوی بچوں رشتہ داروں کی کرتے ہیں، چاہے اس میں سرخ و سیاہ (یعنی ساری دنیا) ہی سے جنگ کرنی کیوں نہ پڑے"۔ وہیں جن بارہ قبائل مدینہ نے نمائندے بھیج کر اپنے اسلام کی آپؐ کو اطلاع دی تو انھیں کے حسب انتخاب ہر ایک کا ایک ایک نقیب (بطور اپنے نائب کے) مقرر کر دیا۔ یہ لوگ تاریخ میں انصار کے نام سے مشہور رہیں۔

یہ معاہدہ معاشری کا ایک حقیقی واقعہ تھا جس میں چند لوگوں نے راضی خوشی ایک شخص کو اپنا سردار اور حکمراں مقرر کیا۔ اگرچہ انصار کے تعلقات جس امر کے بعد بھی دو ایک امور سیاسی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں (مثلاً مدینہ ہجرت کر آنے پر چند درجن کی خاندانوں کا اہل مدینہ میں سے اتنے ہی کھاتے پیتے

گھرانوں کے ساتھ مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دینا اور اس سلسلے میں ایک طرح کا مشترکہ خاندان اور مشترکہ جائداد بنا رضی فرزندوں کے لئے عارضی طور پر مسلمانوں میں نافذ کرنا! اسی طرح شہر مدینہ کو ایک شہری مملکت قرار دے کر اس کے حدود نصب کرانا، اس کے لئے ایک دستور مرتب کر کے نافذ کرنا اور اس شہری مملکت کو ایک وفاقی نظام دے کر اس میں آس پاس کی یہودی بستیوں کو بھی شرکت کا موقع دینا وغیرہ لیکن یہ "سیاسی تعلقات" نہیں۔ اندرونی سیاسی انتظامات ہیں ان کو یہاں حذف کیا جا سکتا ہے۔ دستور مدینہ کے لئے البتہ کتاب "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" جلد اول ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا سیاسی انتظاموں میں چند ہفتے ضرور لگے ہوں گے۔ اس کے بعد حدود مملکت کی حفاظت کے مسائل کو حل کرنا تھا۔ قریش کی سازشیں ہی تھیں۔ انھوں نے اپنے معاشی اثر سے کام لے کر اہل مدینہ کو دھمکانا شروع کیا کہ رسول کریم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینے سے نکال دیں۔ اسی طرح مدینے کی تجارت درآمد برآمد پر بھی قریشی کاروانوں کا اثر پڑنا ہر آئینہ لازمی تھا۔

جہینہ اور ضمرہ کے قبائل اس کا پتہ تو نہیں چلتا لیکن امکان ہے کہ مدینے کے قبائل انصار نے آس پاس کے بعض قبائل سے دوستی اور حلیفی زمانہ جاہلیت میں بھی کر رکھی ہو جس طرح ہمسایہ یہودی قبائل سے کی تھی اور ان یہودی قبائل نے غطفان وغیرہ شمالی عرب کے قبائل سے دوستی رکھی تھی۔ اگر ایسا رہا ہے تو یقیناً وہ معاہدے اسلامی مملکت کو وراثت میں ملے ہوں گے۔ رمضان سنہ ۱ھ میں ہجرت کے چھٹے ہی ماہ بعد جب

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے متعلق اپنی سیاست متعین کر لی تھی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے (اور مسلمان مہاجرین کی مکے میں ضبط شدہ جائداد کا گویا انتقام لیا جائے) اور اس سلسلے میں ایک فوجی دستہ قبائل جہینہ کے علاقے میں بمقام عیص بھیجا تو وہاں کا سردار مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس فوجی دستے میں کوئی انصاری نہ تھا سب مہاجرین ہی تھے۔ اس لئے مجدی بن عمرو الجہنی سے یا تو آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد خود کوئی معاہدۂ حلیفی کیا تھا یا کم از کم انصار کی پرانی حلیفی کی تجدید کر کے اب اسے سارے مسلمانان مدینہ کے لئے (جن کے سیاسی سردار خود آں حضرتؐ بن گئے تھے) عام کر دیا تھا۔ ابن سعد ابن ہشام وغیرہ اس حلیفی کا ذکر تو کرتے ہیں مگر نہ تو معاہدۂ حلیفی درج کرتے ہیں اور نہ کوئی مزید تفصیل کہ وہ کب اور کہاں طے ہوا تھا۔ بجز اس ایک اہم اطلاع کے کہ مجدی بن عمرو مسلمانوں اور قریشیوں ہر دو کا حلیف تھا۔ اسی لئے اس نے قریش کے قافلے میں (جو تین سو اونٹوں پر مشتمل اور ابوجہل کی سرکردگی میں غالباً تجارتی کارواں کے طور پر گزر رہا تھا) اور مسلمانوں کے فوجی دستے میں (جو حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں اس کو ناکہ بندی کے توڑنے کی سزا دینے کے لئے بھیجا گیا تھا) مڈبھیڑ نہ ہونے دی بلکہ بیچ میں پڑ کر کارواں کو امن سے مکے کی طرف گزر نے دیا اور اسلامی دستہ واپس مدینہ چلا آیا۔ ایک ماہ بعد شوال میں ایک دستہ ابوسفیان کے کارواں کو روکنے کی غرض سے رابغ کی سمت بھیجا گیا اور ذیقعدہ میں خرار میں بھی اسی غرض کے لئے ایک دستہ بھیجا گیا۔

عیص، رابغ اور خرار سب پاس پاس مدینے کے جنوب مغرب میں ساحل کے قریب واقع ہیں اور یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے قریش کے تجارتی کارواں

Marfat.com

کو شام و مصر وغیرہ آنے جانے کے لئے گزرنا پڑتا تھا۔ قریشی کاروانوں کا راستہ بند کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اس علاقے کے قبائل سے دوستی کی طرح ڈالی جائے۔ ورنہ نہ تو بروقت اطلاعیں مل سکتیں اور نہ یہ خطرہ دور ہو سکتا کہ یہ قبائل اسلامی فوجی دستوں کو مدد دینے کی جگہ اس کے کام ہی میں آڑے آئیں اور دشمنا یعنی قریش ہی کو مدد دیں۔

غالباً مذکورہ بالا تینوں مہموں میں ناکامی کے باعث حلیفوں کی توسیع کے مسئلے پر توجہ کرنی پڑی۔ چنانچہ ۲ھ کے آغاز پر صفر کے مہینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک جمعیت کے ہمراہ مدینے کے جنوب مغرب میں کاروانی اسٹیشن ابواء تشریف لے گئے۔ قریشی کارواں اس مرتبہ بھی مسلمانوں کے بعد از وقت آنے کے باعث جا چکا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب خالی ہاتھ واپس جانے کی جگہ آس پاس کی آبادیوں سے تماس پیدا کیا اور بنی ضمرہ کے ایک سردار مخشی بن عمرو سے مدامی حلیفی کا ایک معاہدہ کیا۔ بہ ظاہر یہ لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ دینی جنگ صراحت سے مستثنیٰ کی گئی ہے۔ یہ اہم معاہدہ جو غالباً اولین بھی ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ {بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱۔ {مہربان۔ رحم والے خدا کے نام سے
۲۔ هذا الكتاب من رسول الله { ۲۔ یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول محمد کی
لبنی ضمرہ طرف سے { بنی ضمرہ کے لیے۔

ف ان قوسوں { } میں کی اتنی عبارت ابن سعد میں نہیں ہے۔ وہ سہیلی کی الروض الانف کی مدد سے بڑھائی گئی ہے۔

Marfat.com

۳- بأنهم آمنون على أموالهم وأنفسهم۔ — ۳- اس بات پر کہ انھیں ان کے مال اور ان کی جان پر امن ہے۔

۴- وان لهم النصر على من دهمهم بظلم — ۴- اور یہ کہ انھیں ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ظلم سے ان پر اچانک ٹوٹ پڑے۔

۵- وعليهم نصر النبي ما بلّ بحر صوفة إلا أن يحاربوا في دين الله (يحاربوا) — ۵- اور ان پر واجب ہے کہ نبی کی مدد اس وقت تک کرتے رہیں جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے بجز اس کے کہ اللہ کے دین کے بارے میں وہ جنگ کریں (یا) ان سے جنگ کی جائے۔

۶- عليهم بذلك ذمة الله ورسوله — ۶- ان پر اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

۷- ولهم النصر على من برّ منهم واتقى۔ (ابن سعد ۱/۲، ۲۸) — ۷- اور انھیں مدد اس شرط پر دی جائیگی کہ وہ وعدہ وفائی کرتے رہیں۔ اور (بُری باتوں، عہد شکنی وغیرہ سے) بچتے رہیں۔ (ابن سعد ۱/۲، ۲۸)

البیہقی کی روایت میں نمبر ۴-۵ ذرا مختلف ہیں۔

۴- وان لهم النصر على من دهمهم إلا أن يحاربوا (يحاربوا) — ۴- اور یہ کہ انھیں ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ان کا قصد کرے بجز اس کے کہ (دین کے) بارے میں وہ جنگ کریں (یا) (ان سے جنگ کی جائے)۔

فی الدین مابلّ بحرا صوفۃ	اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔
۵ - وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ	اور یہ کہ نبی جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو یہ آپ کو لبیک کہیں گے۔

سہیلی بڑے پایے کے محقق ہیں لیکن ابن سعد علاوہ محقق ہونے کے قدیم تر بھی ہیں مالبتہ کئی امور قابل غور ہیں۔ آیا بسم اللہ الرحمن الرحیم کا رواج ۲ھ میں ہو چکا تھا یا آں حضرتؐ کچھ اور لکھا کرتے تھے، دریافت طلب ہے۔ ابن سعد کی ۵؟ کے الفاظ دستور مدینہ میں مستعمل کلا دسے "دھم" پر مشتمل ہیں جو اس معاہدے کے لگ بھگ زمانے ہی میں نافذ ہوا تھا۔ دینی جنگ کا استثنار کس کے حق میں ہے، یہ بھی واضح نہیں۔ ابن سعد کی روایت کو لیں اور "نجار یدا" (بصیغہ معروف) پڑھیں پر یہ معنے نکلتے ہیں کہ مدینے کی دفاعی جنگ میں مدد دینے کی بنی ضمرہ پر پابندی عائد کی گئی تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر مذہبی ضروریات سے پیش قدمی کر کے کہیں جائیں تو یہ قبیلہ غیر جنبہ دار و ناطرفدار رہے گا۔ اس پر شریک جنگ ہونے کی پابندی نہ ہوگی۔ سہیلی کی روایت لیں اور "یحار بوا" (بصیغہ مجہول) پڑھیں تو یہ معنے نکلتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدد دیں گے بجز اس کے یہ قبیلہ خود شرارت کرے اور اسلام کے خلاف حرکتیں کرے، تو یہ معاہدہ دوستی ختم ہو جائے گا۔ ابن سعد کے مطابق ان کے مسلمان ہو چکے ہونے کا امکان کم ہوتا ہے۔ سہیلی کے مطابق اس وقت ان کو مسلمان ہو چکا ہونا چاہئے۔ ابھی بدر کی دھاک بٹھانے والی جنگ بھی نہیں ہوئی تھی اور مسلمانوں کی مہمیں مسلسل ناکام ہی ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں بنی ضمرہ کے مسلمان

Marfat.com

ہو چکنے کا میری دانست میں امکان کم ہے جبکہ ان میں تبلیغ بھی نہیں ہوئی تھی۔
رسول اللہؐ ایک مہم میں آ کر ان سے ملے اور مختصر قیام کیا تھا۔ انھیں وجوہ سے میں ابن سعد کی روایت کو زیادہ صحیح سمجھتا ہوں جس کے مطابق وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے ہوں گے خاص کر اس لئے بھی کہ اس کے کچھ عرصہ بعد انھیں کے ہمسایوں بنی مُدلج سے جو معاہدہ ہوا اس کے متعلق ابو عبید نے کتاب الاموال [illegible] میں صراحت کی ہے کہ وہ سنہ ۹ھ تک بھی مسلمان نہیں ہوئے اور سنہ ۹ھ میں سورۂ براءۃ کے نزول پر ان کو علی ایک نہایہ (الٹی میٹم) دیا گیا کہ ان کا معاہدۂ دوستی چار ماہ بعد ختم سمجھا جائے بجز اس کے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔

ابن سعد نے بنی ضمرہ کے ایک اور معاہدے کا ذکر (۲/۱ ص[illegible]) کیا ہے۔
اس میں اسی معاہدے کی تکمیل ان الفاظ میں کی ہے:

لا یغزو بنی ضمرۃ ولا یغزونہ ولا یکثروا علیہ جمعًا ولا یعینوا علیہ عدوًّا	نہ آں حضرتؐ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ یہ آپؐ سے اور یہ آپؐ کے خلاف جتھا بندی میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور آپؐ کے خلاف کسی دشمن کو مدد نہ دیں گے۔

اس میں صاف طور پر دوستی اور ناطرفداری کا معاہدہ نظر آتا ہے اور اسلام لانے کا کوئی تصور بھی نہیں ہے۔

اوپر اونین مہم کے سلسلے میں قبیلہ جہینہ کا ذکر آیا اس کے ایک سردار مجدی بن عمرو کی مسلمانوں اور قریش دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی [illegible]

Marfat.com

اس قبیلے کی دو شاخوں سے کئے ہوئے معاہدے کا متن ابن سعد نے محفوظ کیا ہے۔ اس کے شرائط کم وبیش وہی ہیں جو بنی ضمرہ کے معاہدے کے الفاظ تک مماثل ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی زمانے کا معاہدہ ہے اور سفر واپسی میں یا اس کے بین بعد آں حضرت نے ان کی ان شاخوں کو اپنی مدد کا یقین دلا کر قریش سے توڑ لینے کی کوشش فرمائی۔ وہ معاہدہ بھی درج کیا جاتا ہے:۔

۱۔ انھو آمنون علی انفسھم واموالھم	۱۔ انھیں ان کی جان و مال پر امان ہے۔
۲۔ وان لھم النصر علی من ظلمھم او حاربھم لا فی الدین والاھل	۲۔ ان کو ہرایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ان پر ظلم کرے، یا ان سے جنگ کرے بجز دین اور اہل وعیال کے۔
۳۔ ولاھل بادیتھم من بر منھم واتقی ما لحا ضرتھم	۳۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تعیل اور عہد شکنی سے اجتناب کریں وہی حقوق ہوں گے جو ان کے بستیوں میں رہنے والوں کو ہیں۔
۴۔ واللہ المستعان	۴۔ اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

اس کے ۲ کے الفاظ "والاھل" (جن کا ترجمہ ہم نے "اور اہل وعیال" کیا ہے) کچھ واضح نہیں۔ بعض کے معلوم ہوتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد خود قبیلے کی خانہ جنگی ہے یا یہ کہ اس کے بعد ہی کا لفظ "ولاھل" کو کاتب نے سہوا مکرر لکھ دیا اور شارح نے اس کو نہ لکھا۔ میری ذاتی رائے یہی ہے۔ مجدی بن عمرو کے

برخلاف ان کو جب تک مدد کا یقین نہ دلایا جاتا، بے سود ہوتا۔ ان کو قریش کے علاوہ مجدی کے حملے سے بھی بچانا ضروری تھا۔ اور غالباً مجدی سے ان کے تعلقات کشیدہ ہونے کے باعث ہی انھوں نے مسلمانوں کی حمایت میں آنا قبول کیا تھا۔

جہینہ سے مسلمانوں کے تعلقات روز بروز بہتر ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ عوسجہ بن حرملۃ الجہنی کو جوذوالمروۃ میں رہتا تھا آں حضرتؐ نے ایک وسیع جاگیر کا پروانہ عطا کیا (ابن سعد وغیرہ) یہ مقام (ذوالمروۃ) ساحل کے قریب تھا۔ قریشی کارواں یہیں سے گذرتے تھے اور غالباً پہاڑی دشوار گزار علاقہ اور بہترین کمین گاہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے شرائط کے تحت جب مکی مسلمان مذہبی ایذا یابی کے باوجود مدینے میں آ پناہ گزیں نہیں ہو سکتے تھے تو ایسے چند مظلوم مسلمانوں نے حضرت ابو بصیر کی سرکردگی میں ذوالمروہ ہی میں اپنی جتھا بندی کی اور قریشی قافلوں کو ہراساں کرنا شروع کیا تھا (ابن ہشام ص۷۵۲ تا ۷۵۳) یقیناً عوسجہ بن حرملہ جاگیردار ہی نے انھیں اس کی سہولتیں مہیا کی ہوں گی۔ اسی طرح بنو شمخ (یا بنی شنخ) کو بھی جو جہینہ کی شاخ تھے، منہ مانگے علاقے کی جاگیر عطا ہوئی (ابن سعد دیبلی وغیرہ) اس طرح قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔

یہ ابتدائی زمانے کی چیزیں ہیں۔ جہینہ کے بنی الجرمز کو ایک امن نامہ اور ان کے علاقے کی سالمیت کی ضمانت ایک اور مکتوب نبوی میں (بحوالہ ابن سعد و دیبلی) اس وضاحت سے دی گئی ہے کہ اسلام لاتے وقت ان کے قبضے میں جو ملا قہ تھا وہ انھیں کا سمجھا جائے گا۔ ممکن ہے یہ رقبہ کچھ نزاعی ہو اور خانہ جنگیوں میں اس کے ہاتھ سے نکلنے کا خوف اس قبیلے کے لیے اولاً اسلام لانے کی ترغیب کا باعث

Marfat.com

بایں ہمہ یہ ممکن ہے بدر کے بعد کی چیز ہو۔

عہد نبوی کے آخری زمانے کی چیز یہ ہے کہ عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرقۃ و بنی الجرمز کو ایک خصوصی پروانے میں اس شرط پر امن دیا گیا ہے کہ وہ اسلام لائیں۔ نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ اور مالگزاری بھی دیں۔ جنگوں میں مال غنیمت کا خمس[لہ] بھی مرکز کو دیا کریں۔ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلق بالکل منقطع کر لیں اور صرف راس المال لے کر اپنے قرضوں کے سود سے دستبردار ہو جائیں بعد یہ بھی صراحت ہے کہ جو اجنبی اس قبیلے سے بحلف چارہ کر کے اس میں ضم ہو جائیں ان کو بھی یہی حق یعنی امان حاصل رہے گا (اس آخر الذکر شرط سے اس قبیلے کی غیر مسلم شاخوں کے سمجھدار افراد کو امن حاصل کرنے کا ایک آسان ذریعہ حاصل ہو گیا ہوگا۔)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک یا دو مہینے پہلے" اس قبیلے کو ایک ہدایت نامہ بھیجا گیا تھا کہ جو جانور طبعی موت مر جائیں ان کے لاشے سے (چمڑوں پٹھوں کی حد تک بھی) استفادہ نہ کیا جائے۔ وہ نجس اور مردار ہیں (ابن طولون، ترمذی۔ طیالسی وغیرہ)

بنو ضمرہ سے دوستی اور حلیفی کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ یہ بھی بہت بڑا قبیلہ تھا اس کی ایک شاخ بنی عبد بن عدی تو مکے کے حدود حرم میں جا بس گئی تھی۔ قریش کے

لہ زمانۂ جاہلیت میں عرب قبائل اپنے سردار کو مالِ غنیمت کا مرباع یعنی چوتھائی حصہ دیا کرتے تھے۔ آں حضرت نے اس میں تخفیف کر کے محض پانچواں حصہ مرکز کے لیے رکھا اور باقی ۴/۵ غانم سپاہیوں ہی کے لیے۔ اس سے بھی بہت سے قبائل کو قریش وغیرہ کی جگہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کی ترغیب ہوئی ہوگی۔

Marfat.com

استے قریب رہ کر ان کی مخالفت آسان نہ تھی تاہم ان کے رشتہ داروں کے دباؤ کا نتیجہ ہوگا کہ انھوں نے ایک وفد بھیج کر آں حضرتؐ سے یہ پیشکش کی کہ قریش کے ساتھ معاندانہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ مسلمانوں کے دوست رہنا چاہتے ہیں اور قریش سے جنگ کی ایک چیز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی ہر طرح مسلمانوں کے حلیف بننا چاہتے ہیں (ابن سعد ۴۸/۲) قریش کو دوستوں سے کچھ لینے بعد مسلمانوں اور مسلمانوں کے دوست قبیلوں سے گھیر لینے کی پالیسی کو اس سے بہرحال مدد ملتی آں حضرتؐ نے اس پیشکش کو قبول کر کے اپنی طرف سے امن کا اطمینان دلایا۔ اسی کی ایک اور شاخ بنو غفار کہلاتی تھی حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قبیلے کا معاہدہ الفاظ اور شرائط سند جس کے باعث جنگ بدر کے لگ بھگ زمانے کا معلوم ہوتا ہے :-

۱۔ لبنی غفار	۱۔ بنو غفار کے لئے ۔
۲۔ انہم من المسلمین ۔	۲۔ یہ کہ وہ مسلمانوں میں سے (سمجھے جائینگے)
لہم ما للمسلمین	انھیں وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے
وعلیہم ما علی المسلمین ۔	اور ان پر وہی واجبات جو مسلمانوں پر
۳۔ وان النبی عقد لہم ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ علی اموالہم وانفسہم ۔	۳۔ اور یہ کہ نبیؐ نے ان کے مالوں اور ان کی جانوں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے ۔
۴۔ ولہم النصر علیٰ من بدأہم بالظلم	۴۔ اور انھیں ایسے (دشمن) کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کے ساتھ

Marfat.com

پیش قدمی کرے۔

۵- وان النبی اذا دعاھم لینصروہ اجابوہ وعلیھم نصرہ الا من حارب فی الدین ما بل بحر صوفۃ

۵- اور یہ کہ نبی جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو یہ آپ کو لبیک کہیں گے اور ان پر آپ کی مدد واجب ہوگی۔ بجز اس کے جو دین کے بارے میں جنگ کرے۔ جب تک کہ سمندر کسی صوف کو گیلا کرتا رہے۔

۶- وان ھذا الکتاب لا یحول دون اثم

(ابن سعد)

۶- اور یہ تحریر کسی گناہ (کے مواخذے) میں آڑے نہ آئے گی۔

(ابن سعد)

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری پہلے عیسائی تھے یا کم از کم عیسائیت سے سخت متاثر تھے۔ کیا بنوغفار کا یہ معاہدہ عیسائی ذہنوں سے ہو رہا ہے؟ معاہدے کی دفعہ ۲ کا آخری حصہ مستقر مدینہ کی دفعہ ۵ سے مقابلہ کریں (جہاں ابوعبید کی روایت میں مدینے کے یہودیوں کو بھی "امۃ من المسلمین" کہا گیا اور مذکورہ روایت صحیح ہو تو پھر یہاں بھی یہی قرار دینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اصل میں اس قبیلے کو اس معاہدے کے وقت مسلمان تصور کرنے میں وہ مانع سا ہے، جس میں دینی جنگوں میں ناطرفدار رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہی مستند دستور مدینہ کی دفعہ ۴۶ میں مدینے کے یہودیوں کو بھی عطا کیا گیا ہے کہ الا من حارب فی الدین۔ اس قبیلے کے کچھ لوگ نور ایمان سے فوراً متنور ہوگئے ہوں گے مابقی اگر نصرانی یا

Marfat.com

بت پرست ہی رہتے ہوئے مسلمانوں سے حلیفی کرتے ہوں تو کوئی مانع نہیں رفتہ رفتہ اسلام ان میں پھیلتا گیا ہوگا۔

بنو ضمرہ کے کچھ رشتہ دار بنو بکر تھے یہ بھی مکے کے مضافات میں رہتے تھے اور مسلمانوں کے دوست خزاعیوں کے حریف و رقیب ہونے کے باعث صلح حدیبیہ کے بعد تک بھی مسلمانوں سے ان کی چشمک بنی رہی انھیں کی حرکت کے خمیازے میں قریش نے مکہ کھویا تھا۔

مزینہ یہ لوگ مدینے سے صرف بیس میل کے فاصلے پر رہتے تھے جیسا کہ ابن سعد (۱۳۸/۱) نے لکھا ہے۔ لیکن رخ نہیں بتایا۔ گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی مدینے کے مغرب میں ینبوع وغیرہ ساحل کے قریب رہتے تھے۔ کیونکہ اس قبیلہ کے ایک سردار کو قبلیّہ کی کانیں جاگیر میں عطا ہوئیں۔ حال میں ایک امریکی کمپنی نے قبیل نامی گاؤں میں ایک پرانی افتادہ کان پر جدید کھدائی کرکے دو سال تک سونا نکالتی رہی (جیسا کہ اس کے ایک کارپرداز نے ۱۳۶۵ھ میں مدینہ منورہ میں بیان کیا)۔ اب سونا ختم ہوجانے کے باعث قبیل کی کان کو دوبارہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کان کے قریب ایک پرانے قبرستان میں ایک کتبہ بھی کارپرداز مذکور کو ملا جس میں بلال بن حارث مزنی کی کان کی اس جاگیر کا پروانۂ نبوی کندہ تھا۔ ابو یوسف نے قبلیہ کو فرع کی سمت میں لکھا ہے جو مدینے کے شمال مغرب میں ہے اگر جدید قبیل ہی قبلیہ ہے اور ابو یوسف کا بیان بھی اس سے متعلق ہے تو پھر جہت اور مقام کا تعین ہوجاتا ہے۔ اور جیسا کہ نظر آئے گا یہ اسی اہم تجارتی شاہ راہ سے متعلق ہے جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔ گویا آں حضرت نے اس علاقے

کے ایک سردار کو ایک قیمتی جاگیر دے کر اس کا پابند کیا کہ قریشی آمد و رفت کو روکنے میں ہاتھ بٹائے ۔ اس جاگیر کے ذکر کے ساتھ ہمارے مؤلف یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اس کان سے آج تک بھی کوئی زکوٰۃ نہیں لی جاتی"۔ حکومت نے گویا جاگیر بہمہ حقوق عطا کر دی تھی ۔ اس سردار بلال بن حارث کو کان کی جاگیر دیتے ہوئے پروانے میں یہ لکھا کہ "آپ صلعم نے اسے کسی مسلمان کا کوئی حق نہیں دیا"۔ گویا یہ معاملہ یا تو لاوارث افتادہ تھی یا مسلمانوں کے دشمن غیر مسلم مُزنیوں کی تھی جس کا پروانہ آں حضرت صلعم نے بلال کو دے دیا ۔ ابن سعد کے مطابق یہ لوگ ۵ھ میں مسلمان ہوئے اور ان کے کئی سو آدمی مدینہ آئے مگر آں حضرت صلعم نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے وطن ہی میں جا بسیں تاکہ اس اہم علاقے پر کوئی غیر مسلم قبیلہ قبضہ نہ کر لے ۔ اسی سردار کو آں حضرت نے کچھ زرعی اراضی کی جاگیر کا بھی پروانہ عطا فرمایا جو ابن سعد وغیرہ میں ہے ۔ ابو یوسف وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس پر کاشت نہ کرنے اور افتادہ ڈال رکھنے کے باعث اس کا کچھ حصہ بعد میں حضرت عمرؓ نے بحق حکومت واپس لے کر زیر آبادکاری کے خواہشمندوں کو دیدیا ۔ اس پروانے پر کاتب کا نام معاویہ لکھا ہے گویا فتح مکہ کے بعد یہ دوسرا پروانہ عطا ہوا ۔

اشجع اور عامر بن عکرمہ

اشجع بہ ظاہر قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے یعنی یہ قریش کے کاروانی راستے پر مدینے کے شمال میں بستے تھے ۔ جب دو تین سال کی جدوجہد کے بعد مسلمان اس تجارتی شاہراہ پر مؤثر نگرانی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تمام قبائل جو کاروان سرائے کا پیشہ کر کے پلتے تھے بے روزگار ہو گئے ۔ چنانچہ ابن سعد نے (۴۹) صراحت سے لکھا ہے قبیلہ اشجع اسی معاشی کساد بازاری کے باعث اپنا وفد مدینہ بھیجنے لگا تو آنحضرتؐ

سے حلیفی کرتا ہے۔ نعیم بن مسعود سے کیا ہوا معاہدہ بھی کافی ابتدائی زمانے کا ہے اور مورخ بھی صراحت کرتے ہیں کہ انھوں نے جنگ خندق (۵ھ) سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اس کا متن بھی درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم	۱۔ مہربان رحم والے اللہ کے نام سے۔
۲۔ ھذا ما حالف علیہ نعیم بن مسعود بن رخیلۃ الاشجعی۔	۲۔ نعیم بن مسعود بن رخیلہ اشجعی نے اس بات پر حلیفی کی۔
۳۔ حالفہ علی النصر والنصیحۃ ما کان احد مکانہ ما بل بحر صوفۃ	۳۔ اس نے مدد اور بہی خواہی کے لیے آپ سے حلیفی کی جب تک کہ احد پہاڑ اپنی جگہ رہے اور جب تک سمندر کسی پشم کو گیلا کرتا رہے
۴۔ وکتب علی	۴۔ اور (اس کو) علی نے لکھا۔
(ابن سعد)	(ابن سعد)

قبیلہ عامر بن عکرمہ بھی اشجعیوں کے رشتہ دار تھے۔ آں حضرت نے ان کو کارواں سرائیگی کے حق کی توثیق کا پروانہ عطا فرمایا (ابن سعد ۱/۲ ۳۲) اور ان کے ایک سردار کو ایک جاگیر بھی عطا فرمائی (ابن سعد ۱/۲ ۲۵۔ دیبلی وغیرہ) ترمذی (۸/۱۲) میں ایک دستاویز ہے کہ آں حضرت نے اسی جاگیردار عداء بن خالد کے ہاتھ ایک غلام یا لونڈی فروخت کی جس میں فروخت شدہ شے کے بے عیب ہونے کا اطمینان دلاتے ہوئے " ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے ہاتھ بیع " کا اصول تحریر فرمایا ہے۔

Marfat.com

یہ قبل خندق کی سیاست تھی کہ قریش کا تجارتی راستہ بند کر دیا جائے۔

(۲)

غزوۂ خندق کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ قریش کے اقدام کا مدّ ختم ہوگیا اب جزر شروع ہوگا۔ اور یہ کہ اب مسلمان ہی جوابی اقدام کریں گے۔ حسبِ سیاست میں منفی و تخریبی پہلو کی جگہ اب مثبت اور تعمیری پہلو شروع ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے قبائلی معاہدات میں یہ امر ملحوظ رہنا صاف نمایاں ہے کہ مکے کے اطراف اسلام کے دوست قبائل کا گھیرا ڈالا جائے۔ قریش کے دشمن تو آسانی سے دوست بن سکتے تھے۔ کوشش کی گئی کہ قریش کے دوست بھی ان کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دوست بنیں یا کم از کم ناطرفدار رہیں جیسا کہ قریشی تعلقات کے باب میں تذکرہ ملے گا۔

خزاعہ خزاعہ تھا تو قحطانی یعنی یمنی قبیلہ لیکن عہدِ نبوی میں مکے کے قرب وجوار میں رہتا تھا اور اس قبیلے کا بڑا واتنا بڑا ہوتا تھا جتنا حج کے زمانے میں پورے منا کی آبادی۔ اس کی بہت سی شاخیں تھیں اور سوائے ان میں بنی المصطلق کے سوا باقی اوروں سے عموماً مسلمانوں کے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے[۱]۔ اس کے کچھ تاریخی اسباب بھی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عبدالمطلب نے اس قبیلے سے نسلاً بعد نسل دوامی حلیفی کی تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے اس حلیفی کو نباہا بھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ھ میں جب یہ تجویز تھی کہ نہ صرف مسلمانانِ مدینہ اور قریشِ مکہ ہی بلکہ اور بھی جو جو قبائل جس فریق کی طرف سے معاہدے کے ساتھ

۱؎ محاصرۂ خندق کی قریشی تیاریوں کی اطلاع انھوں نے مکے سے بگٹٹ صرف چار دن میں آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی۔ [illegible]

Marfat.com

اپنی وابستگی ظاہر کریں، انھیں بھی صلح حدیبیہ سے استفادے کا حق ہوگا تو خزاعہ نے فوراً اعلان کیا کہ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ شمار کئے جائیں۔ اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامے کی تجدید بھی منظور فرمائی اور ارشاد ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی ہر حلیفی کو اسلام مضبوط تر ہی کرتا ہے۔" اور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا، قریش کے حلیف بنو بکر نے جب خزاعہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر شب خون مارا اور قریش بھی اس میں حصہ دار بنے تو صلح حدیبیہ ٹوٹ گئی اور مسلمانوں نے مکے پر حملہ کر کے انتقاماً شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعے کی زیادہ تفصیلیں نہیں ملتیں کہ ہنگامہ کس بات پر ہوا۔ بجز اس کے کہ ان کا ایک وفد (وفد) دوڑا دوڑا فریاد کے لئے مدینہ منورہ آیا اور ایک منظوم معروضہ کیا جس کے اہم ابیات یہ ہیں:-

لاهم انی ناشد محمدا ۔۔۔ حلف ابینا و ابیه الا تلدا

اے اللہ میں محمد کو یاد دلاتا ہوں وہ موروثی حلف جو ہمارے باپ اور اس کے باپ میں ہوا تھا

ان قریشا اخلفوك الموعدا ۔۔۔ ونقضوا میثاقك الموكدا

کہ قریش نے تجھ سے وعدہ خلافی کی اور تیرے پختہ عہد کو توڑا۔

هم بیتونا بالوتیر هجدا ۔۔۔ وقتلونا رکعا و سجدا

انھوں نے ہم کو وتیر کی سفید چشمہ میں سوتے ہوئے آ دبوچا اور ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

ابن سعد وغیرہ نے بدیل وغیرہ خزاعی سرداروں کے (جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے) نام ایک مکتوب نبوی نقل کیا ہے۔ بظاہر یہ صلح حدیبیہ کے بعد

اور فتح مکہ سے قبل کے زمانے کا ہے۔ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوستی اور عظیم محبت کا انھیں یقین دلایا ہے اور کہا ہے کہ انھیں بھی مکے میں اتنے ہی حقوق حاصل ہیں جتنے مسلمانان مدینہ کو یعنی وہ حج و عمرے کے لئے تو وہاں جا سکتے ہیں لیکن سکونت و توطن کے لئے نہیں یہ بھی یاد دلایا کہ خود آپؐ کی طرف سے خزاعیوں کو کوئی گزند صلح حدیبیہ کے بعد سے نہیں پہنچا اور نہ آئندہ انھیں ڈرنے کی کوئی وجہ ہے۔ پھر اطلاع دی ہے کہ کلاب و ہوازن کے فلاں فلاں سرداروں نے بھی مع اپنے قبیلوں کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور انھیں مکرر یقین دلایا ہے مسلمانوں اور خزاعیوں میں مساوات ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد خزاعیوں کو مکے میں کوئی تکلیف ہوئی اور ممکن ہے یہ تکلیف اس بنا پر ہوئی ہو کہ وہ صلح حدیبیہ میں مندرجہ حقوق سے زیادہ کا اپنے کو مستحق سمجھنے لگے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چھیڑ چھاڑ کا آغاز اسی سے ہوا ہو جس کا نتیجہ مندرجہ بالا خونریزی کی صورت میں نکلا۔

خزاعہ کی ایک شاخ قبیلہ اسلم تھی۔ ابن سعد (۲/۱۴) نے ان کے نام ایک پروانۂ نبوی درج کیا ہے:۔

۱۔ اسلم کے لئے جو خزاعہ کی شاخ ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں بھی بہی خواہی دکھاتے ہیں۔

۲۔ انھیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر چڑھ دوڑیں۔

Marfat.com

۳۔ اور ان پر بنیؐ کی مدد واجب ہو گی جبکہ آپؐ ان کو بلائیں۔

۴۔ اور ان کے خانہ بدوش بدویوں کے لئے بھی وہی (حقوق و واجبات) ہیں جو ان کی بستی میں رہنے والوں کے لئے۔

۵۔ اور وہ مہاجر ہی ہیں جہاں بھی وہ رہیں۔

۶۔ اور العلاء بن الحضرمی نے لکھا اور گواہی ثبت کی۔

اس دستاویز کی پہلی سطر ہی میں "اسلم من خزاعہ" کے قطعی الفاظ ہیں لیکن ابن سعد کے استاذ واقدی نے اپنی کتاب المغازی (مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۱۷۷/ب ۔ ۱۷۷) میں یہ دستاویز کسی قدر طویل تر الفاظ میں دیتے ہوئے اَسلَمَ کے لام کو پیش کے ساتھ "اسلُم" لکھا ہے۔ من خزاعہ کے الفاظ وہاں نہیں ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غدیر الاشطاط نامی تالاب پر خیمہ زن تھے جب وہاں کا سردار بریدہ بن الخصیب حاضر ہوا اور اپنی قوم کا اسلام پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ ہماری بستی اور جانور ہیں۔ کچھ لوگ ہجرت کر کے مدینہ جا چکے ہیں باقی یہیں ہیں۔ اب آپ کا جو حکم ہو۔ آپؐ نے انھیں وہیں رہنے کی ہدایت فرماتے ہوئے ایک پروانہ عطا فرمایا۔ اسلُم (لام کے پیش سے) قبیلہ خزاعہ نہیں بلکہ قضاعہ کی شاخ تھی اور مکے کے قریب نہیں بلکہ شیبہ کے بھی شمال میں قضاعیوں کے ساتھ بستی ہو گی۔ غدیر الاشطاط کا پتہ نہیں ہے[1]۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دونوں میں سے کس کے بیان کو ترجیح دی جائے۔ ابن سعد میں خزاعہ کی صراحت ہے۔ واقدی میں نام پر صرف پیش کا بڑھ جانا کاتب کا سہو بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] کیا یہی غدیر خم ہے جو رابغ کے پاس ہے؟

اس دستاویز میں ہجرت کے حکم سے استثناء کا ذکر ہے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آں حضرت نو مسلم افراد کو ہجرت کر کے اسلامی سرزمین میں آبسنے کا حکم دیتے تھے اور فتح مکہ کے بعد اس کو منسوخ فرما دیا۔ اس حکم سے کبھی کبھی استثناء بھی ہوتا رہا اور ظاہر ہے کہ استثناء ۸ھ سے قبل ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے اس پروانے کی تاریخ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ابن سعد کے متن میں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ باقاعدہ محکمۂ زکوٰۃ تو عہد نبوی میں ۹ھ میں قائم ہوا۔ لیکن غیر معین رضاکارانہ زکوٰۃ کا ذکر ابتداء اسلام ہی سے ملتا ہے۔ حضرت جعفر طیار حبش ہجرت کر گئے تھے تو وہاں نجاشی کی دریافت پر علاوہ اور باتوں کے بیان کیا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو زکوٰۃ کی بھی تاکید فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں تو بنی اسرائیل کے متعلق بھی زکوٰۃ کا کئی بار ذکر ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام ہی سے اس کی مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی رہی ہوگی۔

بعض اور قبائل کی طرح اسلم میں بھی کم از کم ایک سردار الحصین بن اوس کو جاگیر عطا ہوئی اور جناب رسالت مآب نے اس کا تحریری پروانہ عطا فرمایا جو ابن سعد (ج ۱ ص ۲۳) نے نقل کیا ہے۔ متعدد دوسرے سرداروں کے نام مکاتیب نبوی کا ابن الاثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے مگر ان کی عبارت درج نہیں کی ہے جس کے باعث یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں کیا امور درج تھے۔

جذام، قضاعہ، عذرہ عرب کے شمال میں تبوک کے قریب دومۃ الجندل تک ان قبائل کا پتہ چلتا ہے۔ ان کا پہلا اسلام ...

کے بعد ان لوگوں سے تعلقات پیدا ہوئے۔

اس زمانے میں سلاطین اطراف کے نام جو تبلیغی خطوط ارسال ہوئے ان کے سلسلے میں ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک سفیر کا مال و اسباب قبیلۂ جذام کے علاقے میں بعض ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اس پر اطراف کے بعض نومسلم جذامی خاندان مدد کو دوڑے اور لٹا ہوا مال و اسباب واپس دلایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک تادیبی مہم روانہ فرمائی مگر غلط فہمی سے بعض بے قصور بھی اس کی زد میں آگئے۔ انھوں نے مدینہ آکر فریاد کی تو آپ نے ان کی تلافی کا انتظام فرمایا۔

ایک مکتوب نبوی رفاعہ بن زید جذامی کے نام اکثر مورخوں نے درج کیا ہے کہ "میں نے اس کو اس کی تمام قوم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے جو قبول کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی پارٹی میں شامل ہوگا جو روگردانی کرے تو اسے دو مہینے تک امان ہے۔" یہ معلوم نہیں کب کا واقعہ ہے۔

ابن الاثیر کے مطابق تبوک سے (۹ھ) واپسی پر مالک بن احمر الجذامی نے آں حضرت سے مدینۂ منورہ میں ملاقات کی۔ اس کے پروانے میں لکھا ہے کہ "جب تک وہ اور اس کے ساتھی نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، مسلمانوں کی اتباع کرتے، مشرکوں سے کنارہ کشی کرتے، مال غنیمت سے خمس ادا کرتے اور قبائلی مہمۂ ہرجانہ کا حصہ (سہم الغارمین) ادا کرتے نیز فلاں فلاں حصہ ادا کرتے رہیں تو انھیں اللہ اور محمد کا امان حاصل رہے گا۔"

اس میں سہم الغارمین عجیب سی چیز ہے۔ عہد نبوی میں مدینۂ منورہ میں

Marfat.com

قبیلہ وار سماجی ڈھانچے کا ایک نظام پایا جاتا تھا جس کے تحت اگر کوئی فرد قبیلہ کبھی مالی ہرجانہ ادا کرنے کا پابند ہوتا مثلاً خون بہا وغیرہ تو پورا قبیلہ مل کر وہ ہرجانہ ادا کرتا۔ اور اگر ایک قبیلہ اپنے وسائل سے اس سے عہدہ برآنہ ہوسکتا تو دوسرے قبائل اس کی مدد کرتے۔ معلوم نہیں اسی طرح کی کوئی چیز مراد ہے یا کچھ اور۔

دُومۃ الجندل دومۃ الجندل . . . زمانۂ قدیم سے شمال اور جنوب کے درمیان یعنی ایک طرف آرام اور بابل دوسری طرف ہند اور مصر کے سلسلۂ تجارت کو جاری رکھنے کے لئے شاہ راہ کا کام دیتا تھا (دیکھیے بائبل ہسٹری باب ۱۸ فصل ۲-۳ بحوالہ ماہنامہ دبدبۂ آصفی، شعبان ۱۳۴۳ھ) قلقشندی نے صبح الاعشیٰ (۴/۱۱۹) میں لکھا ہے کہ "یہ شام و عراق کے درمیان ایک حد فاصل تھا"۔ گویا عرب سے شمال کو جانے والے تجارتی کارواں سب یہیں پہنچتے پھر شام یا عراق جدھر جانا ہو الگ الگ رخ میں مڑتے تھے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں ایک عظیم الشان سالانہ میلہ (سوق) بھی لگتا اور اس کی اہمیت کے مدنظر اس کی ملکیت کے لئے آئے دن جنگیں ہوا کرتیں (تفصیل کیلئے دیکھو ابن حبیب کی المحبر اور المرزوقی کی الازمنہ والامکنہ میں باب اسواق العرب نیز کتاب عہد نبوی کا نظام حکمرانی میں متعلقہ باب) اکیدر عبادیوں کے غلبے کی صورت میں اور تنافہ کلبیوں کی صورت میں یہاں کا حکمراں بنتے۔

بظاہر خیبری یہودیوں اور مکی قریشیوں کی سازش سے ۵ھ میں اکیدر نے مدینہ آنے والے غلے کے کاروانوں کو یہاں ستانا اور ہراساں کرنا شروع

گیا جیسا کہ مسعودی (التنبیہ والاشراف ص ۲۴۸) نے لکھا ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہوتا۔ چنانچہ فوراً آں حضرت اس کی خبر لینے کے لئے بہ نفس نفیس روانہ ہو گئے اطراف سے کچھ مفسدوں کی کان گوشی بھی فرمائی (ابن سعد ج ۲ ص ۴۴ سطر ۱۶) رستے میں احزاب نے خندق کے محاصرے کی ٹھان لی تو آں حضرت آدھے راستے سے مدینہ واپس ہو گئے (ابن ہشام ص ۶۶۸) مسند ابن حنبل (ج ۳ ص ۱۲۱) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس کی روایت ہے کہ "کتب الی اکیدر دومۃ یدعوہم الی الاسلام" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تبلیغی خط کا بظاہر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب مناسب یہ معلوم ہوا کہ اکیدر کے حریفوں سے (جو اس زمانے میں مغلوب تھے) دوستی پیدا کی جائے۔ چنانچہ چند ماہ بعد ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجی گئی جو فوجی سے زیادہ سیاسی تھی۔ انھوں نے قبیلہ کلب میں تبلیغ اسلام کی اور جب نتیجہ اچھا نکلا تو اس کے ایک سردار الاصبغ کی لڑکی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الحکم خود نکاح بھی کر لیا (ابن سعد ج ۲ ص ۶۴) اور اس طرح دومۃ الجندل کو مفسدوں سے پاک کرنے کا وسیع اور دور رس انتظام شروع کیا گیا۔ حدیبیہ و خیبر کی شاہ راہ خود ہی پُر امن ہو گئی ہو گی لیکن اکیدر جو نصرانی تھا، ایک خطرناک ہمسایہ ہی تھا آخر ۹ھ میں جب تبوک کی مہم اختیار فرمائی گئی تو حضرت خالد بن الولید کے تحت بھیجے ہوئے فوجی دستے نے اکیدر کو زندہ گرفتار کر کے آستانۂ نبوی کی خدمت کے لئے لا حاضر کیا۔

ان کے بعد کے حالات میں الجھن ہے۔ آگے طرفت تو ہاں سے مؤلف

(ابن سعد نمبر ۵) بیان کرتے ہیں کہ اکیدر نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی اور اپنا قلعہ، ہتھیار اور اپنے علاقے کی غیر مزروعہ زمین سپرد کر دینی منظور کر لی۔ لیکن یہی مؤلف دوسری طرف اس معاہدے کی جو نقل درج کرتے ہیں اس میں جزیے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اکیدر کے اسلام لانے، چھوٹے خداؤں اور بتوں کو چھوڑنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے اقرار پر مشتمل ہے۔ شاید بلاذری (فتوح صـ۶۲) کی روایت ہی صحیح ہو کہ اس نے اسلام قبول کر لیا مگر جلدی ہی مرتد بھی ہو گیا اور خالد بن الولید کے ہاتھوں مارا گیا۔ ارتداد پر جزیے کی شرط اور صلح پھر بھی ناقابل فہم ہے۔ واحد حل جو سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ معاہدے کی جو نقل ہمارے مؤلفوں کو ملی وہ اصل نہیں ہے بلکہ بعد کے زمانے میں جب یہ علاقہ پوری طرح مسلمان ہو گیا تو ان لوگوں نے ایک جعلی عہد نامہ تیار کیا (تاکہ اپنے جد اعلیٰ اکیدر کو بھی ایک صحابی ظاہر کرنے کا موقع اور فخر حاصل کر سکیں)، اس جعل میں ان کو اپنے ہمسایہ قبیلہ کلب کے معاہدے سے مدد ملی ہوگی۔ یہ حارثہ بن قطن کلبی کے نام مکتوب نمبر [illegible] ہے اور اس میں افتادہ زمینوں، نماز اور زکوٰۃ کی صراحت کم و بیش انھیں الفاظ میں ہے جو اکیدر کی طرف منسوب معاہدے میں ہے اور سب سے عجیب یہ کہ حارثہ کلبی کا یہ پروانہ "دومۃ الجندل والوں اور اس کے اطراف میں رہنے والے کلبیوں کے لئے" ہے۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ اکیدر کی گرفتاری اور رہائی کے بعد اس سے قلعہ اور افتادہ زمینیں جو لے لی گئی تھیں، وہ نو مسلم کلبی سردار حارثہ کو جو قرب و جوار میں رہتا تھا دے دی گئیں اور حسب قاعدہ پروانہ لکھ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ قطن بن

Marfat.com

حارثہ کے نام بھی ایک مکتوب نبوی ملتا ہے ۔ اس میں انھیں نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے۔ معلوم نہیں یہ مذکورہ صدر حارثہ کا بیٹا ہے یا کوئی اور ہے

اکیدر کے معاہدے کی ایک ذیلی تفصیل بھی دلچسپ ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کی جگہ ناخن کا نشان ثبت فرمایا (ختمہ بظفرہ) اکیدر عبادی یعنی حیرہ کا رہنے والا تھا۔ حیرہ کی جگہ آج کل کوفہ آباد ہے۔ یہ بابلی سرزمین ہے اور عہد نبوی سے پہلے یہاں بڑا رواج تھا کہ معاہدہ کنندہ اپنے انگوٹھے کے ناخن سے ہلال کی شکل معاہدے پر ثبت کرے۔ پرانے بابلی معاہدے جو اینٹوں وغیرہ پر دستیاب ہو رہے ہیں ان میں اس کی بکثرت مثالیں اور صراحت ملتی ہے۔ حوالے کے لیے :-

1 Outf Kruckman, Neue babylonische Recht- und Vewaltungstaxte, Text 37, Tafel 28

2. B. Meissener, Baybylonien und Assyrien. I, 179.

3. C. Edwards, The Hummurabi Code, p. 11.

بعض حالیہ مؤلفوں نے "بظفرہ" کو "بطینۃ" پڑھ کر خیال کیا ہے کہ چپڑی مٹی سے لاکھ کی طرح مہر کی ہوگی۔ مگر مذکورہ بالا توضیح اور قدیم رواج کے مدنظر یہ خیال کرنا چاہیے کہ اکیدر کے اصرار پر ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کے ملک کے رواج کے مطابق مہر کی اور ناخن کا نشان معاہدے پر بنایا۔

(۳۴)

فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے تعلقات میں مساوات کی جگہ اسلامی برتری اور مطالبات نمایاں ہے۔

حنین۔ ہوازن۔ ثقیف۔ طائف

مکے پر جب مسلمانوں نے اچانک حملہ کر کے بے لڑے بھڑے آسانی سے قبضہ کر لیا اور آں حضرت کی بے نظیر فراخ دلی اور عفو منشی سے متاثر ہو کر وہاں کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تو ہوازن اور ثقیف کا پریشان ہونا کچھ یہیں آتا کہ کیوں ہوا۔ مسلمان ملک گیری کے لئے کبھی اقدام نہیں کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت پر ہوازن ہی میں دودھ پیا اور پرورش پائی اور کئی سال ان میں گزار سکے۔ آں حضرتؐ اس کی پاسداری میں بھی یقیناً اقدام نہ فرماتے۔ بہرحال بعض باتوں سے کچھ استنباط کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مکے والوں کی بہت سی جائداد طائف اور اس کے اطراف کے زرخیز علاقے میں تھی۔ روایت ہے کہ اس جائداد پر مال لاوارث سمجھ کر طائف والوں نے قبضہ کر لیا اور اس ڈر سے کہ کہیں مکے والوں کی استدعا پر اس غصب کی تلافی کی کوشش نہ کریں، فوجی جتھا بندی شروع کی۔

۲۔ آں حضرتؐ چاہے بھول گئے ہوں کہ ہجرت سے قبل یہاں آپؐ کے ساتھ کیا جا چکا اور بے دردانہ سلوک کیا گیا تھا، لیکن دل کا چور خود طائف والوں کو نہ بھولا ہوگا اور اس خوف سے کہ کہیں عام دنیاداروں کی طرح اب فوت

طاقت حاصل ہوتے پر اس شخصی بدسلوکی کا بدلہ لینے کے لئے رحمۃ العالمین طائف کا رخ نہ کریں، دفاعی تیاریاں شروع کی گئیں۔

۳۔ عام دنیادار فاتحوں کی طرح اب فاتح مکہ کہیں طائف کے زرخیز علاقے کی طرف بھی للچائی ہوئی نظر نہ ڈالے۔ اس کے لئے احتیاطاً فوجی اجتماع ضروری تھا

۴۔ مکے نے اچانک دھاوے پر ہتھیار ڈال لے تھے اسے لڑائی میں شکست نہیں ہوئی تھی۔ طائف میں مقیم مکیوں نیز مکے کے تمام غیر مسلم باشندوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی امکان ہے اور طائف والوں نے یہ سوچ کر کہ غیر مسلم یا نیم مسلم اہل مکہ طائفیوں کے حملے کو نجات دہندہ سمجھ کر مدد دیں گے اور پانچویں کالم کا کام دیں گے جنگ کی تیاری کی۔

یہ یا کوئی اور ایسے اسباب تھے جن کو تاریخ نے اب کھلا دیا ہے کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل جمع ہونے لگے۔ آں حضرتؐ نے ایک جاسوس دریافت حال کے لئے بھیجا جو کئی دن ان کے اندر رہ کر تفصیلی اطلاعات ان کی قوت اور ان کے ارادوں کے متعلق لے آیا۔ دفاع کے لئے انسدادی مہم بہتر سمجھی گئی اور اسلامی لشکر مکے کا مناسب انتظام کر کے اور خود مکے سے حاصل ہونے والی کمک لے کر جس میں مکی بھی تھے ہتیار بھی روانہ ہوا اور دشمن سے پہلی حنین میں مڈبھیڑ ہوئی مکے سے آنحضرتؐ یہاں چار منزل میں پہنچے تھے (وادی مقرر کیا) یہ اس وقت بھی ایک غیر آباد مقام ہوگا اور غالباً توقع دشمن سے مقابلے کے باعث اسے شہرت حاصل ہوئی اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا اور آج بھی یہ منبع لا پتہ ہے۔ گزشتہ ہزار سوا ہزار برس سے جو مفسر مورخ

جغرافیہ نویس اور دیگر مولف اس کا ذکر کرتے آئے ہیں ان میں اس بارے میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی اسے مکے سے ایک دن کی مسافت پر بتاتا ہے تو کوئی چار دن کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مہموں میں عادۃً "توریہ" (دکھاوا) کر کے چکر دار راستے سے دشمن پر جا پڑتے تھے۔ اسی لیے "عہد نبوی کے میدان جنگ" میں پیش کیا ہوا نظریہ ہی کہ رد ہو جاتا ہے کہ یہ حنین غالباً مکے سے طائف جانے کے راستے پر سیدھے راستہ کی جگہ نیم دائرہ چکر بنانے پر پڑتا ہوگا۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ مکے سے صرف ایک دن کے فاصلے تک دشمن کا لشکر آگیا ہو اور آں حضرت بے خبر رہے ہوں۔ یقیناً چار دن کی مسافت یعنی چالیس پچاس میل یا اس سے بھی کوئی زائد مسافت پر یہ معرکہ ہوا ہوگا۔

مسلمان لشکر جو دشمن کی کمین سے بے خبر پُرپیچ وادیوں اور دشوار گزار تنگ دروں میں سے گزر رہا تھا، یکایک عرب کے بہترین تیر اندازوں کی زد میں آگیا اور تتر بتر ہو گیا۔ سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی جانبازی اور استقلال پر جلد ہی مسلمان سنبھل گئے اور دشمن کو مار بھگایا۔ دشمن اپنے ساتھ نہ صرف اپنے تمام بیوی بچوں کو بھی لے آیا تھا بلکہ اپنی پوری کائنات یعنی اونٹ بکری بھی۔ یہ سب بہ آسانی غنیمت بن گئے۔ انھیں آں حضرت نے حفاظت سے رکھوا کر دشمن کا پیچھا کیا۔ انھیں سوائے طائف کے فصیل دار شہر کے کہیں امن کی توقع نہ تھی۔ یہ ایرانی انجینئروں کا بنایا ہوا مضبوط قلعہ تھا (اغانی ۱۲ ص ۴۹)

مسلمان بھی چلتے چلاتے طائف پہونچ گئے۔ معرکے کی تفصیل عہد نبوی کے میدان جنگ میں مل جائے گی۔ چند دن محاصرہ کرکے فتح کئے بغیر آں حضرتؐ واپس مکہ روانہ ہوگئے۔ شہر دس بارہ میل رہ گیا تو جعرانہ میں حنین کا مال غنیمت منگایا اور حسب قاعدہ تقسیم کر دیا۔ ہوازن کو اب ہوش آیا۔ شرماتے اور روتے چلاتے آں حضرت کے پاس پہنچے اور رشتہ رضاعت کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آں حضرتؐ نے کہا تم دیر کرکے آئے۔ فتح کے بعد سے اب تک اسی خیال سے انتظار کیا گیا کہ مسلمان ہو جاؤ تو سب مال وانسان واپس کر دیئے جائیں۔ اب مال اور بیوی بچوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو۔ لازماً انھوں نے بیوی بچوں کا کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے خاندان والوں کا حصہ تو فوراً واپس کرتا ہوں۔ باقی کے لئے نماز کے وقت پبلک کے سامنے استدعا کرو۔ ان نومسلموں نے ایسا ہی کیا۔ آں حضرت نے اپنا پیشکش دہرایا۔ فوراً صحابہ یکے بعد دیگرے اُٹھتے اور اپنے قبیلوں کی طرف سے بھی مال غنیمت کے عورتوں بچوں کو واپس کرتے گئے۔ آں حضرت نے عریفہ مقرر کئے کہ تفصیل سے فرداً فرداً ہر ہر سپاہی کا عندیہ معلوم کریں۔ اکثر نے مفت واپسی منظور کرلی۔ چند نے انکار کیا تو انھیں کہا گیا کہ ان کے حصے کی قیمت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی مگر وہ لازماً رہائی منظور کریں۔ اس کا امکان ہے کہ چند ایک نوعمر غیر شادی شدہ لڑکیوں نے فاتحوں ہی کے پاس رہنا اور ان کے حبالۂ نکاح میں آجانا منظور کرلیا ہو۔ باقی سب عورتیں بچے ہوازن کے دلدوز ساتھ مسرت سے آنسو بہاتے اپنی بستی کو روانہ ہوگئے۔ پھر آں حضرتؐ بھی

Marfat.com

مدینہ سدھارے۔

غالباً مسلمانانِ مکہ نے طائف سے معاشی و اخلاقی قطع تعلق کر لیا ہوگا۔ اس معاشی دباؤ کو طائف کتنے دن سہار سکتا جبکہ اس کے چو طرف اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا؟ چند ماہ بعد آخر انھوں نے بھی آں حضرت سے دوستی کے حصول کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجا۔ ان کے ذہن میں اسلام صرف سیاسی تسلیم خم کرنا تھا۔ اسی لیے ان کے وفد نے ایک غیر مفتوح ملک کے نمائندے کی حیثیت سے ایسی شرطیں پیش کیں جو یقیناً خود اس کے اپنے ذہن میں بھی بھاؤ بڑھانے اور بھاؤ چکانے کے سوا کچھ نہ تھیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ:

۱۔ نماز سے مستثنیٰ کیے جائیں۔

۲۔ طائف کو بھی مکے کی طرح ایک حرم قرار دیا جائے (شاید حج سے استثناء منشا ہو)

۳۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیے جائیں۔

۴۔ جہاد سے مستثنیٰ کیے جائیں (یعنی جبری فوجی خدمت اور آں حضرت کی جنگوں میں رضاکار رہنا کر لینے سے بری رہیں)

۵۔ ان کے شہر کا قدیم آبائی بت خانہ نہ توڑا جائے۔

۶۔ زنا کی انھیں ممانعت نہ رہے۔

۷۔ سود کی انھیں ممانعت نہ رہے۔ (۸) شراب کی انھیں ممانعت نہ رہے۔

اور کہتے ہیں کہ وہ معاہدے کا مسودہ لکھ کر بھی لائے تھے کہ دستخط کی

Marfat.com

جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مہر لگا دیں۔ معاہدہ کیا ہے کہ پورے اسلام سے استثنا ہے۔ معلوم نہیں روزے سے استثنا کا بھی مطالبہ کیا یا نہیں۔ بہر حال صاف نظر آئے گا کہ انھیں آں حضرتؐ کی مشن کی روح کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تھی اور وہ اسے محض ایک ظاہر شاہی کا دھندا سمجھتے اور مفتوحوں پر عائد کی جانے والی شرطیں خیال کرتے ہوں گے۔ آں حضرتؐ نے فوراً قوت لیکن محبت سے ان کے خیالات کی تصحیح کی اور اس طور پر دلداری کی کہ وہ بھی سنبھل گئے اور تمام لغو مطالبوں سے دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ آں حضرتؐ نے انھیں بتایا کہ نماز اور عبادت کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا اور ایسا مذہب کسی کام کا نہیں جو صرف دنیاداری اور مادہ پرستی پر مشتمل ہو۔ زنا کاری ایک پلید بداخلاقی ہے اور بتایا ہوگا کہ جس طرح تم اپنی بیویوں بچوں کا دوسرے کے ہاتھوں خراب ہونا پسند نہیں کرتے اسی طرح دوسرے بھی اپنی بیویوں بچوں کا تمھارے ہاتھوں خراب ہونا گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کی زکوٰۃ اور جہاد میں ان کی کمک اس وقت کی بڑی اسلامی مملکت کے لیے چھوٹی سی چیز ہوگی۔ آں حضرتؐ نے ان کو بروایت ابوداؤد اس سے مستثنیٰ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ نیز طائف کو حرم قرار دینے پر اور خاص اس بارے میں ایک اعلان بھی جاری کیا گیا اور خلاف ورزی پر سزا مقرر کی گئی۔ لیکن قوم کی تعلیم چونکہ اب آں حضرتؐ کے ہاتھ میں تھی اس لیے قرآن کے پڑھنے اور اس کے سمجھنے والے افراد کے لیے اس استثنا سے جلدی ہی خود دستبردار ہونا ناگزیر تھا تاکہ مسلمانوں میں نکو نہ بنیں۔ بت خانے کے متعلق آں حضرتؐ نے ایک لطیف مذاق کیا اور کہا کہ تم اسے نہ

Marfat.com

توڑ دیں ہم اپنے آدمی بھجوا کر توڑ لیں گے۔ تمہارے اوہام کے مطابق کوئی بلا آفت ہے تو ہمارے آدمیوں پر آجائے گی۔ سود کے متعلق روایتوں میں کچھ ابہام سا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے عکاظ کے آئندہ میلے تک روا رکھا گیا اس کے بعد سے منسوخ کیا گیا اور کہا گیا کہ قرضوں میں سے صرف اصل راس المال واپس لینے پر قناعت کی جائے۔ ان کے معاہدے کا جو متن تاریخوں نے محفوظ کیا ہے وہ دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ مہربان رحم والے خدا کے نام سے۔

۲۔ یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول محمدؐ کی جو نبی ہیں، ثقیف کے لیے۔

۳۔ لکھا جاتا ہے کہ ان کو اس خدا کا ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔

۴۔ بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لیے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا، وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا (سب حرام ہیں)

۵۔ اور (اس وادی) وج کا ثقیف ہی کو سب سے زیادہ استحقاق ہے ان کے طائف (قلعے) کو عبور نہیں کیا جا سکیگا۔ اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں سے نکال سکیگا۔ وہ اپنے طائف میں یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔

۶۔ ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لیے جمع کیا جائے گا اور نہ ان سے عشر (زکوٰۃ)

Marfat.com

لیا جائے گا اور نہ ہی مال یا ذات کے متعلق ان پر کوئی جبر کیا جا سکے گا۔

۷۔ یہ مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا آ سکیں گے اور جہاں جانا آنا چاہیں جا آ سکیں گے۔

۸۔ اور ان کے پاس جو اسیر ہو وہ انھیں کا ہوگا۔ اور انھیں کو سب لوگوں سے زیادہ اس پر استحقاق ہوگا تا کہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں

۹۔ ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو اور اس کی ادائی کی مدت آجائے تو وہ سود ہے اور اللہ سے برات اور جو قرض رہن کی ضمانت پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے — (ابن عبید اور لسان العرب کی روایت میں ہے: تو اس کا راس المال ادا کر دیا جائے اور عکاظ میں سود لیہ جا سکے گا۔ اس کے بعد نہیں")

۱۰۔ اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصول طلب دیون ہیں، وہ ان کو ملیں گے۔

۱۱۔ اور ثقیف کو لوگوں سے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مال غنیمت میں حاصل کیا تھا یا جائے [illegible] وصول طلب ہو تو ضرور واپس کئے جائیں گے۔

۱۲۔ اگر ثقیف کے کوئی لوگ یا سامان (اب غیر حاضر ہو) تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال لیہ [illegible] کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو وَجّ میں کے مال کو ہے۔

۱۳۔ اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو تو اس کو بھی ثقیف کے لئے طے شدہ امر ہی حاصل ہوگا۔

۱۴۔ اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے۔ اور رسول کریم اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے جو ان پر ظلم کرے۔

۱۵۔ اور لوگوں میں سے جس کے متعلق انھیں ناپسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آسکے گا۔

۱۶۔ اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔

۱۷۔ ان کا امیر انھیں میں سے کوئی ہوا کرے گا کوئی دوسرا نہیں۔ چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور احلاف پر ان کا امیر ہوگا۔

۱۸۔ اور ثقیف والے قریش کے جن تاکستانوں کی آبرسانی کریں گے تو آبرساں کو اس کا آدھ معاملے گا۔

۱۹۔ اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو تو سود نہیں لیا جائیگا اگر رہن کے مالک فوری ادائی کے قابل ہوں تو ادا کر دیں گے اور اگر فوری ادائی نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاولی تک ہو سکیگا اور جس کا وقت آگیا اور ادا نہ کرے تو گویا اس نے سود لیا۔

۲۰۔ اور ان لوگوں سے جو قرض وصول طلب ہو تو انھیں راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

Marfat.com

۲۱۔ اور ان کے پاس جو اسیر ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا۔ اور جو بچا نہ گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھے اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین سالہ اونٹنیاں اور دودھ پلائی (بنت لبون) عمدہ موٹی۔

۲۲۔ اور جس نے معاملۂ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیع کا اسی کو حق ہوگا۔

(ابوعبید کتاب الاموال ص۵۱۱)

موطا امام مالک (ص ۱۲۴) میں زمانہ جاہلیت کے سود کی جو کیفیت لکھی ہے وہ غالباً ثقیف پر بھی صادق آتی ہے کہ کچھ قرض دے کر مدت معین کی جاتی۔ اگر وقت پر ادا ہو تو فبہا ورنہ قرض کو دگنا قرار دے کر مدت بڑھا دی جاتی۔ اس مہلت میں بھی ادائی نہ ہو تو قرض کی مقدار پھر دگنی کر کے مزید مہلت دی جاتی۔

ابن سعد (۴/۲) نے ایک عجیب سی بات لکھی ہے کہ ثقیف کے وفد کے اصرار پر معاہدے کی دستاویز پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کی چونکہ نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے آپ) کے دونوں نواسوں کی بھی گواہی ثبت کی گئی۔ امام حسن کی عمر اس وقت چار سال کی تھی اور امام حسین کی تین ساڑھے تین سال کی۔ کیا انگوٹھوں کا نشان لگایا گیا؟ ابوعبید (ص۵۰۶) میں بھی اس کا کچھ ذکر ہے گو ...

ایک مکتوب نبوی اور ملتا ہے۔ جس میں اہل طائف کے نام ہدایت نامہ ہے کہ مکئی کی شراب (خمیرا کی نبیذ) حرام ہے۔

چند ماہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور فتنۂ ارتداد کے وقت حضرت ابوبکر نے ان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقے کے ہر لیقلق (مخلاف) سے فوجی رضاکار بھیجے۔ گورنر نے بروایت

طبری (ص ۱۸۱۱ و ص ۱۹۸۸) ہر مخلاف کو میں بیس سپاہی مہیا کرنے کا پابند کیا اور اس کی بے چون وچرا تعمیل ہوئی۔

طائف کے کچھ لوگ اس سے پہلے ہی اسلام لاچکے تھے ان کے وفد کی آمد کے وقت مغیرہ بن شعبہ الثقفی مدینے ہی میں تھے۔ خیبر میں منجنیقوں وغیرہ سے سابقہ پڑا تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو اس کے بنانے کی تعلیم پانے جرش بھیجا تھا ان میں عروہ بن مسعود ثقفی اور غیلان بن سلمہ ثقفی بھی تھے اور اسی تعلیمی سفر کے باعث وہ حنین اور محاصرۂ طائف میں آں حضرت کے ساتھ نہ رہ سکے تھے (ابن ہشام ص ۸۶۹، ابن سعد ۲/۱ ص ۵۲۔ نیز طبری) اس تعلیم گاہ جرش کا نیچے ابھی ذکر آتا ہے۔ ایک روایت میں تو طائف میں خود سلمان فارسی نے اپنے ہاتھ سے ایک منجنیق تیار کرکے لگایا۔

جرش طائف کے جنوب میں تبالہ اور جرش کافی اہم مقام تھے۔ فتح مکہ کے بعد لیکن غالباً طائف کے اسلام لانے سے قبل ایک یمنی سردار صرد بن عبد اللہ الازدی نے اسلام قبول کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کا مجاز کیا کہ اپنے آس پاس کے علاقے میں مناسب فوجی کارروائیاں کریں۔ ابن ہشام (ص ۹۵۴) نے لکھا ہے کہ صرد بن عبد اللہ آں حضرت کے حکم سے ایک فوج لے کر چلے اور جرش میں اترے جو ان دنوں ایک فصیل دار شہر تھا۔ محاصرے کی تاب نہ لاکر اہل جرش مجبور ہوئے اور ایک معاہدہ کیا جس کا خلاصہ بلاذری ص ۵۹ میں ہے کہ ان کی جائداد انھیں کی رہے گی۔ آئندہ مسلمان مسافروں کی گذر کے وقت یہ مفت مہمان نوازی کیا کریں گے۔ نیز یہاں کے اہل کتاب یہود وغیرہ پر جزیہ بھی لگایا گیا۔ نیز حضرت ابو سفیان کو

یہاں کا گورنر مقرر کر کے بھیجا گیا۔

اس جرش ہی اس زمانے میں حیرت ہوگی کہ اتنا بڑا متمدن ہو کہ وہاں منجنیق دبابہ بھنبور وغیرہ قلعہ شکن اور دفاعی آلات بنتے ہوں۔ یہاں مدینہ مغلقہ ہونا بھی حیرت پر حیرت پیدا کرے گا۔

ایک اور شہر ہے جس کا نام قدیم کے زیر کے ساتھ جرش ہی ہے۔ یہ جنوبی فلسطین (حالیہ شرق اردن) میں ہے۔ یونانی دور میں یہ بڑا اہم مقام تھا۔ اب تک اس کے شاندار کھنڈر ایک عظمت ماضی کے گواہ ہیں۔ مورخ اور جغرافیہ نگار دمشق یا قوت، یہاں کی فصیلوں وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

گمان ہوتا ہے کہ منجنیق اور دبابہ بنانے کی صنعت سیکھنے کاریگر اسی شمالی جرش بھیجے گئے ہوں گے۔ اور صرد بن عبداللہ کی مہم میں جرش کے ساتھ مدینہ مغلقہ کے الفاظ محض سہواً آ گئے۔ راوی کو جرش کا شاندار تھا پر جرش سے وہ بے خبر تھا۔ دونوں کو ایک سمجھ لیا۔

اگر ایسا نہیں بلکہ طائف کے جنوب کی بستی جرش میں بھی توپ خانے کلیں بنتی تھیں تو اس علاقے کو شاباش ہے کہ دمشق سے دور بیٹھے اور طائف سے بھی متمدن تر تھا حتیٰ کہ طائف کے کاریگر وہاں تعلیم پانے بھیجے گئے۔

حسب معمول نو مسلم جرشیوں کے ساتھ مراعات کی گئیں۔ ان کے نام ایک مکتوب نبوی میں (جو دیبلی نے محفوظ کیا ہے) لکھا ہے کہ "اسلام لاتے وقت ان کے پاس جو قبائلی چراگاہ تھی وہ انھیں کے لئے محفوظ رہے گی جس میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی اور اپنے جانور چرا نہ سکے گا۔ جو دمانے لوگ اس

کا مال پدر ب ہے جو چاہے چھین لے۔ زہیر بن حماطہ کے بیٹے کو جو قبیلہ خثعم میں ہے گرفتار کر دو کیونکہ اس پر ایک ضمانت کی ذمہ داری ہے۔" معلوم نہیں یہ کیا واقعہ تھا۔ ممکن ہے اسی کی بنا پر صرد بن عبداللہ کو تادیبی کارروائی کرنے پر مامور کیا گیا ہو۔

متفرقات ۹ھ عام الوفود کہلاتا ہے۔ کیونکہ مکے کی فتح کے بعد سارے عرب کے درجنوں چھوٹے چھوٹے قبائل اسلام قبول کرتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفدے کر حاضر ہوتے اور اپنے علاقوں کی ملکیت وغیرہ کے پروانے حاصل کرتے جاتے تھے۔ اس سال کے اواخر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءۃ کے نازل ہونے پر حج کے زمانے میں اس کا اعلان کرایا اور تمام عرب کو چار مہینے کی مہلت دی کہ اسلام کی اطاعت کریں ورنہ خدا و رسول ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ اس مہلت کے ایک سال بعد جب رسول اکرمؐ نے ۱۰ھ میں خود حج فرمایا تو کہتے ہیں کہ ڈیڑھ لاکھ مسلمان میدانِ عرفات میں جمع ہوئے تھے ان کو مخاطب ہو کر آں حضرتؐ نے وصیت فرمائی اور جبل الرحمہ پر چڑھ کر حجۃ الوداع کا جو مشہور خطبہ دیا وہ حقیقت میں حقوقِ انسانی کا ایک منشور اعظم ہے۔ (اس کا ترجمہ آگے الگ درج ملے گا) اس کے تین ہی ماہ بعد آپ رفیق اعلیٰ جل شانہٗ سے جا ملے۔

جو قبائل مسلمان ہوتے جاتے وہاں دو گونہ سیاست کار فرما تھی۔ نہ صرف انھیں نماز پڑھا کرنے اور مرکزی حکومت کو زکوٰۃ دیا کرنے کا پابند کیا گیا

بلکہ اس کی تعمیل کرانے پر ہر چھوٹے بڑے مقام پر مسلمان عامل زکوٰۃ مرکز
سے مامور کرکے بھیجے جانے لگے۔ ان کا فریضہ کئی قسم کا تھا۔ مقامی لوگوں کو
اسلامیات کی تعلیم دینا، اچھا کردار سکھانا۔ ان کے مقدموں میں انصاف کرنا
دولت مندوں سے زکوٰۃ وصول کرکے حسب قاعدہ خرچ کرنا اور گویا اس محصول کے
معاوضے میں ان کی حفاظت کرنا اور ان کے علاقے میں سماجی بیمے کا نظام جاری
کرکے زکوٰۃ کی رقم سے ہر محتاج مسکین کے لئے کھانا کپڑا بقدر ضرورت مہیا کرنا۔

اس سے جو لوگ جن کے پرانے حقوق متاثر ہوئے اور ان کی
چودھریت ختم ہو رہی تھی یا ان کی لوٹ مار وابستہ حکومت کی آمدنیوں میں دخل
اندازی ہو رہی تھی، بپھر سکتے تھے اور بپھرے بھی۔ چنانچہ آں حضرت کی زندگی کا
آخری زمانہ اور خلافت صدیقی کا ابتدائی زمانہ اسی کی نذر میں گزرا ہے، کا مختصر تبصرہ
ذیل میں کیا جاتا ہے۔ تفصیل تو ایک مستقل کتاب کی محتاج ہے اور واقدی کی
اس موضوع پر قدیم تالیف ذکر ... دستیاب ہو گئی ہے اس قابل ہے
کہ اسے شائع کیا جائے اور اس کی تفصیلیں دیگر کتب تاریخ کے
مدد سے اس کی تنقیح و تکمیل کی جائے۔

Marfat.com

ارتداد و بغاوت

کسی ملک کا مال و دولت دیکھ کر حسد کا ہونا دنی الطبع انسانوں میں ایک عام فطری بات ہے۔ اور کچھ نہیں تو سارے عرب سے زکوٰۃ کا وصول ہو کر مدینہ جانا رقابت و لالچ کے جذبات کو بیدار کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے ساتھ زمین زور یعنی اقتدار کے لیے بھی کشمکش ہو سکتی ہے۔

یمامہ و نجد بنو حنیفہ کا ایک سردار ثمامہ بن اثال تھا۔ ابن حجر (اصابہ ۹۷/۱) نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک نامہ تبلیغ کا بھیجا تھا تو اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکایا اور [illegible] اللہ گا۔ سنہ ۴ھ میں بئر معونہ میں اس کے علاقے میں عامر بن الطفیل وغیرہ نے دھوکے سے اسلامی مبلغوں کا قتل عام کیا تھا۔ سنہ ۶ھ کے آغاز میں (خمیس ج ۲) ثمامہ زندہ گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا اور آں حضرت کی شفقت اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کیا اور اہل مکہ کو غلے کی برآمد بند کر دی جو ابھی تک مسلمانوں سے برسر پیکار تھے۔ [illegible] اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اسلام کی عظیم خدمت انجام دی (اصابہ ۱۳۰۹)۔

[illegible] کا ساحلی علاقہ بنو حنیفہ [illegible] متعلق ہے، [illegible] حد تک [illegible]

Marfat.com

نرات میں تھا۔ بنو حنیفہ کے بڑے قبیلے کی ایک اور شاخ کا سردار ہوذہ بن علی تھا
اشتقاق ابن درید (صفحہ ۲۰۹) میں لکھا ہے کہ کسریٰ ایران نے اسے ایک
ٹوپی عنایت کی تھی جس میں ایک جواہر لگا ہوا تھا جسے وہ پہنا کرتا تھا۔ اسی لئے
ہوذہ کو ذوالتاج (تاج والا) کہا جاتا تھا۔ (نیز دیکھو عقد الفرید ۲/۲) یہ ایرانی
کاروانوں کی حفاظت کا ذمہ دار اور شاہ ایران کا حلیف تھا۔ نیتوی میں جب ہرقل
قیصر روم کے ہاتھوں ایران کو شکست ہوئی اور ملک میں شاہ گردی ہونے لگی
تو مرکز کا اقتدار دور دراز ماتحت علاقوں پر ڈھیلا ہو گیا۔ آں حضرت نے ۶ھ
میں ہوذہ کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ آں حضرت اسے
کو اپنا شریک اقتدار بنائیں تو وہ اسلام لانے پر آمادہ ہے۔ جلد ہی وہ بھی
دنیا سے چل بسا۔ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی کامیابی دیکھ کر بنو حنیفہ کے بھی
چند قبائل مسلمان ہوئے (ابن ہشام صفحہ ۹۴۵ وغیرہ)

اسی زمانے میں ایک اور قبیلے کا وفد مدینہ آیا۔ جس میں مسلمہ بن حبیب بھی تھا
تاریخ اسی کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد رکھتی ہے۔ مدینے میں اسلام
قبول کرنے کے باوجود وطن واپس ہوتے ہی اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو ایک گستاخانہ خط لکھا اور ہوذہ بن علی کی طرح شرکت اقتدار کا دعویٰ
کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سفیروں سے معلوم کیا کہ یہ سب
مرتد ہو گئے ہیں اور ایک سخت جواب دیا گیا۔ اب مسیلمہ نے کھلم کھلا نبوت
کا دعویٰ شروع کیا۔ اس فتنے کے انسداد کو کئی سال لگے۔ آخر خلافت صدیقی
میں خالد بن الولید کے ہاتھوں اللہ کی تلوار جب چلنے لگی تو مسیلمہ اور اس کے

بہت سے ساتھی مارے گئے اور اس فتنے کا خاتمہ ہوا مسیلمہ ایک ادیب اور قابل شخص تھا۔ قرآن کی نقل میں اس نے بہت سی آیتیں اور چھوٹے سورے بھی بنائے تھے جن میں سے بعض تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ لیکن اس مصنوعی قرآن میں ادب و اخلاق کی جگہ صرف سطحی ترنم بلکہ محض پاروڈی کا PARODY باستہزا نظر آتا ہے۔ مسیلمہ میں انتظامی قابلیت اور سیاسی کاربراری بھی کافی تھی۔ اس کی ہمسایہ سجاح تمیمیہ بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی تو مسیلمہ نے آسانی سے اسے رام کر لیا اور وہ اپنی نبوت سے دستبردار ہو کر مسیلمہ کی حلیف بن گئی۔ مسیلمہ کا مصنوعی قرآن اس میں خوب کام آیا۔ سجاح کی حرات کی راتیں مرادوں کے دن تھے جب مسیلمہ سے تخلیے کی گفتگو سیاسی مسائل پر ہونے لگی تو مسیلمہ کے منہ آگ لگا دینے والے انتہائی فحش جملے کافی تھے۔ بیچاری عورت ذات کتنی دیر ضبط کرتی۔ جنس کے سیلاب میں ڈوب کر ختم ہو گئی۔ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس نے توبہ کر لی اور بعض کہتے ہیں کہ راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے بہت دن تک زندہ رہی۔

حجۃ الوداع کے بعد یمن میں اسود العنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس سردار کا نام ذوالخمار عبہلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج نے اس کا ساتھ دیا اور نجران کا رنگ بھی بدلنے لگا۔ اس نے آں حضرت کے متعدد عاملوں کو اپنے اور قبیلۂ مراد کے علاقوں سے نکال باہر کیا۔ بعض عاملوں کو قتل بھی کر دیا۔ آں حضرتؐ نے اطراف کے افسروں کو اپنی قوت اکٹھی کرنے اور اس بغاوت کو فرو کرنے کی جد و جہد کا حکم دیا۔ اسود کا فرنگ پر اس کے جادو منتر وغیرہ کے باعث نظر

Marfat.com

آتا ہے۔ اس نے ایک مسلمان ایرانی النسل عورت پر اس کے حسن کے باعث ریجھ کر اور اس کے شوہر کو قتل کر کے تصرف کر لیا تھا۔ وہ راسخ العقیدہ لڑکی تھی اور اسی کی امداد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دو دن قبل اسود مارا گیا اور بے سری فوج پھر جلد بہ آسانی رام کر لی گئی اور اس فتنے کا بھی خاتمہ خلافت صدیقی میں ہوا۔ اس نے حضر موت سے طائف تک اپنا اثر پھیلا لیا تھا۔

مسیلمہ، سجاح اور اسود عنسی کا دیکھا دیکھی طلیحہ بن خویلد اسدی نے بھی نبوت کا سوانگ رچایا۔ اور آں حضرت کو خط لکھ کر دوستی اور شرکت اقتدار کی خواہش کی۔ یہ مدینے کی شمال میں غطفان کا سردار تھا۔ خلافت صدیقی میں حضرت خالد بن ولید ادھر متوجہ ہوئے اور آسانی سے اس فتنے کا بھی انسداد ہو گیا۔

غالباً ہوذہ بن علی کے بعد ذوالتاج کا لقب اور عہدہ عمان کے لقیط ابن مالک الازدی کو حاصل ہوا تھا۔ اس کو بھی نبوت کے دعوے کا شوق چرایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انہیں خطِ فتنۂ ارتداد و بغاوت کے انسداد کے لیے اپنے عاملوں اور راسخ العقیدہ قبائلی سرداروں کو تحریر فرماتے تھے۔ اتنے میں آپ کی وفات ہو گئی اور صورت حال میں اس کے پھیلنے سے مزید نزاکت و انتشار پیدا ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینے کے اطراف کی ایک بڑی فوج اسامہ بن زید کی سرکردگی میں فلسطین بھی بھجوا دی۔ اس سے بھی کہتے ہیں کہ شروع میں بعض بیٹروں کو سرزوری دکھانے کا حوصلہ فراہم ہوا اور خود مرکز مدینہ ان کے نرغے سے گویا محاصرے میں آ گیا۔

Marfat.com

بغاوت کے کئی اسباب تھے۔ بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ بعض جگہ نئے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے۔ اور بعض جگہ محض مرکزیت پر اعتراض تھا۔ اور زکوٰۃ کی مرکز کو ادائی سے انکار کیا جا رہا تھا۔ یاد ہوگا کہ ۹ھ کے اواخر میں سارے عرب میں زکوٰۃ کے محصل مامور کیے گئے تھے اور ۱۱ھ کے آغاز پر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ اس فتنے کا استیصال جس تیزی، خوبی اور قوت سے ہوا وہ اگرچہ تاریخ عالم کا ایک لافانی واقعہ ہے لیکن اس کے لیے ہم عہد نبوی سے باہر ہو جائیں گے۔ یہاں اس کی تفصیلیں زیادہ تر طبری سے لی گئی ہیں۔

عہدِ نبوی کی سیاسی دستاویزیں

مکتوباتِ نبوی کو جمع کرنے کا شوق عہدِ صحابہ ہی سے نظر آتا ہے۔ کسی دور کی سیاست کو سمجھنے کے لئے مورخوں کے عام تذکروں سے زیادہ اس دور کی سرکاری دستاویزوں پر اعتماد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اگرچہ عہدِ نبوی کی بہت سی دستاویزیں زمانے کی دستبرد سے اب ناپید ہوگئی ہیں، پھر بھی کسی اور قدیم نبی یا حکمران کے برخلاف رسولِ عربی کے سلسلے میں ایسا قیمتی مواد محفوظ ہے وہ بے نظیر ہے۔

اپنے مطالعاتِ سیرت کے سلسلے میں اس کی بھی کچھ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کے نام سے ایک کتاب مصر میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں عہدِ نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا ہوئے ہیں۔ پھر خلافتِ راشدہ کا کچھ ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کے چھپنے کے بعد سے بھی کوئی ڈیڑھ دو درجن مزید مکتوباتِ نبوی کا پتہ چلا۔ طبع جدید کا موقع ملے تو ان کا بھی اضافہ ہو کر پبلک کے استفادے کی صورت ہو سکتی ہے۔

اس باب کا ذکر صرف یہاں اس غرض کے لئے ہے کہ یہاں اگلے اور پچھلے اوراق میں بیسیوں مکتوباتِ نبوی کا ذکر ہے۔ ان کے لئے مذکورہ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ سے رجوع کیا جائے جہاں نہ صرف اس کا حوالہ ہے

کہ کون مکتوب کس کس کتاب میں ملتا ہے، بلکہ متن کے ساتھ جملہ اختلافات روایات بھی جمع کے گئے ہیں۔ نیز حل لغات وغیرہ دیگر فوائد بھی ہیں۔ اپنے پیشروؤں کا بھی احترام کے ساتھ ذکر اور ان سے استفادے کا اعتراف ہے۔

جب ساری خلقت ازل سے ابد تک ایک واحد کل کی حیثیت رکھتی اور اگلی پچھلی چیزیں سب لازم و ملزوم ہیں تو کوئی ایک کتاب اپنی جگہ کیسے دوسروں سے بے نیاز کر سکتی ہے۔ ممکن ہے اس کتاب میں بھی تشنگی رہے۔ کار دنیا کو کس نے تمام کیا ہے؟!

Marfat.com

امہات المومنین ازواج مطہرات نبویؐ
اور
عہد نبویؐ میں بین الاقوامی عصبیتوں کو دور کرنے کی
بعض تدبیریں

پس منظر اب سے ہزار دو ہزار سال پہلے جب نہ تعلیم اتنی عام تھی نہ اجنبیوں سے میل ملاپ کے اتنے ذرائع یا مواقع تھے، نہ مختلف اقطاع عالم ایک دوسرے کے اتنے محتاج تھے جتنے آج ہیں، تو یہ ناگزیر تھا کہ مذہب کے فرق وطن کے فرق، قوم و نسل کے فرق، قبیلے کے فرق، فرقے کے فرق بلکہ بہر لایعنی اور بے حقیقت فرق انسانوں میں خونریزی کا باعث سبب پیدا کر دیا کریں۔ الہامی یقین روحانی (یعنی مذہب) اور عقلی استقراء و استنباط (یعنی سائنس) اب متفق ہو چکے ہیں کہ کرۂ زمین کی موجودہ انسانی آبادی ایک ہی باپ کی اولاد ہے اولاد آدم میں ذاتی حفاظت مرکز کشی پر مجبور کرتی رہی تو معاشی ضرورتیں مرکز گریزی پر آمادہ کرتی رہیں۔ خود اس مرکز گریزی سے برادر کشی تک کو جائز بنا دیا۔ یونانی اور لاطینی جیسی قدیم متمدن زبانوں میں (اور غالباً سنسکرت میں بھی) دشمن کے لیے جو لفظ پایا جاتا ہے، اس کے اصلی معنے محض "اجنبی" کے ہیں اور یہ ان زبانوں

Marfat.com

کی ہر بینے والی قوموں کے تصورات کا آئینہ دار ہے۔ کہ متمدن قوموں کا کیا طرز عمل ہوگا اور وحشی قبائل کا کیا حال ہوگا، اس پر کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک عرب کے صحرائی بر اعظم کا تعلق ہے، یہیں وہاں بھی یہی صورت حال اپنی پوری شدتوں کے ساتھ ـــ بلکہ شاید سب سے زیادہ انتہائی صورت میں ـــ نظر آتی ہے۔ عرب اور عجم کا بنیادی اور ابتدائی فرق چھوڑ بھی دیا جائے تو عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب کچھ اتنا شدید تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بھی اس کے اثرات پڑے بغیر نہ رہے۔ پھر عدنانیوں میں بھی مضر اور ربیعہ کی کشمکش کچھ کم شدید نہ تھی۔ اسی طرح نیچے اترتے ہوئے قریش وغیر قریش ایک مستقل مسئلہ تھا۔ اور خود قریش کے اندر بنی ہاشم و بنی امیہ کی رقابتوں سے قبل اسلام کی تاریخ میں کون واقف نہیں۔ ان سب کے علاوہ شہری اور خانہ بدوش یعنی حضری اور بدوی کا جھگڑا بھی الگ تھا۔ اور باہم ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے تھے آج بھی کوئی بدوی شتربان بڑی متانت اور استخفاف وحقارت کے ساتھ کہے گا کہ "مرغیاں اور کوئی بدوی پالے؟ وہ تو حضریوں کے پاس ہوتی ہیں"۔ جیسا کہ خود میرے ایک سوال پر حجاز میں جواب ملا تھا۔

ان کی جہالت اور اجڈپن کے باعث یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج عالت امن میں کسی جرمن اور فرانسیسی میں، یا کسی پولستانی اور روسی میں باہم جو طبعی نفرت ہوتی ہے وہ اس تنفر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو قبل اسلام کے ہم جد عربی قبائل میں آپس میں پائی جاتی تھی۔ اس چیز نے ان میں انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ نکاح بیاہ عموماً قبیلے کے اندر ہی ہوتا تھا۔ قبائلی عصبیت ایک

Marfat.com

قبیلے کے لئے دوسرے کو اپنا کفو یا ہمسر سمجھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پھر رات دن کی بات بات پر خانہ جنگیاں الگ تھیں۔ آبادی کی روز افزوں کثرت اور وسائل معاش کی عرب میں قلت الگ مسائل پیدا کر رہی تھی۔

آغاز اسلام ان حالات میں اسلام کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ان تمام تنگ نظریوں اور عصبیتوں کے خلاف ایک دوسری انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ اسلام کے نزدیک عرب کا خدا بھی ایک ہی تھا اور عجم کا بھی جو عدنانیوں کا تھا وہی قحطانیوں کا۔ تمام انسان ایک ہی ماں باپ آدم کی اولاد ہیں۔ مذکورہ کالے ہونے یا زبانوں اور قوموں کا تنوع رکھنے سے ان کی فطری مساوات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر کوئی برتری و فروتری ان میں آپس میں ہے تو وہ صرف ہر ایک کے ذاتی اعمال و اخلاق کے باعث ہے۔

یہ بظاہر خدا کی وحدانیت کا مسئلہ عقائد و دینیات سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی عمرانی اہمیت بھی اسلامی سماج میں کچھ کم نہیں۔ جب تک سارے جہان کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو اس وقت تک نہ تو مساوات انسانی کی کوئی حقیقی اساس قائم ہو سکتی ہے اور نہ انسانوں کو طاقت کے باوجود برائی سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی کوئی ترغیب میسر آ سکتی ہے۔

اسلامی تعلیم عام عربوں کے رواجات اور تصورات سے کلیتاً بیگانہ اور مخالف تھی جس طرح منصفانہ سے منصفانہ فیصلہ بیکار ہے جب عدالت اس کو نافذ نہ کرا سکے، اسی طرح اچھی سے اچھی تعلیم اور اصول و عقائد فضول ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو۔

عہد نبوی کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیاز یہی نظر آتا ہے کہ وہاں تعلیم اور تعمیل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ نظریات اور افکار میں فرق نہیں ہوتا اور انسان کی فطرت کے اقتضاء اور عقل کے مطمح نظر میں اعتدال اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام راتوں رات نہیں پھیل گیا۔ عربوں کی پلک جھپکاتے کایا پلٹ نہیں ہوگئی۔ ان حالات میں اس امر کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلام نے انسانی سماج کو قدیم عصبیتوں سے نجات دلانے میں جو کامیابی حاصل کی اس کے وسائل اور مدارج اس عالم اسباب میں کیا ہے؟

آں حضرتؐ کا طریق کار

یوں تو اسلام کے بنیادی مقاصد و وسائل خود آپ کی بعثت و نبوت کے مقصد و نتیجہ جو مقصد ہے وہی آپ کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی وسیلہ میں لازمی عصبیتوں کو دور کرنے کے لئے توجہ دلائی کہ جب سب کا خدا ایک ہو، واحد و عادل اور سب پر یکساں مہربان بھی ہو تو خود بخود انسانوں کے خود ساختہ مراتب اور درجات کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ یہ کہ سب انسانوں میں صحیح عبدیت اور اطاعت خداوندی پیدا کرنے کے لئے یہ ہدایت ارشاد ہوئی کہ سب اولاد آدمؑ سے پیدا ہوئے اور خود آدم مٹی (جیسی حقیر چیز) سے بنے۔ قرآن مجید میں بتایا گیا کہ ذات پات کا قوموں اور قبیلوں میں بٹنا صرف پہچان کے لئے ہے ورنہ اعزاز صرف تقوے اور برائیوں سے بچنے کے مدارج کے لحاظ سے ہے۔ ایک اور جگہ بتایا گیا کہ انسانوں کی بولیوں اور رنگوں کا اختلاف محض اللہ کی قدرت کی

شانی ہے" اور یہ بجائے خود مراتب کی درجہ بندی نہیں کرتا۔

عہد نبوی میں چونکہ نظریات اور نظام میں فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بہ شانہ رہتے اور ان میں ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی اس سیاست کو آپ کے جانشینوں نے بھی پوری وفاداری سے جاری رکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کی ذہنیت میں تواتر و توارث کے باعث اتنی رچ گئی کہ پھر اسلام اور مساوات لازم و ملزوم سمجھے جانے لگ گئے۔ مثال کے طور پر انسانوں کی مساوات کے بارے میں ہندستان سب سے پسماندہ ملک ہے۔ اور جات پات کی کٹر قدامت پسندی کے لحاظ سے شاید ملیبار سب سے گیا گزرا علاقہ ہے۔ یہاں اچھوت کثیر تعداد میں بستے اور انسانیت سوز ذلتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اس علاقے میں مسلمان کے ساتھ نسبتہً بہت بہتر سلوک ہوتا ہے! اور آج بھی کوئی اجنبی ناظر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صبح کو کوئی اچھوت محض اپنی پیدائش کے باعث ذلت و خواری کا مستوجب ہے تو شام کو اسلام لانے کے بعد ان گاؤں اور اسی مقام پر اس کے ساتھ وہ سلوک اعلیٰ جات کے ہندو خوشی سے کرنے لگتے ہیں جو مسلمانو کے ساتھ مخصوص ہے۔ کشمیر میں اب اچھوت باقی ہی نہیں ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ وہاں عالم باعمل مسلمان پہنچے اور اعلیٰ جاتیوں کی تنگ نظری نے ان اچھوتوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کا قبلہ بھی ایک قرار دیا ؛

قانون بھی ایک، اور قیادت بھی ایک، یہ نہیں کہ امیر خاندانوں کے مندر الگ ہوں نشست گاہیں (PEWS) الگ ہوں اور ثواب الگ ہوں، انھیں پست طبقات کے مقابلے میں امتیاز ملیں ہی نہیں اور ملیں بھی تو برائے نام۔

قبلے کی یکسانی نے کرۂ ارض کے ہر حصے کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک خاص مرکز کا تابع ہے اور اس کی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بن سکتی۔ قانون کی یکسانی نے وہ حیرت زا صورت نہیں پیدا ہونے دی کہ کشمیر کا برہمن مدراس یا بنگال کے برہمن کے ساتھ رشتہ ناتہ تو کیا، ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ قانون کی یکسانی سے زیادہ غالباً بنی نوع انسان کو روحانی وحدت کی طرف لانے والی کوئی اور چیز نہیں ہوگی اور قانون کے تفاوت سے زیادہ اپنوں کو بیگانہ بنانے والا امر کوئی اور نہ ہوگا۔ یہ سب بھی بیکار ثابت ہوتے اگر قیادت ایک نہ ہوتی۔ اگر دین اور دنیا کو ایک مرکز پر نہ لا جمع کیا جاتا۔ اگر تعلیم کی جبری تعمیل کا انتظام نہ ہوتا اور اگر روحانی اور مادی مسائل کی اعتدال کے ساتھ باہم آمیزش نہ کر دی جاتی تو اسلام میں اور کسی فلسفی کی خیال آرائی یا مجذوب کی بڑ میں کوئی فرق نہ رہتا۔ اپنی تعلیم کی اولین تعمیل کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے دولتمندوں کو سب سے پہلے دبوچا اور انھیں اس کا پابند کیا کہ اپنی زائد از ضرورت دولت کا ایک معین و معقول حصہ لازمی طور پر مرکز کو بطور ٹیکس ادا کیا کریں۔ اس کی ادائی میں اونٹ باندھنے کی ایک رسی تک کی بھی کمی بغاوت سمجھی گئی اور ایسوں کے خلاف پیغمبر اسلام کے سب سے پہلے جانشین صدیق اکبرؓ نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس جنگ کی ہولناکیوں نے وہ بات سمجھا دی جو ترغیب و تفہیم کے باوجود سمجھ میں

Marfat.com

نہیں آتی تھی۔

مانع زکوٰۃ دولتمندوں کے خلاف ان جنگوں کی جیسی چاہیئے اہمیت ابھی تک مورخوں نے نہیں سمجھی ہے۔ ورنہ تاریخ معاشرۂ انسانی میں وہ ایک نقطۂ انقلاب ہیں۔ جہاں اس نے تقسیم وگردش دولت کی ضرورت کو محسوس کرایا وہیں رعایا کو اپنے رعایا ہونے کا احساس کرایا۔ ورنہ سابق میں کم از کم عرب کی حد تک شیخ قبیلہ اور بزرگ خاندان کے سوا کسی اور انسان کی اطاعت نہ ضروری تھی اور نہ روا رکھی جاتی تھی۔

پورے عالم کے ہمہ گیر انسانی معاشرے کے ان بنیادی انتظامات کے ساتھ پیغمبر اسلام نے مقامی انتظامات کو بھی نظرانداز نہ فرمایا۔

عربوں کے متعلق

عرب میں چونکہ قبیلہ داری نظام ہی عام طور پر رائج تھا اس لئے رشتہ داری سے زیادہ موثر کوئی اور وجہ دوستی وحلیفی کی نہیں ہوسکتی۔ چاہے خود یہ بھی کتنی ہی کمزور چیز کیوں نہ ہو لیکن اور اسباب کے مقابلے میں یہ بہرحال زیادہ مستحکم ومستقل امر تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی جو ایک شہری مملکت سے آغاز پاکر دس ہی سال میں پورے جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی عراق وفلسطین تک کے دس بارہ لاکھ مربع میل رقبے پر محیط ہوگئی تھی۔ اس زمانہ میں پیغمبر اسلام نے جو عقد فرمائے وہ جغرافی نقطۂ نظر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

Marfat.com

تعدد ازدواج ہر صورت میں برا نہیں ہوتا۔ خاص کر جب ان کا مقصد بوالہوسی وعیاشی بالکل نہ ہو۔ بہر حال نقشہ مذکورہ سے ازواج مطہراتؓ کی جغرافیائی تقسیم اور اس کی وسعت نظر آجائے گی۔ قریب قریب ہر بڑے قبیلے کی اس میں نمائندگی ہے اور چونکہ یہ عموماً نہایت ہی شریف خاندان اور بڑے رتبے کی ہوتی تھیں اس لئے اس کے اثرات بھی دوررس ہوتے تھے۔

اہل مکہ سے باہر بی بی زینبؓ بنت خزیمہ اور بی بی میمونہؓ بنت الحارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تھا۔ خاص کر بی بی میمونہؓ کی آٹھ نو بہنیں تھیں اور سب نہایت اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں اور کتاب المحبر کے مستند مؤلف محمد بن حبیب (فوت ۲۴۵ھ) کو اپنی کلاسیکل کتاب میں تسلیم کرنا پڑا کہ:۔

لا نعلم امرأة في العرب	پورے عرب میں کوئی اور ایسی عورت
كانت أشرف أصهاراً منها	معلوم نہیں جس کے داماد اس سے

هند بنت عوف أم ميمونة وأخواتها۔	زیادہ شریف ہوں جتنے ہند بنت عوف کے جو بی بی میمونہؓ اور ان کی بہنوں کی ماں تھی۔
(المحبر صـ ۱۰۹)	

بی بی جویریہؓ بنی المصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ یہ ایک نہایت ہی طاقتور اور وسیع قبیلہ تھا اور مکے اور مدینے کے مابین رہتا تھا اس علاقے کے ساتھ اسلامی مملکت کی سرحد مکے کی سمت کوئی سو میل آگے بڑھ گئی۔

کندہ جنوبی عرب میں ایک شاہی خاندان تھا۔ اسلام سے پہلے ان کی سلطنت جنوبی عرب سے لے کر جنوبی عراق تک عرب کے مشرقی حصے میں پھیل گئی تھی۔ اس کے اثرات عہد اسلام میں بھی کافی تھے۔ اس قبیلے سے بھی آں حضرتؐ نے ازدواجی تعلقات قائم فرمائے تھے۔ یہی حال قبائل کلاب وکلب و بنی سلیم وغیرہ کا تھا جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ کتاب المحبر اور طبقات ابن سعد جلد ۸ میں اس کے بیتے جاگتے تذکرے ہیں۔

خود مکے میں بی بی خدیجہؓ کا تعلق قبیلۂ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے تھا۔ بی بی سودہؓ کا بنی عامر بن لوی[1] سے بی بی عائشہؓ کا بنی تیم سے بی بی حفصہؓ کا بنی عدی سے بی بی ام سلمہؓ کا بنی مخزوم سے بی بی ام حبیبہؓ کا بنی امیہ[2] سے۔ بی بی زینبؓ بنت جحش کا قبیلۂ بنی اسد بن خزیمہ سے۔ مکے میں ان سے زیادہ با اثر اور کوئی

[1] و [2] ان دونوں کے شوہر ہجرت حبشہ پر وہاں کے ماحول کے باعث مرتد ہو کر عیسائی ہوگئے۔ لیکن بی بی سودہ اور بی بی ام حبیبہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ اس اخلاص کا پھل ملا کہ امہات المومنین بنیں۔

Marfat.com

خاندان نہ تھے۔

بی بی ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔[1] بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا۔

اس مختصر صراحت کے بعد یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی وسیع کوشش فرمائی اور نتائج بھی بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بیکار نہ رہیں۔

غیر عربوں کے متعلق

آں حضرت صلعم نے اس نفسیاتی حقیقت کا اپنے طرز عمل میں ہمیشہ بڑا لحاظ رکھا کہ کسی کو برا کہنے سے اس میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کے آغاز کی تعریف کر کے ابتدا یا غلطی سے اس کے طرز عمل میں برائیاں گھس آنے کا ذکر کرنا اس کو سنجیدگی سے غور کا موقع دے سکتا ہے۔ یہودیوں، نصرانیوں اور خود مشرکین عرب کے متعلق اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام خدا کے سچے اور عالی رتبہ نبی تھے۔ مگر ان کے بعد کی نسلوں نے ان کی سچی تعلیم میں من گھڑت عقائد اضافہ کر لیا ہے۔ یہ تعلیم کہ

اے الہامی کتابوں والو! ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر کی ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ

---

[1] بنو قریظہ کا نام میریشیا یا میریتیا بیان کیا جاتا ہے۔ اگر یہ واقعی یہودن تھیں تو پھر بظاہر یہ دونوں اسرائیل اور پارس سے ہوں گی۔ ایران کے حملۂ مصر کے وقت آئیں۔ شکست کے وقت مصر رہ گئیں اور عیسائیت قبول کر لی۔

Marfat.com

اس کا کچھ شریک ٹھرائیں اور نہ ہم اپنے ہی میں سے بعض کو بعض، خدا کو چھوڑ کر آقا بنائیں۔" (قرآن)

زیادہ تر یہود و نصاری کو اتحاد و یکجہتی کی دعوت کی۔ پھر یہ کہا گیا:-

"ہر قوم کا ایک ہادی ہوا ہے۔ ہر اُمت کے لئے ایک خدائی پیغام رساں ہوا ہے۔ اے محمد ہم نے اپنے بعض پیغمبروں کا تجھ سے ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں۔" وغیرہ (قرآن)

یہ تمام ہی دنیا کے مقدس لوگوں کا احترام کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کا صریح فیصلہ تھا۔ اور آخر میں:-

"وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وہ لوگ جو یہودی بنے۔ اور نصرانی اور صابی، ان میں سے جو بھی خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو ایسے لوگوں کو ان کے رب کے پاس ان کا بڑا اجر ملے گا۔ اور انھیں خوف اور رنج کی کوئی وجہ نہیں۔"

(قرآن)

اسلام کا دعویٰ تھا کہ وہ بنیادی مذہب ہے۔ آدمؑ سے عیسیٰؑ تک سب اسی کے پرچار اور تبلیغ کے لئے آئے تھے۔ وہ ازلی صداقتوں پر مشتمل ہے جن کے ماننے بغیر کسی معقولیت پسند کو چارہ نہیں اور بنیادی واجبات کے سوا باقی ہر چیز میں انسانوں کو کافی وسیع، راحت و مصالح حاصل ہے کہ جو چاہے کرے مذاہب کے مابہ الاشتراک امور اور بنیادی صداقتیں جو انسانی حقوق و واجبات کے متعلق تھیں بیان کر کے اسلام نے ساتھ ہی مذہب کو ایک نہایت

Marfat.com

سہل و آسان چیز (الدین یُسرٌ) بھی بنا دیا اور انسان اور خدا کے مابین راست رشتہ جوڑ دیا۔

دوسرے الفاظ میں تمام مذاہب کے پیروؤں میں باہمی احترام و رواداری کا جذبہ پیدا کرنا اور فروع کو چھوڑ کر معقول اصول پر سب کو ایک ہو جانے کی دعوت دینا ہی اسلامی پیغام تھا۔ اور اسی بنیادی مذہب کے ذریعے سے دین و دنیا کی خوبیوں سے بیک وقت استفادہ ممکن تھا۔ اور خیر و شر کے آمیزے (یعنی انسان) کو اعتدال پر رکھنے اور شیطان اور فرشتہ ہر دو سے الگ بلکہ دونوں سے بہتر خدائی تخلیق کا ایک کامل ترین نمونہ بنانے کا طریقہ بتا دیا گیا۔

اس ہادیٔ اعظم کی یہ تعلیم شاید آج بھی عصبیتوں سے بھری دنیا کے لئے سنجیدہ غور و فکر اور انسانیت سوز برادر کشیوں کے انسداد کا سامان مہیا کرتی ہے۔

یہ ایک بے معنی چیز ہو گی کہ نبی کے بتائے ہوئے راستے پر تو چلیں لیکن خود نبی کو نہ مانیں یوں بھی راستے میں بھٹکیں اور ہادیٔ اعظم موجود نہ ہو تو کعبے کی جگہ ترکستان پہنچ جائیں گے اور اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو۔

Marfat.com

بعثت نبویؐ کے وقت کی چند عالمگیر گتھیاں
اور
ان کا اسلامی حل

تمہید

تمام نباتی اور حیوانی افراد میں انسان چاہے کتنا ہی بلند پایہ اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اس اشرف المخلوقات میں بھی آغاز ترقی، کمال اور فنا کے بعد پھر یکر رانس کا سلسلہ لامتناہی طور پر جاری رہتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے۔ بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے لیکن اس پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسی اثنا میں کچھ بڑوں سے کچھ بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور فنا ہونے سے قبل پھر کچھ بڑھتے اور نسل پیدا کرنے کے قابل بچے چھوڑ جاتے ہیں۔

شاید اس مظاہرۂ قدرت کا نتیجہ ہے کہ انسانوں میں ایک ہی چیز بار بار تازہ ہوتی اور اپنا رد عمل پیدا کرتی نظر آتی ہے۔ انسان دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اپنوں کے سابقہ تجربوں کو ملحوظ رکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے اور اسی لئے اس کا تمدن اور اس کی قوت مخلوق خدا میں روز افزوں سربلندی حاصل کرتے جا رہے ہیں لیکن اس میں جو بنیادی خصوصیت ہے کہ پیدائش، نشوونما اور فنا کا سلسلہ جاری ہے۔

Marfat.com

اسی لئے ہزاروں چیزیں جو ہمارے بڑے اپنے تجربوں سے معلوم اور طے کر چکے تھے، وہ ہمارے بچوں اور نوعمروں کو اس وقت تک پسند نہیں آتے جب تک وہ خود بھی تقریباً اتنے ہی تجربوں اور تلخیوں سے خود بھی نہ گزر جائیں۔

اس طویل تمہید یا مشاہدے کا منشا یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کے تمام تجارب اور گتھیاں اور ان کے حل اب داستان پارینہ نہیں ہو گئے ہیں۔ شائد یہی کہنا صحیح تر ہے کہ وہ سب کی سب آج بھی باقی ہیں۔ ان کا حل اگر کبھی معلوم بھی کیا گیا تو اس حل پر عمل کرنے والوں کے زمانے ہی تک اس کا اثر بھی محدود تھا۔ جیسے ہی نئی نسل پھر سے سبق بھلا بیٹھی اور نئے سرے سے پرانی الجھنوں میں پڑی تو پھر سے وہی مسئلہ نمودار ہو گیا اور اس کے وہی اثرات ہویدا ہو گئے۔

عہد نبوی کے آغاز پر دنیا کی حالت

اب (۱۳۶۵ھ) سے (۱۴۰۸) سال قبل بعثت نبوی کے وقت دنیا کی حالت جو کچھ تھی وہ کافی مفصل اور صحیح طور پر معلوم ہے۔ انسانی دنیا کبھی شرِ محض نہیں بنتی۔ اس میں کچھ اچھے لوگ بھی باقی رہتے ہیں۔ بلکہ خود بڑے بڑے آدمی میں بھی زندگی کے کچھ لمحے ایسے آہی جاتے ہیں جب وہ کچھ نہ کچھ نیکی کر جاتا ہے۔

لیکن یہاں ہمیں ان رجحانوں، عادتوں یا خصلتوں سے بحث ہے جو اس زمانے میں برابر رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک کو ہم لیں گے اور دیکھیں گے کہ خاران کی چوٹیوں سے اصلاح کی جو دعوت شروع ہوئی اس نے انسانی سماج پر کارفرمان مختلف عادتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی اور اپنے طاقتور ہاتھوں سے انسانی عادتوں کی دھاتوں کو کن سانچوں میں دبا کر کن شکلوں میں تبدیل کیا۔ فطرت انسانی کے

بدلنے کا سوال نہ تھا۔ صرف اس کے اظہار کے لیے راستے مقرر کرنے سے غرض تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان میں کم و بیش رحم بھی پایا جاتا ہے اور غضب بھی برداشت بھی پائی جاتی ہے، آرام طلبی بھی۔ اگر غضب اور آرام طلبی کو فنا کر دیں تو پھر انسان انسان ہی نہیں رہے گا چاہے وہ فرشتہ ہو جائے یا پتھر۔ سوال صرف یہ ہے کہ انسان کس وقت رحم کا اظہار کرے اور کس وقت غضب کا۔ کب ضبط سے کام لے اور کب ضبط کرنا نامناسب ہے۔

مصلح دراصل یہی ہدایت کرتا ہے کہ انسان اپنی کس خصلت یا قوت کو کس راہ پر لگائے اور اس کا کس حد تک مظاہرہ کرے۔

عہد نبوی کے آغاز پر دنیا میں بڑی بڑی متمدن سلطنتیں موجود تھیں۔ مدائن کے ایرانی، قسطنطنیہ کے بزنطینی اور خانبالغ کے چینی دنیا کے تین بڑوں پر مشتمل تھے۔ انسانی دماغ اہرام مصر بھی بنا چکا تھا۔ ایلورا اجنتہ بھی اور آیا صوفیہ بھی۔ توریت کی گرمی بھی دنیا میں آ چکی تھی۔ انجیل کی نرمی بھی، وید کی ذات پات کی، تقسیم انگیزی کا بھی انسان تجربہ کر کے نتیجہ دیکھ چکا تھا اور کنفوشس کی تعلیم کے مطابق ایک سو ایک پشت تک کی رشتہ داری کو یاد رکھنے کی کوشش بھی کر چکا تھا۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر بھی لکھی جا چکی تھی اور ارسطو کی پالیٹکس بھی، مہابھارت بھی اور الیڈ و اڈیسے بھی۔ غرض مذہب، فنون لطیفہ، تعمیرات، ادبیات، سیاسیات،

Marfat.com

صناعی غرض ہر شعبے میں ان مدارج پر پہنچ چکا تھا کہ ان کی عظمت آج بھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں۔

لیکن ان ذہنی کمالات کے ساتھ روحانی زدالات بھی کم نہ تھے۔

قومیت ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندیوں کو کوّے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔

ایرانی بیشک گورے تھے اور عربی زبان بیشک بڑی نایاب خصوصیتیں رکھتی تھی لیکن اس واقعے کی صداقت کو اتنی ہی کم اہمیت تھی جتنا اس کو کہ انسان کے دانت منہ کے اندر ہوتے ہیں۔ اس میں ناز کرنے اور اکڑنے کی کونسی بات تھی اور محض اختلاف رنگ و زبان کی بنا پر تعصب و عناد کیسے روا ہو سکتا تھا۔

اتنے میں یہ صدا بلند ہوئی کہ "واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذٰلک لآیات لقوم یعلمون" (قرآن) یعنی تمہاری زبانوں اور رنگوں میں آپس میں اختلاف رکھنا محض ایسی نشانیوں پر مشتمل ہے جن سے صاحب عقل و فکر خدائے خلاق کی کاریگری کو پہچان اور دیکھ سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومت میں بلال حبشی اور صہیب رومی میں کوئی فرق کبھی نہ رہا۔ نہ ترکوں نے حبشیوں کی کبھی تحقیر کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پُرامن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔

Marfat.com

حجابات سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باوجود بھائی چارہ اتنا بھلا دیا گیا تھا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو چھونا تو کیا اس کا سایہ اپنے سایے پر پڑنے دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ علم و عرفان کے متعلق اتنی بخالت اور خود غرضی تھی کہ اپنے کمالات ذہنی کے مجموعے کی مقدس کتاب کو کوئی اجنبی چھو یا پڑھ تو کیا اگر محض سُن بھی لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا اور کہیں چھوٹی بڑی سیاسی وحدتوں میں اپنے نطرۃً اچھے ہونے کا اتنا غرہ ہو گیا تھا کہ باقی دنیا میں کوئی خوبی اور اپنے میں کوئی خامی نظر ہی نہیں آتی تھی۔

اس وقت یہ ربانی پیغام کی صدا بلند ہوئی کہ یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (قرآن) — اے انسانو، ہم تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کرتے ہیں اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں محض اس لئے بانٹتے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز تو وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس ہو۔

پھر کیا ہوا؟ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

خاندان غلامان اور خانوادۂ ممالیک کی حکمرانی سے کسی کو اس لئے

عارنہ ہوا کہ غلام زید اور غلام زادہ اسامہ کے تحت بھی صدیق و فاروق اور سیف اللہ اسامہ کو اپنی ہتک نہ محسوس کرنے کی تعلیم مل چکی تھی۔ انسانوں کی اصولی و فطری مساوات اور پرہیزگاروں کی اکتسابی فضیلت و برتری کے سنہرے نظریے نے وہ تمام مصنوعی اور انسان ساز بت ملیامیٹ کر دیے جو اب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونے والی تلخی و فساد انگیزی پیدا کر رہے ہیں۔

ثار یا غیر مختتم انتقام در انتقام عام انسان کی کچھ افتاد طبع ہی ایسی ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتا ہے۔

پرانے ناموں کے محض دہرانے سے مفہوم کا سمجھنا بعض نوعمروں کے لئے دشوار ہوگا۔ اس لئے بطور تمہید ایک نئی مثال پیش کی جاتی ہے۔ آج جاپان میں امریکیوں کی اکڑفوں اور زیادتیوں کو دیکھ کر ہمیں جاپان سے ہمدردی ہوتی ہے۔ لیکن دراصل دوران جنگ میں امریکیوں سے جاپانیوں نے جو بدسلوکیاں اور انسانیت سوز برتاؤ کیا، اسے یاد کیا جائے تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ اور اگر جنگ سے قبل امریکہ میں جاپان کے ساتھ جو تعصب برتا جاتا، و حقیر سمجھا جاتا تھا اسے دھیان میں رکھا جائے تو پھر دوران جنگ کے جاپان طرز عمل سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اگر امریکہ کے قوانین ترک وطن سے قبل کی جاپانی نفرت کو سوچا جائے جو امریکہ سے تھا تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ لیکن اگر جاپانی نفرت کے شروع

ہونے سے قبل امریکہ کے جاپان پر حملہ کرنے اور جبراً تجارتی کھڑکیاں کھولنے کی اجازت حاصل کرنے پر غور کیا جائے تو جاپان سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ پھر اگر جاپان کے دنیا جہان سے الگ تھلگ رہنے پر اصرار اور اپنے ہاں کی قدرتی پیداوار سے باقی انسانوں کو استفادہ کرنے دینے سے یکسر انکار پر غور کیا جائے تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔

غرض انتقام در انتقام کے یہ طویل سلسلے کبھی ختم نہیں ہوتے تا وقتیکہ فریقین میں ماضی کو ماضی پر عمل کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو۔

عہد نبوی کے آغاز پر عرب کے قبائل کے اندر ثار یا انتقام در انتقام کا اس طرح کا سلسلہ غیر مختتم تھا۔ ایران و یونان (روم) کی ہزار سالہ کشمکش بھی جاری تھی۔ ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کی کشاکش بھی اسی طرح کی تھی۔ خود پیغمبر اسلام کو مکے والوں نے بھی خواہ مخواہ دعوت اصلاح پر جسمانی اور روحانی تکلیفیں دیں۔ جان لینے کا قصد کیا۔ جلا وطنی پر آپ کی اور آپ کے رفیقوں کی جائداد اور گھر بار ضبط کر لیا۔ جلا وطنی میں بھی چین نہ لینے دیا۔ بدر، احد، اور خندق میں روز افزوں شدت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے مٹانے کے لئے چڑھ دوڑے۔ اکیس برس کی غیر منقطع کشاکش کے بعد [illegible] اسلامی فوج کا قبضہ ہو گیا اور یہ جوہری بم سے بھی زیادہ [illegible] والا دور تھا۔ کیا اس وقت مکے میں قتل عام نامناسب تھا؟ مکے والوں کی چھوڑی ہوئی جائداد کی ضبطی ناجائز ہوتی؟ مکے والوں کو تمام [illegible] غلام اور اچھوت [illegible]

Marfat.com

اہل شہر کو جمع کر کے کیا کہا تھا؟ لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔

(حدیث)۔ یعنی آج تم پر کوئی الزام باقی نہیں۔ جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے) انتقام لیتے تو جذبۂ درندگی کی بیشک تسکین ہوتی گو تکلیفیں پہنچ چکی تھیں۔ لوگ مر چکے تھے۔ جو بات ہو چکی اسے پھر اَن ہونی تو نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مال لوٹ لینے میں تھوڑی سی غنیمت ہاتھ لگتی۔ لیکن مال ہاتھ کا میل ہے آیا اور چلا گیا۔ عارضی غلامی کا حکم تو دیا جاسکتا تھا لیکن کسے معلوم کتنے دن چل سکتا۔ مکے کو خاموش اور پس پردہ انتقامی تیاریوں میں کامیابی ہو جاتی تو اس کا ردعمل کتنا سخت نہ ہوتا۔ اس کے برخلاف لاتثریب علیکم الیوم کی صدائے بازگشت کا گونجنا ابھی بند بھی نہیں ہوا تھا کہ مکے والوں کے دل پگھل گئے۔ جسم شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور مکے کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ پھر کبھی مکے پر اچانک قبضے اور شکست کا وہاں والوں کو نہ خیال آیا اور نہ رنج محسوس ہوا بلکہ اپنے سابق دشمن کے سب سے تابعدار معاون بھی بن گئے۔ کاش کوئی آئزن ہاور، کوئی استالن، کوئی نیک آرتھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کی توفیق پاتا اور محورین کی آئندہ انتقامی جنگ کے امکان کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر کے انسانوں کو امن چین عطا کر سکتا۔

نصب العین حیات عہد نبوی کے آغاز پر دنیا میں جو بڑے بڑے مذہب اور تمدن باقی تھے، ان میں انسان کا مقصد زندگی اور تصور

حیات مختلف تھا۔ بدھ مت نے روح اور نفس کے تزکیے پر انسان کی توجہ کو اتنا مرتکز کر دیا تھا کہ ان کے نظامِ تصور میں خدا کی کوئی جگہ اور ضرورت ہی نہیں رہی تھی اور بظاہر بغیر کسی دور رس مقصد کے انسان کو اپنے قوائے فطری کے استعمال و استفادہ سے روک دیا گیا تھا۔ عیسائیت کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف تو پہاڑی وعظ جیسی تعلیم تھی جو محبت سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی بلکہ ناقابلِ عمل اور غالباً انتہاپسندی کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن ساتھ ہی اس کے بانی مذہب کی طرف یہ مقولہ بلکہ حکم بھی منسوب تھا کہ قیصر کی چیزیں قیصر کو اور خدا کی چیزیں خدا کو دیدو۔ اگر اس سے شرک لازم نہ بھی آئے تو مذہب و سیاست میں ایک ایسی دائمی جدائی پیدا کر دی گئی تھی کہ سیاست کو اخلاق سے کسی واسطے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور منفعت اندوزی اور مصلحت بینی کے تحت بادشاہ انتہا درجہ مادیت پرست اور بے رحم بن سکتا تھا۔ اور دوسری طرف مذہب کو عوام کی زندگی کے نہایت محدود اور خالص عبادتی حصے کے سوا کبھی کسی اور شعبے میں دخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بادشاہ کلیسا کے مفادات میں تصادم کی صورت میں راسخ العقیدہ اور ساتھ ہی بادشاہ سے بھی وفاداری رکھنے والا شخص عجیب گومگو کی حالت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ مثلاً سپاہی پیشہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی وعظ پر کس طرح عمل کرے؟ یا اگر ہر شخص راہب بنے تو نسلِ انسانی کیسے باقی رہے؟

غرض کوئی مذہب یہ حکم دیتا تھا کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ تو ہی تم انسان کہلا سکتے اور نجات بدی کے مستحق ہو سکتے ہو اور کوئی کہتا تھا کہ کھاؤ پیو

Marfat.com

مزے اُڑاؤ کہ زندگی کا مقصد یہی ہے۔

ظاہر ہے کہ رہبانیت گنتی کے چند مستثنیٰ طبائع کے سوا انسانوں کی کثیر اکثریت کے لئے ناقابل عمل بھی ہے اور نامناسب بھی ہے۔ اور دوسری طرف مادہ پرستی کے تحت اگر انسان کا طرز عمل اخلاقی اساس پر مبنی نہ رہے تو پھر انسان اور کسی وحشی درندے میں کیا فرق باقی رہ سکتا ہے؟

ضرورت ایسے تصور حیات کی تھی جو ہر طبیعت کے انسان کے لئے قابل عمل بھی ہو اور نسل انسانی کے مفید و موافق بھی ہو۔ اس کے متعلق قرآن مجید نے وہ انقلابی حکم دیا جو حسب ذیل آیتوں میں بیان ہوا ہے:۔

منہم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وما لہ فی الآخرۃ من خلاق۔ ومنہم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اولئک لہم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب۔ (قرآن)	یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں نواز دے۔ ایسے شخص کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اور بعض ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بھلائی دنیا میں بھی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ایسوں کو اپنے کئے ہوئے اعمال کے متعلق حصہ ملے گا اور خدا جلد حساب لینے والا ہے۔

یہ اسلام کا وہ نہایت ہی اصلاحی مطمح نظر اور مقصد حیات ہے کہ دنیا میں بھی

Marfat.com

بھلے رہیں اور آخرت میں بھی بھلے رہیں۔ زمین و آسمان کی ہر خدائی مخلوق سے ہم استفادہ کریں لیکن خود ہم خدا کے لئے رہیں۔ لذت اندوزی مقصد زندگی نہ ہو بلکہ مقصد زندگی کی تکمیل کے لئے کسی کا حق مارے اور ظلم کئے بغیر جتنی لذت کی ضرورت یا خواہش ہو اس سے روکا نہیں جاتا۔

یقین وعمل

آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو بھولے اور نجات کے لئے قطعاً ناموافق سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خود غرضی و ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔ بلکہ انجیل ہی کی روایات پر اعتماد کیا جائے تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے تھے کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں۔

اس سب پر مستزاد یہ تصور تھا کہ عمل کو کوئی اہمیت نہیں ہے اپنے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لئے کافی ہے۔

قرآن نے اگر عمل پر زور نہیں دیا ہے تو پھر کسی چیز پر بھی زور نہیں دیا ہے۔ آمنوا (ایمان لائے) کے ساتھ وعملوا الصالحات" (نیک کام کئے)

Marfat.com

جتنی مرتبہ قرآن میں ملا کر دہرایا گیا ہے کوئی اور حکم نہیں دہرایا گیا ہے۔ نسلی اور پیدائشی مذہبوں کے متعلق یہ لرزہ خیز حکم دیا گیا کہ جب لوگ خدا کے پاس حاضر ہوں گے تو "فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون" (قرآن) یعنی اس دن نہ ان کے نسب کا لحاظ ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ جواب طلبی کر سکیں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا انفرادی طور پر ذمہ دار ہوگا یہ نہیں کہ ہمارے گناہوں کا کوئی اور ناکردہ گناہ ہی بھینٹ چڑھ جائے چاہے وہ نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور ہم زندگی بھر عمداً بدمعاشیاں کرتے رہنے کے باوجود رستگاری و رہائی پا جائیں۔

دیگر مذاہب کی تصدیق و تصحیح

اسی طرح رسول عربی نے یہ کبھی نہیں کہا کہ دنیا کے دیگر مذاہب جھوٹے اور ان کے ماننے والے جہنمی ہیں۔ لامذہبی اور خود پرستی کو چھوڑ کر (جس میں اپنی بھی دستکاری اور اپنے ہی مصنوعات کو اپنا خدا مان لینا شامل ہے) آنحضرت نے فرمایا کہ دنیا کا ہر مذہب سچا اور خدا کی طرف لے جانے والا ہے۔ بشرطیکہ اس مذہب کی ابتدائی اصیلت میں غلط رسم و رواج سے حذف و اضافے نہ ہو گئے ہوں۔ اور یہ کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی امت ایسی نہیں جہاں خدا کے پیغمبر نہ آئے ہوں اور سچا مذہب نہ پھیلا چکے ہوں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ "اے محمد ہم نے اپنے بعض پیغمبروں کا تجھ سے تذکرہ کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا ہے۔" "نیز کوئی امت ایسی نہیں جہاں کوئی خدا سے ڈرانے والا نہ آیا ہو۔"

سنہ ۸ھ میں یعنی اپنی وفات سے صرف تین سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ، مصر اور حبش کے عیسائی حکمرانوں کے نام جو تبلیغی خط

Marfat.com

لکھے اس میں یہ درج نہ تھا کہ عیسائیت جھوٹی ہے اسے ترک کر دو بلکہ قرآن مجید کی یہ خاص طور پر دلچسپ آیت درج تھی کہ

یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون[1] (قرآن)	یعنی ــــ اے الہامی کتاب کو ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہدو کہ گواہ رہو ہم تو اس پر سر تسلیم خم کر چکے ہیں

ایک اور آیت قرآن مجید میں دو جگہ بہت خفیف لفظی فرق سے دہرائی گئی ہے۔

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من امن باللہ و الیوم الآخر	یعنی ــــ جو لوگ ایمان لائے (پیغمبر اسلام پر) اور جو لوگ یہودی ہیں نیز عیسائی اور صابی مذہب والے غرض جو بھی

---

[1] یہ ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین من قبل کے ہمعصرانہ خاص کر یہودیوں، عیسائیوں اور مشرک عربوں سب کے لئے نقطۂ اجتماع تھا اور کسی کو اپنی کوئی عزیز چیز چھوڑنی نہ تھی۔ ملت ابراہیمی سب ہی کی مشترکہ میراث تھی ــــ بظاہر یہ اسلام کے اندر لانے کا پہلا قدم تھا۔

Marfat.com

وعمل صالحًا فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون"
(قرآن)

اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو ایسوں کو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ملے گا اور نہ ان پر کوئی خوف کی وجہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

صُلح کل رواداری اور انتہائی وسعتِ قلبی کی اس عجیب و غریب تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی عیسائی اور صابی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کو ترک کریں بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب ہی کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں یعنی خدا و رسول کو ماننا[1] مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین کرنا اور زندگی بھر نیک کام کرنا۔ یہ اجر ملنے اور خوف سے بچنے کے لئے کافی ہے۔ حقیقت میں یہ ایک طرح سے ایک بنیادی مذہب مرتب کرنا تھا اور اسی بنیادی مذہب کو "ان الدین عند اللہ الاسلام" (قرآن) (یعنی حقیقی دین خدا کے نزدیک اس کی تعبیداری کا نام ہے) اور "ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" (قرآن) (یعنی جو خدا کی تعبیداری سوا کسی اور کی اتباع کرے تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا) کہا گیا۔ ان آیات میں اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصلی مذہب پر رجوع کرو۔ بعد کے زمانے کے حذف و اضافہ سے باز آؤ اور توحید قیامت اور عمل صالح کے سہ گانہ مابہ الاشتراک امر پر انضمام نہیں تو وفاق کر لو۔ ہر مذہب کی اصلی تعلیم کو مانیں تو پھر اصول کی حد تک اختلاف ہے ہی

[1] قرآن مجید کے مطابق ایمان میں خدا و رسول میں فرق کی اجازت نہیں ہے۔

Marfat.com

نہیں اور چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب و ملت میں ایک آخری تسکین دہندے کی بشارت و پیشین گوئی موجود ہے اس لئے اپنے مذہب کی تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آجاتی ہے یوں بھی نجات کے اس طریقے سے استدلال کے لئے نبی عربی کو گواہی میں پیش کرنا انہیں کے لئے ضروری ہوگا۔

اس طرح مذہبی تعصب کی مصیبت سے انسان کو نجات مل جاتی ہے۔ اور لا اکراہ فی الدین (قرآن — یعنی دین میں جبر نہیں) ایک ایسا سنہری اصول تھا جو اس سے پہلے کہنا چاہیئے کہ سنا ہی نہیں گیا تھا۔

دولت و افلاس

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کے لئے کوئی جبر اور لزوم عائد نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دولت مندوں میں عموماً جو کنجوسی اور بیرحمی ہوتی ہے اس کا کوئی موثر علاج وجود میں نہ آسکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مال دار تر ہوتے چلے گئے اور مفلس مفلس تر۔ قبل اسلام غالباً ایک مرتبہ مزدک نے اس کے خلاف ردّ عمل کیا اور اشتراکیت کی تعلیم دی۔ لیکن یہ تعلیم معقولیت پر نہیں۔ بلکہ نفرت اور رشک و حسد پر مبنی تھی۔ پھر اس میں اخلاقی اساس اتنی پارہ پارہ کردی گئی کہ مال و جائداد کے حدود میں عورت کو بھی شامل کرکے ازدواج کے تقدس اور خاندان کا خاتمہ کردیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ زیادہ دن چل نہیں سکتا تھا۔ اگر اشتراکیت کے معنے ہیں کہ خدا نے جو بھی تھوڑا بہت ہمیں دیا اس میں ہم اپنے سے غریب تر و محتاج تر

Marfat.com

بھائیوں کو بھی شریک کرنے کی جانب ہمیشہ مائل و عامل رہیں تو ہر مسلمان پہلا اشتراکی ہے۔لیکن اگر اشتراکیت کے معنے اپنے سے بہتر اور مالدار تر لوگوں کی دولت پر للچائی ہوئی نظریں ڈالیں اور خود نکھٹو، سست، کام چور، فرض ناشناس ہونے کے باوجود دوسروں کے گاڑھے پسینے کو ہتیالیں تو یہ انتہائی کمینگی ہے۔اور کوئی مسلمان قیامت تک اسے قبول نہیں کرسکتا۔خیرات کی ترغیب اور بھیک کی ممانعت ہر دو پر جب تک بہ یک وقت عمل نہ ہو یہ گتھی حل نہیں ہوتی۔

اسلام نے اس بات کو محسوس کرلیا کہ دولت کی گردش و تقسیم سے کس طرح ہر کوئی فائدہ اٹھاتا ہے، بغیر اس کے کہ کسی پر ظلم ہو اور ایسا نہ ہونے سے دولت چند ہی لوگوں تک محدود ہو کر باقی ملک غلامی سے بھی بدتر احتیاج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس لئے اجتماع دولت کی جڑوں کو کاٹا گیا۔ہر قسم کے سود کی ممانعت کی گئی۔وصیت پر پابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو نہ دیدے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جا سکتی ہے پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کو حصہ دار رکھا گیا تاکہ ایک سے زیادہ خاندانوں میں دولت رہے۔اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ نامزد کئے جو لازمی طور پر ترکے میں حصہ پائیں سود کی ممانعت کے ساتھ اسے حکومت کے فرائض میں داخل کیا گیا کہ غارمیں یعنی ضرورت مندوں کے لئے بے سودی قرض دینے کے لئے اپنے موازنے میں گنجائش رکھے۔گویا قرض کاری کو قومیا دیا گیا اور آخر میں یہ کہ دولت پر ایک جبری محصول زکات کے نام سے عائد کر دیا گیا اس کی

Marfat.com

شرح ڈھائی فی صدی سالانہ ہے۔لیکن ہمارے فقہا نے تسلیم کیا ہے کہ یہ کم سے کم شرح ہے ورنہ غیر معمولی حالات میں حکومت مال داروں سے محض سد رمق چھوڑ کر باقی پوری رقم محصول میں وصول کر سکتی ہے تاکہ دفاع یا باقی اہل ملک کی پرورش کر سکے۔غرض حکومت کا یہ اوّلین فریضہ ہے کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کھانا ملے اور مایحتاج زندگی پورا ہو۔اگر (۲½ %) کے عادتی محصول سے فقرا و مساکین کا کام چل جاتا ہے اور وہ اپنے پاؤں آپ کھڑے ہو جا سکتے ہیں تو بہا ورنہ حسب ضرورت اس شرح میں حکومت اضافہ کر سکتی ہے۔اور اس محصول زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ حکومت اوّلین فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔

سود کی ممانعت اور ہر فرد رعیت کے ضروریات زندگی کی تکمیل، وہ اصول ہیں جو اسلام ہی سے اشتراکیت نے لئے۔لیکن سود کی ممانعت کو وہ نباہ نہ سکی اور دوبارہ جاری کر دیا۔اسلام نے مساوات کو بھی لازمی نہیں قرار دیا۔صرف مال داروں پر محصول جائداد عائد کر دیا لیکن اشتراکیت نے چند روز اس پر زور دے کر اسے جب ناقابل عمل پایا تو چکے سے اسے بھی نظرانداز کر دیا اور آج روس میں مختلف طبقات کی تنخواہوں میں جو فرق ہے وہ کسی غیر اشتراکی ملک کے وزیر اعظم اور چپراسی کی تنخواہوں سے کچھ متفاوت نہیں ہے۔روس میں تا حال سود کی ممانعت نہیں اور اس سے قومی دولت میں ازدیاد کی کوششوں کا قلع قمع ہوتا جا رہا ہے۔اسی طرح اسلام نے وراثت کو واحد فرد مثل فرزند اکبر کی جگہ کثیر رشتہ داروں میں پھیلا کر زیادہ موثر و معقول حل تجویز

کیا ہے اور یہ اتنا معقول معلوم ہوا ہے کہ مصر و شام کے عیسائی، مسلمانوں سے شدید مذہبی تعصب رکھنے کے باوجود خالص اسلامی قانون وراثت پر آج بھی عمل کرتے ہیں بیمے (معاقل) کو عہد نبوی میں امداد باہمی پر مبنی کیا گیا اور بیمہ سرمایہ داروں کو بطور پیشہ چلانے کی ممانعت کی گئی، اب ۱۴ سو سال بعد برطانیہ کو اس کا ہوش آیا اور ۱۹۵۰ء کے انتخابی مواعید میں مزدور جماعت صنعتی بیمے کو باہمی بنانے (MUTUALIZE) کا وعدہ فردا کرنے لگی ہے۔

مسلمانوں میں جب تک اس نظام پر عمل رہا، ان کے ہاں نہ تو افلاس آیا اور نہ سود خواری کا نتیجہ یعنی مالداروں و مفلسوں میں کشمکش پیدا ہوئی۔

متفرقات انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام نے انفرادی آزادی اور ذمہ داری کو خاص طور سے تسلیم کرتے ہوئے بھی اجتماعیت کا راستہ ڈال دیا۔ انتہائی انفرادی ذمہ داری یعنی خالق و معبود کی عبادت کے لئے بھی اسلام نے حکم دیا کہ ہر روز پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھیں۔ ہر ہفتہ شہر و مضافات کے تمام لوگ اور ہر سال دو بار دور دور کے لوگ یکجا ہوں اور عمر بھر میں کم از کم بار ہر مسلمان حج کے سالانہ اجتماع میں شرکت کرے اور یہ ساری اجتماعیت پسندی بھی ایک خاص مرکز پر دائرہ بنائے اور ناف زمین خدا کے گھر کی طرف چار دانگ عالم سے منہ پھیر جائے۔ عبادات بدنی کی طرح عبادات مالی یعنی صدقات و زکوٰۃ کا بھی حکومت کی طرف سے حصول و خرچ ضروری قرار دیا گیا تمام دنیا کے لئے قانون بھی ایک رکھا گیا۔ رنگ، زبان، نسل، وطن وغیرہ کے فرق کو نظر انداز

Marfat.com

کرکے جملہ انسانوں میں اصولی مساوات تسلیم کی گئی۔ اس سے اولاد آدم کی سرکز گریزیوں کا اتنا کچھ انسداد ہو چکا ہے کہ آج بھی بے شمار دشواریوں اور خود مسلمانوں کی جہالت و بے عملی کے باوجود مسلمانانِ عالم میں جو ہمدردی و اخوت ہے وہ دنیا کے کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔

اسلام نے فطرت کی تبدیلی کی کوشش کی جگہ فطری رجحان کو معینہ راہ پر لگانا بہت ضروری قرار دیا ہے۔ وحدتِ ازدواج اصولاً مطمحِ چیز ہے لیکن جب تک لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش انسان کے قابو میں نہ ہونے سے باہمی مدوجزر ہوتا رہے اور جب تک جنگ و جدال وغیرہ کے نتائج سے عورتوں کی تقریباً ہر جگہ دنیا میں کثرت رہے، اس وقت تک تعدد زوجات کی اجازت سے بہتر کوئی حل نہیں۔ کثرت زوجات لازمی نہیں بلکہ ضرورۃً روا ہے۔ اس سے بہت سے معاشی اور سماجی مسائل حل ہوتے ہیں۔ چار کی حد بھی اس لئے ضروری ہے کہ چند مالدار محض لذتِ نفسانی کے لئے بے شمار عورتوں کی اجارہ داری حاصل کرکے نہ خود فائدہ اٹھائیں نہ دوسروں کی ضرورتیں پوری ہونے دیں۔ طلاق و خلع و تفریق کی اجازتیں، نکاح بیوگان و بے شوہران کی ضرورت، عورت کی مکمل آزادی اور جائدادی خودمختاری وغیرہ بیسیوں مسائل میں اسلام ہی نے رہنمائی اور پیش قدمی کی ہے۔ اور اگر آج کل اس میں کوئی دشواری محسوس ہو رہی ہے تو وہ یا تو سماجی رسم و رواج کے باعث اسلامی آزادیوں پر عمل نہ کرنے سے ہے یا اسلامی احکام کی تعبیر کرنے والوں کے جمود سے۔ کسی نے عورت میں روح تک کے وجود سے انکار کیا تو اسلام نے جنت تک کو ماں کے

Marfat.com

قدموں تلے ہونا قرار دیا۔

اسلام نے ذہنی غلامی کو بُرا ٹھہرایا ہے اور مناظر قدرت پر غور و خوض، تدبر و تفکر، تعقل، و تعلم پر قرآن نے بار بار زور دیا ہے۔ ستاروں کی گردش۔ چاند سورج کی روشنی و گرمی، بادلوں کی آمد، ہواؤں کی روانی، سمندر، پہاڑ، نباتات، حیوانات غرض ع

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ذہنی غلامی کے معنے صرف یہی نہیں کہ ہم غیر خاص کر مردہ شخص کی رائے کا اپنے ذہن کو غلام بنا دیں اور خود اپنی ذمہ دارانہ رائے قائم کرنے اور ایمان لانے سے باز رہیں۔ بلکہ ذہنی غلامی کے معنے میرے نزدیک یہ بھی ہیں کہ اپنے ذہن ہی کے غلام ہو جائیں اور جو چیز ہمارے ذہن میں نہ آئے، خواہ وہ ہمارے فن کی ہو یا نہ ہو اس کے متعلقہ علم سے ہمیں واقفیت ہو یا نہ ہو، اس سے انکار کریں۔ سمجھنے کی کوشش کرنا بیشک ہمارا فریضہ ہے اور اس میں ہر شخص کے حسب حوصلہ کوشش کامیابی بھی ہوتی ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (قرآن۔ خدا کا وعدہ ہے کہ "جو ہمارے تک پہنچنے کی کوشش کرے تو ہم اسے ضرور راستے سمجھاتے ہیں")

صداقت مطلق تو خدا کی ذات ہی ہے۔ اور اسی تک سب کو جانا ہے کچھ چیزیں تو انسان اب سمجھ چکا ہے اور اب بت پرستی و شرک، جس پر بعثت نبوی کے وقت دنیا کا اجماع تھا اور جس کے خلاف اسلام ہی نے علم بغاوت بلند کیا تھا، اب سنجیدہ دنیا کے نزدیک ختم ہو چکی ہے۔ اور دیگر مذاہب کے

Marfat.com

پیرز چاہے اسلام یا اسلامی احسان کو نہ مانیں لیکن توحید کی تعلیم کو صحیح تسلیم کر چکے ہیں۔ رزح، موت کے بعد کی زندگی، حساب دکتاب، آخرت چند ایک امور اور باقی رہ گئے ہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم کو معجزوں کی جگہ دل ودماغ کے تدبر پر چھوڑا ہے۔ جبر کے تحت لائے ایمان کی طرح وہ ایمان بھی بیکار ہے جو بے سوچے سمجھے لایا جائے۔

یہی وہ چیز ہے جو میں اب تک سمجھ سکا اور "رَبِّ زدنی عِلماً" قرآن یعنی — اے میرے رب مجھے علم میں بڑھا) کی دُعا کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

Marfat.com

انسانیت کا منشور اعظم

خطبۂ حجۃ الوداع

جمعہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو جبل الرحمہ پر سے میدان عرفات کے ڈیڑھ لاکھ حاضر کو حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطاب فرمایا تھا اسے تاریخ نے خوش قسمتی سے محفوظ رکھا ہے۔ اس خطاب کو انسانیت کا منشور اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

۱۔ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا۔ اور جسے اللہ ضلالت عطا کرے تو پھر کوئی اس کو ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔

۲۔ اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور آمادہ کرتا ہوں۔ اور میں اسی سے ابتدا کرنی چاہتا ہوں

Marfat.com

جو بھلائی ہے۔

۳۔ اما بعد۔ لوگو! مجھ سے سُنو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔

۴۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک حرام ہیں۔ ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمہارے آج کے دن، آج کے مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے ـــــ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۵۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کر دے جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

۶۔ خبردار۔ جاہلیت کا سود گرا دیا جاتا ہے۔ البتہ تمہارے لئے راس المال پر حق ہوگا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو۔ اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے۔ اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ میرے اپنے چچا العباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

۷۔ خبردار۔ جاہلیت کے خون گرا دیئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ (میرے چچا زاد بھائی کے بیٹے) عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا ہے۔

۸۔ خبردار۔ جاہلیت کے آثار و عہدے گرا دیئے جاتے ہیں بجز

Marfat.com

(خانۂ کعبہ کی) رکھوالی اور (حجاج کو) پانی پلانے کے۔

۹- قتل عمد پر قصاص ہے۔ مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ یا پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سَو اونٹ (خوں بہا ہیں) جو اس میں زیادتی (کا مطالبہ) کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔ ہاں۔ کیا میں نے پہنچا دیا اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۰- امابعد۔ لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پُوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

۱۱- لوگو! سال کی کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اس کے باعث بھٹکائے جا رہے ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور اسے ایک سال حرام کر لیتے ہیں تاکہ اس تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے۔ اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لیتے ہیں اور خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام۔ حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل پر آگیا ہے جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دن تھا۔ بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے ہی کے دن بارہ مہینے لکھی ہے۔ ان میں سے

چار حرام ہیں۔ تین پے در پے اور ایک تنہا:۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ اور محرم اور (قبائل) مضر کا۔ جب جو کہ جمادی (الآخرہ) اور شعبان کے بیچ میں ہے ـــ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۲۔ اما بعد۔ لوگو! تمہاری عورتوں کے لئے تمہارے اوپر ایک حق ہے۔ اور تمہارے لئے ان کے اوپر ایک حق ہے۔ تمہارے لئے ان کے اوپر یہ کہ تمہارے بستر کو تمہارے سوا کسی اور سے نہ روندائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اور کوئی بُرے فحش کام کا ارتکاب نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو ان کے ساتھ سونا بند کرو۔ یا ان کو غیر شدید ضرب پہنچاؤ۔ اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم پر ان کا اچھے دستور سے کھلانا اور پہنانا لازم ہے۔ عورتوں کے متعلق بھلائی کی تمہیں تاکید ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی سی ہوتی ہیں اور اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اور تم ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیتے اور اللہ کے بول پر ان سے تمتع اپنے لئے حلال کرتے ہو۔ اسی لئے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان سے بھلائی کی تمہیں تاکید ہے ـــ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۳۔ لوگو! تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔

Marfat.com

۱۴- لہٰذا میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو- میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو، میرے بعد تم گمراہ نہ ہوگے- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ —— ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا-

۱۵- لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک - تم سب آدم سے ہو- اور آدم مٹی سے - تم سے اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے متقی ہو- کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے - ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا-

لوگوں نے کہا- ہاں- آپؐ نے فرمایا تو پھر حاضر کو چاہیئے کہ غائب تک پہنچا دے-

۱۶- لوگو! اللہ نے ہر وارث کے لئے ورثے میں سے اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے- اب وارث کے لئے کسی (مزید) وصیت کی اجازت نہیں- اور (کسی اور کے حق میں بھی) ایک تہائی (مال) سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں- بچہ بستر (کے مالک) کا ہوگا اور زانی کو پتھر ملیں گے- جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی

اور کی طرف اپنے کو منسوب کرے یا اپنے مولا (معاہداتی بھائی) کے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائے تو اللہ اور فرشتوں اور ان لوگوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے (تلافی کے لئے) کوئی خرچ اور کوئی بدلہ قبول نہیں ہوگا۔ والسلام علیکم

اس کے عربی متن کے لئے دیکھئے جاحظ کی البیان والتبیین ۲/۲۴-۲۵ سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۸ تاریخ الیعقوبی ۲/۱۲۲ تا ۱۲۳ تاریخ طبری ص ۱۸۵۳ تا ۵۵ سنن دارقطنی کتاب الحج۔ حجۃ الوداع تولعفر محب الطبری بر موقع ٹکڑے اور اقتباس تو ہر حدیث کی کتاب میں ملتے ہیں۔ بخاری کے مطابق اس کی نقل خود رسول اللہؐ کے حکم سے لکھ کر حضرت ابو شاہ کو دی گئی تھی۔

Marfat.com

دو شاہاں در اقلیمے

تمہید خلافت کے اولین انتخاب کے موقع پر کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اجماع اُمت کے ذریعے سے وقت واحد میں "دو شاہاں در اقلیمے نمی گنجند" کا قاعدہ طے ہو گیا۔ لیکن اس مسئلے پر تاریخ اسلام نے اس کے خلاف بھی کچھ دلچسپ مواد جمع کیا ہے۔ اسے یہاں اس لئے یکجا کیا جاتا ہے کہ ہمارے علماء غور فرمائیں۔ میری حیثیت مدعی کی نہیں مستفسر کی ہے۔

خلافت صدیقی میں وحدت حکمران پر اجماع

رہنمایانِ انسانی کی سب سے جامع شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "الیوم اکملت لکم دینکم" کی ربانی بشارت بھی اُمت تک پہونچا دی اور قیامت تک کے لیے اپنی تعلیم وتعمیل یا قول وفعل وتقریر (یعنی برقراری) کے ذریعے سے اسوۂ حسنہ بھی مہیا فرما دیا تو ظاہر ہے کہ اس ذات قدسی صفات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مزید ایثار کر کے اس دنیائے دون وزبون میں رہنے کی ضرورت نہ تھی۔

جب پیغمبر اسلام اس دنیا سے سدھارے تو وحدت واجتماعیت کی اسلامی تعلیم نے اُمت کو مجبور کیا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن

Marfat.com

دفن سے بھی پہلے امت کی بھیڑوں کے لئے چرواہاگری کا فیصلہ کریں۔ اور ایک لمحے کے لئے بھی بے مرکزی یا تاراج روانہ رکھیں
امت کے سب سے مستند سیرت نگار نے اس سلسلے میں جو حالات لکھے ہیں، ان میں یہ جملے بھی ہیں کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب انصار اور مہاجرین دونوں کے ارباب حل و عقد جمع ہوگئے اور انصار کے خطیب نے امیری کے لئے اپنے گروہ کے حقوق جتا
تو مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر نے فرمایا۔

عن عمرؓ ۔ ۔ ۔ اما ما ذکرتم فیکم من خیر فانتم له اهل ولن تعرف العرب هذا الامر الا لهذا الحی من قریش هم اوسط العرب نسبا ودارا۔ وقد رضیت لکم احد هذین الرجلین فبایعوا ایهما شئتم واخذ بیدی وبید ابی عبیدة ابن الجراح وهو جالس بیننا۔ ولم اکره شیئاً مما قال غیرها۔ کان والله ان اقدم فتضرب عنقی

عمرؓ راوی ہیں ۔ ۔ ۔ تم نے اپنی جن خوبیوں کا ذکر فرمایا اس کے لئے بے شک تم اہل ہو لیکن عرب یہ اس امیری کو سوا اس قریشی قبیلے کے کسی کے لئے نہیں مانیں گے۔ وہ نسب اور گھرانے کے لحاظ سے عرب میں سب سے بلند ہیں اور میں تمھارے لئے ان دونوں میں سے کسی کے لئے [illegible] ہوں تم ان دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو۔ اور آپ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) نے میرا اور حضرت

لا یقربنی اثم ذالک احب الیّ
من ان اتامّر علی قوم فیهم ابوبکر
قال فقال قائل من
الانصار انا جذیلها المحکک
وعذیقها المرجب منا امیر
ومنکم امیر یا معشر قریش!
قال فکثر اللغط وارتفعت
الاصوات حتی تخوفت الاختلاف
فقلت ابسط یدک یا ابا بکر
فبسط یده فبایعته ثم
بایعه المهاجرون ثم
بایعه الانصار
(سیرۃ ابن ہشام)

ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا جو ہمارے ساتھ
بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ پکڑ لیا اور
انہوں نے جو کچھ کہا اس میں سے
سوائے اس آخری چیز کے مجھے کوئی
بات بھی ناگوار نہیں ہوئی تھی اور خدا
کی قسم اگر کسی گناہ کے بغیر میری گردن
اڑا دی جاتی تو مجھے زیادہ پسند
تھا بہ نسبت اس کے کہ مجھے ایسے
لوگوں کا امیر بنایا جائے جن میں ابوبکرؓ
بھی موجود ہوں۔

اور کہا کہ پھر ایک انصاری نے کہا کہ
اس بارے میں آپ میری تجویز مان
لیں گے اور میرا احترام کریں گے۔ ہم
میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے
ایک۔ اے قریش والو!

اور کہا کہ اس پر بہت شور ہوا اور
آوازیں بلند ہوگئیں یہاں تک کہ مجھے
اختلاف پیدا ہو جانے کا ڈر ہو گیا
اس لئے میں نے کہا کہ اے ابوبکرؓ

Marfat.com

اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ اُنھوں نے اپنا
ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت
کر لی پھر مہاجرین نے آپ سے بیعت
کی۔ پھر انصار نے آپ سے بیعت کی (ابن ہشام)

اس تفصیل میں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ تعدد حکمرانان کے خلاف مستقلاً کوئی اتفاق رائے قائم ہو گیا ہو۔ بلکہ صرف یہ نظر آتا ہے کہ دو امیروں کی تجویز پر صرف شور و شغب مچا لیکہ اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا جس کے معنی یہ لئے جا سکتے ہیں کہ کثرت و تعدد حکمرانان کے مسئلے پر بہت سے لوگ متفق نظر آ رہے تھے (صرف حضرت صدیق اکبرؓ کی ممتاز شخصیت نے انصار کو اپنی تجویز پر اصرار کرنے سے باز رکھا)

صحیح مسلم (کتاب ۳۳ حدیث ۶۱) میں جو روایت ہے کہ:-

اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الآخر منهما — جب دو خلیفوں سے بیعت ہو جائے تو ان میں سے بعد والے کو قتل کر ڈالو

— وہ یہاں قطعاً غیر متعلق ہے۔ یہ خانہ جنگی کا ذکر ہے، جہاں دو بیعت یافتہ افراد میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ وہی تنہا [illegible] بحث اس امر میں ہے کہ دو یا زائد افراد مشترکہ طور پر خلیفہ یا حکمران رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ لزوم بھی نہیں صرف جواز اور مباح ہونے یا نہ ہونے سے بحث ہے۔

Marfat.com

مشترک حکمرانی کی اجازت

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت ملنے پر اس کے فرائض کی گرانباری معلوم کر کے یہ دعا کی تھی کہ:۔

واجعل لی وزیرا من اھلی	اور بنا میرا ایک شریک کار میرے
ہرون اخی اشدد بہ ازری	قریبی لوگوں میں سے۔ ہارون میرے
واشرکہ فی امری	بھائی کو۔ اس سے میری کمر کو مضبوط
سورہ نمبر ۲۰ آیات نمبر ۲۹ تا نمبر ۳۲	کر اور اس کو میری امیری میں شریک بنا۔

امیری میں شرکت کی یہ دعا خدا نے قبول فرمائی اور نبوت و امارت میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ برابر کے حصہ دار اور شریک و سہیم بن گئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہاں بھی امیری و سرداری کے لئے وہی لفظ "امر" استعمال ہوا ہے جو اوپر حضرت ابوبکرؓ کی تقریر میں تھا۔

بے شبہ یہ انبیاء سلف کا ذکر ہے لیکن اس کی ممانعت یا منسوخی کا قرآن یا حدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا (دیگر سولہ پیغمبروں کے ساتھ) نام لے کر رسول کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امامت کو حکم دیا گیا ہے کہ۔

اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (سورہ ۶ آیت ۹۰) — یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے سیدھا راستہ دکھایا ہے اس لئے ان کی رہنمائی کی اقتداء و پیروی کر۔

حدیث میں کتب حدیث و سیرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا مشہور مکتوب ملتا ہے جو عمان (جنوب مشرقی عرب) کے دو مشترک حکمرانوں کے نام روانہ کیا گیا تھا۔ یہ لوگ اپنے باپ کی وفات پر یکجا اور مشترک حکمراں تھے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی جیفر وعبد ابنی الجلندی	محمد رسول اللہ کی طرف سے الجلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام
السلام علی من اتبع الھدی	اس پر سلام جو ہدایت کی اتباع کرے
اما بعد فانی ادعوکما بدعایة الاسلام اسلما تسلما	اس کے بعد میں تم دونوں کو اسلام کے بلاوے کی دعوت دیتا ہوں اسلام لاؤ تم دونوں سلامت رہو گے
فانی رسول اللہ الی الناس کافة لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتما	کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو ڈراؤں اور کافروں کے خلاف دھمکی کا بول پورا ہو کر رہے گا۔

وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملکما زائل وخیلی تحل بساحتکما وتظہر نبوتی علی ملکما

وکتب

ابی بن کعب

علامۃ الختم

الله
رسول
محمد

اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کیا تو میں تم دونوں کو والی رکھوں گا اور اگر تم اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کرو تو تم دونوں کی بادشاہت زائل ہو جائے گی اور میرے سوار تم دونوں کے صحن میں پہنچ جائیں گے۔ اور میری نبوت تم دونوں کی بادشاہت پر غالب آجائے گی۔

ابی بن کعب نے لکھا۔

علامت مہر محمد رسول اللہ

اس کا ذکر ابن خلدون، قسطلانی، ابن القیم، القلقشندی، الحلبی وغیرہ نے کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے میری الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ رمشاویز

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ان دونوں نے سعادت اسلام پائی اور حسب وعدہ ان کو ان کی بادشاہت پر باقی رکھا گیا۔ اور حضرت عمرو بن العاص کو خاص فرائض کے لئے ان کے دربار میں بطور ریزیڈنٹ متعین رکھا گیا۔

Marfat.com

تاریخ اسلام ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں ۵۵۳ھ کے واقعات میں شام کے حالات میں دو افراد کا حال لکھا ہے کہ مشترکہ حکمراں بنے تھے - اور:-

فمکثوا مدۃ مدیدۃ — وہ مدت مدید تک مل کر بادشاہت کرتے رہے -

دوسرا واقعہ جو اس کا تقریباً ہمعصر ہے، دکن کے سب قدیم فارسی مورخ عصامی نے اپنی منظوم تالیف فتوح السلاطین میں سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کے متعلق یوں بیان کیا ہے :-

چوں مودود خواہی نشان برفشاند	جب مودود نے ان کو قتل کیا
بہ سال جای پدر مالک راند	اور اپنے باپ کی جگہ نوسال حکومت کی
وزان پس ازیں کاروان رخت برد	تو پھر وہ مرگیا -
کلید جہان دیگران را سپرد	اور حکومت دوسروں کے سپرد کر گیا -
پس اندوی علی و محمد بہ تخت	اس کے بعد علی و محمد تخت پر
بشرکت نشستند از زور بخت	بخت کے زور سے مشترکہ طور پر بیٹھے -
علی بود فرزند مسعود را	علی مسعود کا بیٹا تھا -
محمد پسر بود مودود را	اور محمد مودود کا -
علی و محمد در آں تخت گاہ	علی اور محمد اس تخت پر
بشرکت چو راندند ملکی دو ماہ	جب دو ماہ تک مشترکہ حکومت کر چکے
شنیدم یکی روز سرلشکراں	تو میں نے سنا کہ ایک دن فوجی افسروں نے

Marfat.com

نرشاہی یکہ دند معزول شان ان کو بادشاہت سے معزول کر دیا۔
شائع کردہ ڈاکٹر مہدی حسین ۱۹۳۸ء

مطبوعہ آگرہ بیت ۱۲۲۰ تا ۲۵

نتیجہ ان حالات کے پیش نظر یہ قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ مشترکہ حکمرانی اسلام میں ممنوع ہے۔

ایک مماثل ہمعصر لیکن غیر مسلم نظیر پر اسے ختم کرتا ہوں۔

جمہوریۂ سان ماری نو کا حالیہ دستور سان ماری نو دنیا کی سب سے دلچسپ جمہوریت ہے۔ یہ چوتھی صدی عیسوی سے قائم ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا رقبہ چاروں طرف ایک ہی مملکت یعنی اٹلی کے علاقے سے گھرا ہوا ہے۔ اور اس کے باوجود خود اٹلی اس کی خود مختاری و آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ انگلستان، امریکہ وغیرہ سے اس کے سفارتی تعلقات موجود ہیں۔

سان ماری نو کی جمہوریت کی صدارت مشترکہ طور پر دو افراد کے سپرد ہے۔ ان کا ہر ششماہی پر انتخاب ہوتا ہے اور ایک میقات میں اس کام کو انجام دینے کے بعد وہ مکرر تین سال تک اس انتخاب میں کھڑے ہونے کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ نہ منفرداً نہ مشترکاً۔

تتمہ یہاں تک لکھا گیا تھا کہ استاذ محترم مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ سے اس نظریہ پر گفتگو آئی۔ موصوف نے میری توجہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی البدور البازغہ

کی طرف منعطف کرائی، جس میں وہ بھی اس کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ اگر مطلوبہ صفتیں اور اہلیتیں سب کی سب ایک ہی شخص میں کسی وقت نہ پائی جائیں تو ایک سے زائد افراد میں تقسیم کا کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ باہم ایک دوسرے کے نقائص کی تلافی کر کے ضرورت ملک کی تکمیل کریں۔ گو شاہ ولی اللہؒ یہ بھی صاف کہتے ہیں کہ وحدت ہی قابل ترجیح ہے۔

چنانچہ کتاب مذکور کی ایک پوری فصل (مبحث الارتفاق الثالث وتفصیل اقسامہ) خاص اسی موضوع پر ہے کہ مملکت کسے کہتے ہیں اور یہ کہ وہ محض فصیل اور قلعے اور بازار وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہاں کے بسنے والوں میں ایک رابطہ ہونا اور وہ سب مل کر اعضائے یکدیگر بننا ضروری ہے۔ اور یہ کہ ایسے معاشری نظام میں ایک غیر جانبدار اور اپنا مرضی منوا کر جھگڑے چکانے والے کی ضرورت ہے اور یہ کہ جب یہ بات صرف ایک شخص کے بس کی نہ ہو تو چند آدمیوں کی جماعت کے سپرد بھی کام کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو البدور البازغہ صفحہ ۲۳)

خاتمہ غرض مکرر یہ چیز دہرانی اور واضح کرنی ہے کہ دو نشانوں اور خلیفے کا اسلام نے نہ تو لزوم کیا ہے اور نہ ہی وہ کوئی عام رواج رہا ہے بلکہ یہ اور صرف یہ کہ اس کی بھی اجازت دی ہے اور یہ اجازت

قرآن سے،

حدیث سے،

عہد نبویؐ کے عملی واقعات و نظائر سے۔

اور زمانۂ مابعد کی تاریخ اسلام کے نظائر سے ثابت ہوتی ہے

Marfat.com

اور حسب ضرورت ویسا کیا جا سکتا ہے۔

جو کچھ ہے وہ تو دنیائے فانی کے لئے ہے ورنہ آخرت میں تو:-

لمن الملک الیوم؟	آج بادشاہت کس کے لئے ہے؟
للہ الواحد القہار	صرف خدائے واحد قہار کے لئے!

(سورہ ۴۰ آیت ۱۶)

Marfat.com

اشاریہ (انڈکس)

کسی ہندسے کے بعد (ح) = حاشیہ۔ (م) = مقام یا ملک۔ (ق) = قوم یا قبیلہ۔ اسماء ومواد کی اس ابجدی فہرست میں حوالے کے مؤلفوں کے نام، چاہے متن میں ہوں یا حاشیے میں، چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کثرت ذکر کے باعث آں حضرتؐ کا نام بھی یہاں نہیں لیا گیا ہے۔ یہی حال مکے اور مدینے کا

آب حیات ۳۲۲
آبرسانی ۳۹۰
آبرو ۴۳۷
آبل (م) ۲۷۹
آتش پرست ۳۲-۲۹۱
آٹا ۸۶
آخری تسکین دہندہ ۲۱۰، ۴۲۹
آرام (م) ۳۷۸
آرمینیا (م) ۱۸-۴۲۸ نیز ارمنی
آسام (م) ۳۰
آکسفرڈ (م) ۱۵۲، ۱۸۵، ۲۱۰
آگستائیں (عہدہ) ۲۱۵
آکل المرار ۴۵

آل یزن ۱۴۴
آمنہ والدہ رسول اللہؐ ۵۳ح-۵۸-۵۹-۳۱۶
آمے لیو ۲۱۰
آئزن ہاور ۴۲۲
آیا صوفیا، مسجد ۴۱۷
ابراہیمؑ ۴۶-۴۸ح-۸۴-۲۸۰-۳۱۲-۳۱۶-۴۱۲
ابرویز ۲۹۶- نیز پرویز خسرو۔
ابرہہ ۱۴۳-۱۴۴-۱۴۶ تا ۱۴۸-۱۷۱

ابن عباس ۲۳۷-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۲
ابن ہاشم ۵۸ نیز عبداللہ والد رسول اللہؐ
اُبنیٰ (م) ۲۷۹
ابوبراء ۶۴
ابوالبصیر ۳۶۵
ابوبکر صدیق ۱۶-۴۱-۹۰-۹۷-۹۸-۱۰۰-۱۲۳-۱۲۸-۲۷۹ تا ۲۸۲-۳۴۲-۳۹۱-۳۹۹-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۶ نیز صدیق اکبر

Marfat.com

ابوجہل ۴۲-۴۶-۱۰۲-۲۵۹	ابی سینیا (م) ۱۳۹-۲۵۸-	اراحیس ۱۴۳
ابوالحکم ۴۴ نیز ابوجہل	نیز حبشہ	ارتداد ۱۷۱-۲۱۹-۲۸۰-
ابوذرغفاری ۱۰۱-۲۷۰-	اٹلی (م) ۲۱۴-۴۵۰	۳۹۶-۳۹۹-۴۱۱-
۳۶۷-۳۶۸	اجماع اُمت ۴۴۲	نیز سکران و عبیداللہ
ابوسفیان ۴۱-۴۲-۱۲۱	اجفہ م ۴۱۷	بن جحش-
۱۳۳-۱۳۵-۲۶۱ ح	احابش ۱۳۳	اردن (م) ۶۹-۲۸۱
-۲۵۹-۳۹۲	اُحد (م) ۱۱۷-۱۳۳-۱۳۷-	ارسطو ۴۷-۵۲-۱۷۵
ابوطالب ۴۳-۴۹-۵۷	۲۰۱-۳۲۵-۳۲۹-	ارض مقدس (م) ۳۰۸
ابوتا ۴۳-۷۰-۷۶-	۳۳۱-۳۳۹-۳۴۷-	۳۰۹ نیز فلسطین۔
۸۰-۱۰۱-۱۰۴-۲۶۵	۴۲۱	الارقم ۱۰۰-۱۰۳
ابوطلحہ ۱۱۲	اخلاف (ق) ۳۹۰	ارمنی ۲۰۸-۲۸۰
ابوعبیدہ بن الجراح ۱۲۸-	اخراج کی نگرانی کا افسر ۳۲۸	نیز آرمینا-
۴۴۳-۴۴۴-	اخمیم (م) ۲۰۴	اربن ابن اکثم ۱۶۶
ابولہب ۴۲-۴۹-۱۰۴-	ادھار خرید ۳۳۵-۳۳۹	ارباط ۱۴۳
۱۱۳-	ادریس (ابادم) ۱۲۹	ازدواج ۴۴۳ نیز
ابوطلحہ تیمی ۴۷	آذرح (م) ۲۵۷-۲۷۰	تعدد ازدواج
ابوہریرہ ۳۵۰	۲۷۱-۳۴۵-۳۴۹	اساف ۸۶
ابواء (م) ۵۶-۳۶۰	آذرعات (م) ۳۲۸	اُسامہ بن زید ۲۶۸
اُبی بن کعب ۲۲۲-۴۴۸	اذونش ۲۵۲	۲۶۹-۳۹۹-۴۲۰

Marfat.com

اسپین (م) ۲۰۰-۲۴۴ تا
۲۴۶-۲۵۳
استانبول (م) ۲۰۹-
۲۱۱-۲۱۷
استالن ۴۲۲
اسحاقؑ ۲۴۱
اسد ۴۱
اسد بن خزیمہ ابن (ق)
۴۱۱-
اسد بن عبدالعزیٰ (ق) ۸۲
۴۱۱-
اسداللہ ۴۲۰ نیز علیؓ
بنی اسرائیل (ق) ۲۱-
۳۱۱-۳۱۲-۳۱۷-
۳۷۶-۴۲۵ نیز یہود
— کی کھوئی بھیڑیں ۱۹۱
۴۲۵-
اسکاٹ لینڈ (م) ۱۵۶
۱۵۷-۱۸۶-

اسکندریہ (م) ۲۱۳-۲۱۵
۲۳۳-۲۵۸-۲۶۳
اَسلَم (ق) ۱۴۵-۳۷۴
۳۷۶-
اَسلُم (ق) ۳۷۵
اسماعیلؑ ۴۸ح ۴۰۸-۴۱۲
اسوان (م) ۱۷۴-۱۷۷
اسود عنسی ۳۹۸-۳۹۹
اسیر ۳۸۹-۳۹۱
اشتراکیت ۴۲۹-۴۳۱
اشجع (ق) ۳۷۰
اشعر (ق) اشعری ۳۴۲
اشموئیلؑ ۳۰۸
الاصبغ ۲۶۷-۳۷۹
اصحاب الاخدود ۱۴۰
اصحاب الفیل ۳۳-۱۴۶
اصحاب کہف ۳۲۱
اصحم بن ابجر الاصحم - اصحمہ
۱۵۳-۱۶۴-۱۶۷-۱۸۸

۲۳۲ - نیز نجاشی
اطالوی پادری ۲۶۳
اعیانیت ۳۷-۲۵۹
افریقہ (م) ۳۳-۳۴
۱۱۵-۲۸۶-
افلاطون ۱۷-۵۲
اُکیدر ۲۲۱-۲۶۶-
۲۶۷-۲۷۰-۳۷۸ تا
۳۸۱-
آکسوم (م) ۱۴۵
الفونسو ۲۴۴-۲۵۳
الیڈ و اوڈیسے نظم ۱۷۴
ام ایمن ۵۵-۶۳
ام حبیبہ ۱۱۳-۱۲۱-۱۴۱
انس خادم رسول اللہؐ
۲۴۲-۳۷۹
انطاس ۲۵۶ ح
انصار (ق) ۲۴۹-۲۵۸
۴۴۳-۴۴۴-۴-

الفات ۳۴۲
انطاکیہ (دم) ۲۸۳
انگلستان - ۱۸۳-۱۸۸
۴۵۰ -
انگوٹھے کا نشان ۳۹۱
انیسہ ۵۵
اوقیانوسیہ (دم) ۳۳
اونٹ ۳۶-۳۷-۶۰
۶۶-۶۸-۶۱-۷۷
۶۹-۱۱۰-۱۶۹-
۱۸۰-۳۵۹-۳۹۱
۴۳۸ -
اہرام مصر ۴۱۷
اہل بیت رسول اللہ ۴
۲۱۴-۲۷۵-۳۴۷-
اہل رسول اللہ ۲۷۳ -
۳۴۷ -
ایاز- ۴۱۹
ایاس بن قبیصہ الطائی ۲۸۹
ایران - ایرانی (دم- ق)
۱۸-۲۸-(۳۱ تا ۳۴)-۳۶
۶۴-۱۱۵-۱۲۲-۱۴۶
۱۴۸-۲۰۲-۲۲۲-
۲۲۳-۲۲۴-۲۴۴-
۲۵۴-۲۵۶ تا ۲۶۰
۲۶۲-۲۶۵-۲۸۲
۲۸۶ تا ۲۸۹-۲۹۱ -
۲۹۴-۲۹۸-۳۰۵
۳۸۴-۳۹۷-۴۱۲
۴۲۱-
ایشیا (دم) ۳۳-۴۰
۱۱۵-
ایشیائے کوچک (دم) ۲۰۸
ایلات ۳۰-۴۴-۴۵
ایلیا (دم) ۴۱۷
ایلہ (دم) ۴۲-۲۵۷-۲۶۰ تا
۴۲-۳۱۹-۳۴۶-
ایندھن ۸۶
ایوب ۳۱۲
باب المندب (دم) ۱۴۲
۱۵۱-۲۶۲
بابل (دم) ۲۲۱-۳۰۸
۳۴۸-
بادشاہ علاوہ پیغمبر کے
۳۵۲
باذان ۲۸۹-۲۹۷
بادئیلی ۲۰۴ تا ۲۲۵
بازار ۳۹۰
باغ ۶۳-۳۴۲
باقوم ۸۱
بت- بت پرستی ۲۶-۶۴
۸۴-۸۵-۱۰۱-۱۵۲
۸۶ تا ۸۸-۴۳۴
بتان ۳۹۰
بجہ (دم) ۱۶۹ تا ۱۷۱
بحر احمر (دم) ۴۲-۱۶۹
۱۶۹-۲۹۱-

Marfat.com

بحر متوسط (م) ۱۱۵
بحر مردار (م) ۷۰
بحری راہ - بحری سفر
۷۲ - ۱۵۱ - ۲۶۴
بحرین (م) ۴۵ - ۷۱ -
۱۲۲ - ۱۳۷ - ۱۵۱ - ۲۰۰
۲۰۲ - ۲۱۰ - ۲۲۲ - ۲۲۵
۲۴۱ - ۲۹۳ - ۲۷۰ -
۲۹۳ - ۲۹۶ - ۳۰۶
۳۰۹ - ۳۵۰ نیز الحساء
بحیرا (راہب) ۶۱ - ۶۲
بخت نصر ۳۲۰
بدر (م) ۲۵ - ۱۱۷ - ۱۳۴
۲۰۱ - ۳۰۱ - ۳۳۱
۳۶۲ - ۳۶۶ تا ۳۷۰
۴۲۱ -
بدرنہ ۴۵ نیز خفارہ
بدھ مت ۲۹ - ۴۲۱
بُدیل خزاعی ۳۷۳
براآمد ۲۶۱
برانڈکرک (م) ۱۵۷

برٹش میوزیم ۱۴۳ - ۱۸۸ -
۱۹۰ تا ۱۹۲ -
برطانیہ (م) ۴۳۲
برڈک ہاؤس - پروفیسر ۲۲۵
برہمن - برہمنیت ۳۰ - ۳۷ -
۴۰۸ - ۴۲۱
برہنگی ۸۴
بریدہ بن الخصیب ۳۷۵
بڑھئی - ۸۱
بصریٰ (م) ۶۱ - ۶۲ -
۷۰ - ۲۳۴ - ۲۴۰ تا
۲۴۱ - ۲۴۴ - ۲۶۳
۲۶۹ -
بطحاء (م) ۵۸
بطریرک ۲۱۳ - ۲۶۳
نیز پادری
بعاث (م) ۱۰۵ - ۳۲۶
بغداد (م) ۱۸۱ - ۳۲۷
بقط، معاہدہ ۱۷۲ - ۱۷۳
بکر - بنی (ق) ۱۲۷ - ۳۶۹
۳۷۳

بلال ۹۸ - ۱۱۲ - ۱۴۰ -
۴۱۸ -
" انگلستانی ۱۶۱
" بن حارث ۳۶۰
بلوچستان (م) ۴۴
بلّی ڈنڈ ۲۵۷
بنگال ۳۰ - ۴۰۸
بنیادی مذہب ۴۱۴ - ۴۲۸
بنیامین ۲۱۵
بلانہ (م) ۶۳
بوران دُخت ۳۴
بوش ۲۲۳
بول - پروفیسر ۲۳ -
۲۳۵ -
بون (م) ۱۸۸
بھانجہ ۱۷۹ نیز [illegible]
بہرا (ق) ۳۵۸
بھیڑ - قربانی کی بھیڑ ۶۲
بھیڑیں بنی اسرائیل کی ۲۵۴
بئر عروہ (م) ۳۲۵
بئر معونہ (م) ۳۹۶

Marfat.com

بیت المدراس ۴۴۵
بیت المقدس (م) ۱۶۱ ح
۲۲۳ - ۲۲۶ - ۲۳۰ تا ۲۳۴
۲۴۴ - ۳۳۱
۳۰۶
بحر ذیلی سلطنت - ۳۲ -
۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۳ تا ۳۴
۲۴۲ - ۲۴۷ - ۲۵۳ تا
۲۶۳
۲۴۵
بحیرہ ۱۲۴
جرونیبر ۳۱۱
(ک) ۳۴۳ - ۳۴۷ - ۳۴۸ -
۲۰۳ - ۲۰۹ -
۲۱۱ - ۲۴۲ تا
۳۴۲ - ۳۴۴ - ۳۴۸
۳۰۵ - ۳۴۴
پاوری - ۲۰۳
۲۱۳ - ۲۱۵ - ۲۷۱
۲۵۹
(م) ۱۳۹ - ۱۷۱ -

۲۰۳ - ۲۱۶
پالمیرا (م) ۱۹۶
پیٹرول ۲۸
پٹنہ (م) ۲۹۴
پٹنی - مسجد ۱۷۱
پٹھا - جلدکا ۲۶۶
پرکشتی ۲۹۶ - ۲۹۸ -
۳۰۰ -
پران - کتاب ۱۴
پرشاشان ۲۹۰
پرویز خسرو ۲۹۶ - ۲۹۹
۳۰۴ تا ۶ نیز ابرویز
پلچا - خانوادہ ۳۱
پلی کین ۳۰
پوپ ۲۱۵
پورٹ سوڈان ۱۷۹ نیز
عیذاب
پوست ۲۶۱ نیز چمڑا -
کھال -
پہلوی زبان ۳۸
پیغمبر ۲۴۶ - نیز انبیاء

تاتار (ق) ۲۹
تاج شہریاری ۲۵۷
تاجر و تجارت ۳۶ - ۳۷ - ۴۲ -
۴۴ - ۵۱ - ۶۵ - ۶۷
۷۰ - ۷۱ - ۹۷ - ۱۰۸ -
۱۲۴ - ۱۲۶ - ۱۳۴ -
۱۳۶ - ۱۴۸ - ۱۵۰
۱۶۲ - ۱۶۹ - ۲۳۳ -
۲۳۸ - ۲۴۱ - ۲۵۸
۲۶۰ - ۲۶۳ تا ۲۶۶ -
۲۷۱ - ۲۸۶ - ۲۸۸
۳۲۶ - ۳۴۵ - ۳۵۸
۳۶۵ - ۳۶۷ -
تاریخ کتب - ۲۹۹
تازی ۲۵۴ - ۲۸۶
تاشی ۲۵۵ - ۲۸۶
تاشی لاما ۲۸۶
تالاب ۱۲۴
تراز (م) ۳۹۲
تبت (م) ۲۹ - ۳۱ - ۲۸۰
تیج ۲۷۵ -

Marfat.com

تبلیغ ۹۷-۲۳۵-۲۴۳
-۲۶۲-۲۶۸-۲۹۳
۴۲۵-
تبوک (م) ۲۱۴-۲۳۹
۲۴۶-۲۶۷-۲۷۰ تا
۴۳-۲۶۷-۲۷۸-۳۴۵
تا ۳۴۶-۳۵۰-۳۶۷ تا
۳۶۹-۳۷۷
تحریف ۳۵۲
تحفے ۱۶۷-۳۰۶
تخت ۸۸
تحویل المزمین ۱۲۴ تا ۱۲۵-
۱۵۹
تدوین۔ قانون ۲۸
ترجمۂ معاہدہ ۱۸۱
ترک۔ ترکستان۔ ترکی
۱۸-۳۱-۸۸
ترمیم صلحنامہ ۱۲۵
تصاویر اخبار ۲۸۰
تصدیق مذاہب الہامی ۴۲
تطوان (م) ۲۲۶
تعارف نامہ ۲۶۴
تعدد ازدواج ۲۸۶
۲۴۲ تا ۲۴۳-۴۱۰ نیز
ازدواج۔
تعدد حکمراں ۴۴۵ نیز
مشترک حکمراں
تعصب۔ ۳۲۵
تعلیم ۳۸۷-۳۹۵
تغلیب (ق) ۲۵۷-۲۸۳
تفریق ۴۳۳
تمیم داری ۳۰۰
تنخواہ ۴۳۱
توریت ۱۵-۹۳-
۳۱۲-۳۱۵-۳۲۰
۳۴۸-۳۵۱-۴۱۷
" کی سرگزشت ۳۱۹
" مال غنیمت میں سے لینے پر
یہود کو واپسی ۴۴۳
تونس (م) ۱۸
تہامہ (م) ۱۴-۶۹-۱۴۴
تھانیسر (م) ۳۰
تہمد ۸۴
تیر ۶۴
تیل ۱۵۰
تیم (ق) ۱۴-۲۶۵ تا ۲۶۶
-۸۲-۳۱۱-
تیماء (م) ۱۱۸-۳۰۹
۴۴۵ تا ۴۴۶
تیوفان۔ مؤرخ ۲۳۱
ٹانگ۔ خانوادہ ۲۹
ٹیکس ۲۶۱ نیز محصول
ثار ۴۳۰
ثالث ۴۰
ثبیر پہاڑ۔ ۶۷
ثریا ستارے ۴۷
ثعلبہ ۲۵۷
ثقیف (ق) ۴۴۵ -
۳۸۲ تا ۳۸۴-۴۰۰ تا
-۹۱
ثمامہ بن اثال ۱۲۱-۱۴۴
۱۴۴-۳۹۶
ثوبیہ ۱۱۳

Marfat.com

جاپان (م) ۴۲۰-۴۲۱
جات پات ۴۰-۳۷-۴۱۸-
۴۱۹-
جادو ۳۹۸
جاسوس ۱۲۴-۲۸۳
جاگیر ۲۵۰-۲۸۲-
۳۷۰ تا ۷۱-
جانور ۲۷۳ تا ۷۴-
۲۷۵-
جاوی زبان ۱۷۱
جائداد ۳۵۹
جبرئیل-جبریل ۹۰-
۹۱-۹۴
جبل الرحمہ ۳۹۴-۴۳۶
جدہ ۴۶۲-۱۵۱-۲۰۲
۲۴۹-
جذام (ق) ۲۳۸-۲۵۷
۲۷۶ تا ۷۷
جراح ۱۲۵-
جرباء (م) ۲۵۷-۲۶۰
تا ۷۱-۲۴۵-۴۳۹

جرجی زیدان ۲۰۹
جرش (م) ۳۹۳
جرفش (م) ۶۹-۳۰۲-
۳۹۲ تا ۹۳
الجرم، بنی (ق) ۳۶۵
تا ۶۶-
جرمنی (م) ۳۱-۳۵-
۱۸۸-۲۱۱ تا ۱۲-
جرہم (ق) ۶۵
جزیہ - ۲۷۱-۳۴۵
۳۴۷-۳۵۰ تا ۵۱
۳۵۴-۳۸۰-۳۹۲
جسٹینین بادشاہ ۱۶-۲۸
جعرانہ (م) ۳۸۵
جعفر طیار بن ابی طالب
۸۲-۸۰-۱۰۴ تا ۵۶
۱۵۸ تا ۵۹-۱۹۳-
۱۹۰-۲۶۹-۳۷۶
جعلی دستاویز ۲۷۶
الجلندی بن المستکبر ۲۹۰
۴۴۷-

جمح، بنی جمح ۴۱-۸۲
جنسی اباحیت ۲۹۱
جنگِ عظیم، پہلی، دوسری ۲۹
جواہر نگار لڑکی ۲۹۰
جویریہ ۴۱۱
جہاد ۳۵۲-۳۸۶ تا
۸۷-
جھاڑو ۱۷۶
جہاز ۱۸۱-۲۷۱
جمعہ ۱۸۴-۱۸۶-
۱۹۲-۱۹۶-
جہینہ (ق) ۲۵۸ تا
۵۹-۳۶۳-۳۶۵
جیحون-دریا ۳۰
جیفر بن الجلندی ۲۹۰
۴۴۷-
چراگاہ-چھاہا ۵۷-
۳۴۱-۳۹۳
چکی کا پاٹ ۳۲۳-
۳۲۸-۳۴۱
چلو کیا-خانوادہ ۳۰-۳۱

Marfat.com

چلہ ۸۷ - ۸۸
چمڑا - ۶۸ - ۱۵۰ -
۲۶۱ ح ۳۶۶ نیز کھال
چنگی ۲۹۵ - ۲۶۵ نیز
درآمد ٹیکس۔
چوکھٹ ۳۳۹ ح نیز رواج
چوری ۳۸۸
چیچک ۱۲۷ ح
چین (دم) ۴ - ۲۸ -
۲۹ - ۳۷ - ۱۱۵ -
۱۴۳ - ۱۶۹ - ۲۵۴
۲۸۶ -
حاجز - حاجز ملکت ۲۳۳
۲۵۸ - ۲۸۷ - ۲۸۹
حارث بادشاہ ۲۵۵
حارث ۲۸۶ ح
" بن ابی ارر ۱۰۱
" بن جبلہ ۱۴۲
" بن عامر ۴۱
" بن فرابن دقہ ۹۶
" بن قیس ۴۱

" بن کلدہ ۶۰
حارثہ بن قطن ۳۸۰ -
۳۸۱ -
حافظ قرآن ۱۲
الحاکم بامر اللہ ۲۷۸
۳۴۹
حباشہ (دم) ۶۹ - ۷۰
حبش، حبشہ (دم) حبشی
۲۸ - ۳۳ - ۳۷ - ۴۴
۵۱ - ۶۷ - ۸۱ - ۱۱۳ -
۱۲۱ - ۱۳۹ - ۱۴۱ - ۱۴۴
۱۳۸ - ۱۵۰ تا ۱۵۱ - ۱۵۳
۱۵۲ - ۱۵۹ - ۱۶۲ -
۱۶۳ - ۱۶۶ تا ۱۷۷ - ۱۷۹
۱۸۰ - ۱۷۹ - ۱۸۳ -
۱۸۵ - ۱۸۹ - ۱۹۴ -
۲۰۲ - ۲۵۸ - ۲۶۰
۲۶۲ - ۲۶۴ - ۲۸۴
۲۸۹ - ۴۲۷ -
حج ۔ ۴۵ - ۴۶ - ۱۰۴
۱۰۶ - ۱۲۰ - ۱۲۱ -

۱۲۱ - ۱۳۵ - ۳۰۲
۳۰۴ - ۳۴۳ - ۳۷۴
۳۸۹ - ۳۹۴ - ۴۳۲
نیز حجۃ الوداع
حجاج بن یوسف ۱۹۹
حجاز (دم) ۳۵ - ۴۵ -
۴۸ - ۶۲ - ۱۲۱ - ۱۴۸
۱۵۰ - ۲۴۸ - ۲۶۶
۳۰۴ -
حجر اسود ۸۳
حجۃ الوداع ۳۰۱ -
۳۳۴ نیز حج
حدیبیہ (دم) ۳۱ - ۱۱۴
۱۱۵ - ۱۲۳ - ۱۲۵ تا ۱۲۶
۱۳۵ - ۲۰۲ تا ۲۰۳ - ۲۳۵
۲۳۹ تا ۲۴۰ - ۲۶۱ ح
۲۹۳ - ۲۹۸ تا ۲۹۹ -
۳۰۳ - ۳۰۵ - ۳۶۵
۳۶۹ - ۳۷۳ تا ۳۷۴
۳۷۹ -
حرام مہینے ۴۶ - ۶۲ - ۳۷

Marfat.com

حراء، غار، ۷۶-۸۷-۸۶-
۸۸-۱۳۰-
حُرَیش ۶۹
الحرقہ بنی (ق) ۳۶۶
حرم، حرم مکہ (م) ۳۶۶ تا ۳۶۷ ۸۸
حُسیب- (۴۵)
الحساء (م) ۴۱-۹۰-۲
نیز حجر یمن-
حِسمیٰ (م) ۲۳۹ تا ۲۴۰
حسن، امام ۳۹۱
حسین، امام ۳۹۱
حصن الزبیر (م) ۳۲۱
الحصین بن اوس ۳۴۶
حضرموت (م) ۴۵-
۱۳۹-۱۴۲ تا ۱۴۵-۳۹۹
حطیم کعبہ ۸۲-۸۳-۸۵
حفاظتی معمول ۲۸۱
حفصہ ۲۱۳-۲۱۱-
حقوق انسانی ۴۳۶
الحکم بن سعید بن العاص ۳۲۴

حکیم بن حزام ۱۱۰
حلب (م) ۲۵۵-۲۸۶-۴۲۴
حلف الفضول ۴۰-۶۴-
۶۵-۶۷-
حلیفی جحفی کی تجدید ۴۰-
۳۵۹-۳۶۰-۳۶۷-
۳۸۳-
حلیمہ سعدیہ ۵۰-۵۲-
۵۹-۶۹-۳۱۰-
حمال ۳۵۴
حمزہ بن عبدالمطلب ۱۰۳
حمزہ الخدری ۳۴۲
حمص (م) ۲۴۰
حمید اللہ ۱۸۹
حمیر (ق) ۲۶۰
حنش ۱۴۴
حنیف بنی (ق) ۲۹۶ تا
۲۹۷-
حُنین (م) ۱۱۲-۲۹۱-
۳۸۳ تا ۳۸۵-۳۹۳-
حواری ۱۲۸-۱۹۱-۲۴۲

۳۰-۳۲۵
حوران (م) ۲۴۴
الحواء (م) ۲۲۹
الحولیطات (ق) ۲۴۹
حیدرآباد دکن (م) ۱۵۷
۱۸۶-۲۱۰-
حیرہ (م) ۱۴۰-۱۴۲-۱۴۶
۲۲۱-۲۵۵ تا ۲۵۶-۲۶۲
۲۸۶ تا ۲۹۰-۳۸۱
حیی بن اخطب ۳۳۷
خالد بن سعید بن العاص
۲۴۲-۳۴۹-
خالد بن الولید ۴۲-۲۶۷
۲۶۹ تا ۲۷۰-۳۷۹-
۳۹۷-۳۹۹ نیز سیف اللہ
خان (ق) ۲۹-۳۱
خان، سفیلاق ۳۰
خانالغ (م) ۲۱۷
خاندان مشترکہ ۳۵۸
خانقاہ ۶۰
خانہ بدوش ۲۸۷

Marfat.com

خشیم (ق) ۳۹۴
خداکشی کا الزام یہود پر ۳۵۳
خدیجۃ الکبریٰ ۴۹-۷۹ تا
۶۱-تا ۶۹-۸۶-۹۲
۹۳-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۸ تا
۱۰۹-۱۱۴
[illegible] کی ہر وقت تکلیف ۳۷۴
خدیو مصر ۳۰۸
خرار (م) ۳۵۹
خزاعہ (ق) ۱۲۷-۲۵۹
۳۶۹-۳۷۰ تا ۳۷۴
خزرج (ق) ۳۷۷
خزیمہ ۶۰
خسرو پرویز ۲۰۳-۲۱۵
۲۹۸- نیز پرویز
خط ۱۹۰-۱۹۳-۱۹۴ تا ۲۲۳-
۲۴۳-۲۶۴
خط مسند کے کچھے رہنے
میں ۳۲۵
خفارہ ۴۵ نیز بدرقہ
خلع ۴۴۳
خلیج فارس (م) ۳۹۶
خلوق۔ عطر ۶۶
خلیفہ ۲۷۹-۴۴۵
خمس غنیمت ۳۶۶-۳۷۷
نیز چوتھ۔ رباج
خندق۔ [illegible] ۱۹ تا
[illegible]-۱۳۴
۹۱-[illegible]-۳۵۱ تا
۶۲-۳۵۹-۴۲۱-
خندق ثانی ۳۳۹
خون۔ خون بہا ۱۸۱-۴۴۵
۳۶۸-۳۷۴-۳۸ تا
خویلد ۶۷
خیبر (م) ۵۴-۱۱۷ تا ۱۲۰
۱۳۳ تا ۱۳۶-۲۰۱-۲۲۶
۲۰۱ تا ۲۲۵-۲۲۷ تا ۲۶۸
۲۹۳-۳۰۹-۳۱۵-
۳۲۷-۳۲۹-۳۳۲-
۳۳۹ تا ۳۴۴-۳۴۸ تا
۳۴۹-۳۵۴-۳۶۷-
۳۶۸-۳۷۹-۳۹۲-
۴۱۴-
خیمہ لکڑی کا ۳۴۴
دار الندوہ ۳۶۵-[illegible]
۳۶۹-
داری (ق) ۳۶۹-[illegible]
نیز تمیم داری-
داؤد ۳۰۹-۳۱۲-[illegible]
دبا (م) [illegible]
دباغت ۱۴۹-۳۹۱-[illegible]
دحیہ کلبی ۳۴۲ [illegible]
۲۲۲-۲۳۶-[illegible]
در آمد ۹۳-[illegible]
دربار ۳۴۸
درخت ۳۴۸
درخت پرستی [illegible]
دست [illegible]
[illegible]
۳۶۸-
دکن (م) ۳۰-[illegible]
دمشق (م) ۹۱-[illegible]
۱۸۸-۱۹۸-[illegible]

Marfat.com

۲۳۱-۲۳۳-۲۵۵ تا
۲۵۶-۲۸۶
ڈنلڈ (م) ۱۷۳
دوست الجندل (م) ۴۵
۱۱۸-۱۳۳-۲۲۱-
۲۵۷-۲۶۶ تا ۲۶۷
۲۶۰-۲۳۶-۳۰۸
تا ۳۱۹
ڈھگولہ ۱۷۳
دودھ پیالی ۳۸۲
دودھ پیتے بچے ۳۰۹
دیقیوس بادشاہ ۲۵۶ تا
-۵۷
دیوتا - دیوستمان ۳۰
-۸۵
ڈنلاپ ۱۵۹-۱۶۰-
۱۸۲ ومابعد -
ڈیاستھینس ۱۶
ذبیحہ ۳۳۶
ذبیان ۱۴۴
ذرتاج ۱۴۵

ذق ۱۶۳-۱۸۱-۲۷۵-
-۳۳۸
ذوالتاج ۲۹۰-۲۹۷-
-۲۹۹
ذوخلیں ۱۴۴
ذوالخار ۳۹۸
ذوریان ۱۴۴
ذونار (م) ۲۸۹
ذوالمجاز (م) ۱۳۰-۳۱۹-
-۳۵۶
ذوالمروۃ (م) ۳۶۵
ذونواس بادشاہ ۱۳۹ تا ۱۴۰
۱۴۲-۲۶۲-
ذہنی غلامی ۳۳۴
رابن، پروفیسر ۱۸۸
رابغ (م) ۲۴۹-۳۵۹
-۳۶۵
رابیہ (م) ۴۵
راحت اللہ خاں ۲۱۰
راس اسید (م) ۲۵۴
راک فیلر ۳۵

راہب ۶۰-۷۰-۲۲۴
رائشی ۲۳۱
ربیعہ (ق) ۴۵-۹۴-
-۴۰۴
رجب مضر ۳۳۸
رحلۃ الشتاء والصیف ۲۶۰
رعمسیس زغون ۳۰-
-۳۱۱
رعین (م) ۱۲۵
رفادہ ٹیکس ۲۵۹
رفادہ بن زید بنادق
۳۷۷
رکارڈ آفس دسرکاری
کاغذات ۱۹۹
رکانہ پہلوان ۱۰۳
رمزینہ ۳۳۹
رکوس ۳۵۷
روس ۲۳۱
روم - رومہ (م - ق)
۲۸-۳۱-۳۴-۴۴
۱۱۵-۱۲۲-۲۰۴-

Marfat.com

۲۳۳ تا ۲۳۴ - ۲۳۸ - ۲۴۰
۲۴۶ - ۲۶۰ تا ۲۶۱ - ۲۶۵
۲۸۳ - ۴۲۱ نیز بیزنطینی
رومی (دم) ۱۴۴
رہن ۳۸۹ - ۳۹۰
ریحانہ قریش ۴۲
ریشم ۱۴۸ - ۲۶۲
ریو - ۲۰۳
زبانیں سیکھنے کا معجزہ ۲۳۲۵
زبیدہ (دم) ۶۵
زبیر بن عبدالمطلب ۶۴ -
۶۵ -
زبیر بن العوام ۹۸ - ۱۰۱
زراعت ۳۲۶
زکات (۸۱) - ۳۵۰ -
۳۶۶ - ۳۷۰ - ۳۷۴ تا ۷۷
۳۸۰ - ۳۸۶ تا ۸۷ -
۳۹۴ تا ۹۵ - ۴۰۰ -
۴۰۹ - ۴۳۰ - ۴۳۲
زمین دوندا سنہ ۳۴۱
زنا - زانی - ۸۶ - ۱۵۰

۲۵۱ - ۳۸۶ تا ۸۷ - ۴۴۰
زنبور (دم) ۱۴۵ -
زبیرہ ۹۸ - ۱۱۳ -
دوناراس مورخ ۲۵۰
زہر خورانی ۳۴۳
زہرہ - بنی (ق) ۶۶ -
۸۲ -
زہیر بن حاطب ۳۹۴
زید بن حارثہ ۹۷ - ۲۶۹
۲۷۸ - ۴۲۹ -
زینب بنت جحش ۴۱۱
زینب بنت خزیمہ ۴۱۰
زیور ۱۴۳
ساجوس ۲۸۰
سان ماری نو (دم) ۴۵۰
سانپ ۸۱ - ۸۲
ساؤل ۳۰۹ - ۳۵۳
نیز طالوت -
سبا (دم) ۱۴۴
سجاح تمیمہ ۳۹۸ - ۳۹۹
سیدماسب (دم) ۳۵۶

سرخنڈانا ۶۳
شرقی - کتاب - ۱۴
سرکاری امداد غلامان -
۳۵۶ ح
سعد بن ابی وقاص ۶۰
۹۸ - ۱۲۸ -
سعدیٰ بنت کریز ۱۱۱
سعید بن زید ۱۰۱
سفارت - سفیر - ۳۹ -
۱۳ - ۱۲۳ - ۱۴۸ -
۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۶ -
۱۷۸ - ۲۰۶ - ۲۲۱ -
۲۵۹ - ۲۶۱ ح ۲۸۰
۲۸۴ - ۳۹۷ -
سفیر کا قتل ۲۶۹
سقیفۂ بنی ساعدہ [illegible]
سکران مرتد ۱۱۳
سکندر اعظم ۱۷ - ۵۲ -
۳۲۲ -
سکین (دم) ۱۷۹
سلمان فارسی ۲۷۶ - ۳۹۲

سلیم۔ بنو (ق) ۲۱۱
سلیمانؑ ۲۰۹۔۳۱۲۔
۳۱۹۔
ساجی بیہ ۳۴۲
سارہ (م) ۲۹۳
سموأل بن عادیا ۲۴۶۔۳۴۳۔
۳۵۳۔
سمرقند ۲۸۔۴۴
سنسکرت زبان ۴۸
سنگھارگی ۳۵
سواع ۲۷۵۔۳۴۸۔
۳۴۴۔
سوت کاتنا ۲۷۲
سُود ۸۳۔۲۸۰۔۳۳۵۔
۳۴۵۔۳۷۶۔۳۸۶۔
۳۸۸ تا ۹۱۔۴۰۳ تا
۲۱۔۴۳۷۔
سودہ ۱۱۳۔۱۱۴
سوق بنو قینقاع ۳۲۹
سونا ۲۶۱
سوتی کانوارہ ۲۹
سویڈن (م) ۲۳۴
سہم (ق) ۱۴۔۸۲
سُہیل بن عمرو ۱۲۸
سیپ ۳۷۔۳۶۲
سیتی بادشاہ ۳۰۸
سیرین ۲۱۳۔۲۱۴ح
نیز شیریں۔
سیفر بادشاہ ۵۲
سیسو سترس۔ فرعون۔
۳۰۸ح
سیسہ ۱۴۵
سیف الدین قلیچ ۲۴۴
سیف اللہ ۲۰۴ نیز خالد بن
الولید۔
سینا۔ جزیرہ نما ۷۲
سینٹ پاول ۲۵۵۔۲۵۶ح
شادی ۷۳
شاعر شاعری ۲۵۔۴۳۔
۲۸۸
شام (م) ۱۸۔ نیز بہ کثرت
مابعد
شب خون ۲۷۳
شراب ۵۵۔۶۰۔
۱۵۰ح ۱۷۸۔۳۸۶۔
۳۹۱۔
شرحبیل بن عمرو ۲۶۹
شرق الادن ۴۹ نیز اردن
شعب ابی طالب (م) ۱۱۴
شعبان (م) ۱۴۵
شعیبؑ ۳۱۵
شعیبہ (م) ۷۲۔۸۱
شفا بنت عبداللہ ۱۱۳
شکار ۳۸۸
شکرانہ ۳۴۱
شمخ۔ بنی (ق) ۳۶۸
شمیسی (م) ۱۳۲۔
شمخ۔ بنی (م) ۳۶۵
شونہ کانوازہ ۲۹
شوطان ۱۴۵
شہدا کا قبرستان ۱۴۳
شہری مملکت ۳۷۔۳۹
۲۵۹۔۲۶۵۔۳۵۸

شیرویہ ۲۹۷ - ۲۹۹ - ۳۰۰ -
شیریں ۲۱۴ - ۲۱۲ - ۲۱۳
نیز سیریں -
شطیمہ ۲۶۶ - ۲۶۸
شیبار ۵۴ - ۵۹
صابی ۳۰ - ۳۳ - ۲۶۴ تا ۲۶۸
صالح ۳۱۵
صحرا ۲۸۰
صدقات ۴۳۲
صدیق اکبر ۴۰۸ - ۴۲۰
نیز ابوبکر
صرد بن عبداللہ الازدی
۳۹۲ تا ۳۹۵
صرف خاص نبوی ۴۴۳
صفا پہاڑ ۴۶ - ۱۰۰
صفوان بن امیہ ۱۴۱
صفیہ (دو مختلف افراد)
۲۷۵ - ۳۴۳ - ۴۱۲
صلاح الدین ایوبی سلطان
۴۳۱ -

صلیب مقدس ۴۳۶ -
۴۴۰ تا ۴۴۱
صلیبی لڑائیاں ۴۱۵
صنعا (م) ۱۴۴ - ۴۶۱
صوبائی [illegible] ۳۵۰
صہیب رومی ۳۱۸
ضبطی کشتیاں ۲۶۲
ضبور آل جبلہ ۳۹۳
ضجنان (ق) ۲۵۶ تا ۲۵۸
- ۲۸۸ -
ضعف (م) ۱۴۲
ضمرہ (رسول اللہ کا رضاعی
بھائی) ۵۳
ضمرہ (بنی) (ق) ۱۱۶ - ۱۲۲ تا
۳۳ - ۳۵۸ - ۳۶۰ - ۳۶۲
تا ۹۲ - ۳۶۲ - ۳۶۹ -
طابہ (م) ۳۲۵ نیز مدینہ
منورہ - طیبہ
طالوت بادشاہ ۳۰۹ - ۳۵۳
نیز ساول
طاہر بن الرسول ۴۸

طاہرہ نیز خدیجۃ الکبریٰ
طائف (م) ۲۳ - ۳۷ تا
۳۸ - ۵۰ - ۹۹ - ۱۰۴
۱۴۱ - ۲۹۱ - ۳۱۹ -
عامر بن صعصعہ (ق)
۱۴۴ -
عامر بن الطفیل ۹۹
عامر بن بکر (ق) ۳۷۰ -
۳۷۱ -
عامر بن فہیرہ ۸
عامر بن لوی (ق) ۱۱۴
عام الحزن ۹۷ - ۱۱۴
عبا ۷۶
عبادہ [illegible]
العباس بن عبدالمطلب
۱۴۱ [illegible]
عبد [illegible]
عبد بن عدی (ق) ۳۷۶
عبدالدار (ق) ۶۲ - ۶۳
عبدالرحمن بن عوف ۹۸
۱۲۸ - ۲۶۲ - ۳۷۹ -

(بقیہ [illegible])

Marfat.com

عبد شمس ۴۱ - ۲۶۰
عبد العزیٰ بن الرسولؐ
۲۷۸
عبد العزیٰ (ق) ۴۱
عبد القیس (ق) ۴۱-۲۹۴
عبد المطلب ۴۲-۴۸-۹۴
۵۷-۶۰-۶۶-۳۶۴
عبد مناف ۲۶۰-۲۶۱
عبد اللہ بن جحش ۲۲۰
" بن جدعان ۶۵-۶۶
— بن جہم ۱۸۰
" بن حذافہ السہمی ۲۹۶
" بن الحمار ۷۱
— بن الرسولؐ ۴۸
" بن سعد ۱۷۴ تا ۱۷۶،
۱۷۹ -
" بن سہیل ۱۲۸
" بن عبد المطلب ۴۸ -
۴۹ - ۵۸ - ۳۱۶۔
عبد المجید خان سلطان
۲۱۷ -

عبد الملک بن سعید ۲۴۴
عبد مناف ۴۱ - ۴۲ - ۴۸
عبید اللہ بن جحش مرتد ۱۱۳
عبرانی زبان وخط ۲۷۲، ۲۷۴ تا ۳۴۸
عبید بن کعب ۳۹۸
عتبہ ۱۰۱
عتیق بن عائذ مخزومی ۷۳،
عثمان بن عفان ۴۲-۹۸
۱۰۱ - ۱۱۱ - ۱۲۴ - ۱۷۲ تا
۱۷۴ - ۱۹۷ - ۲۸۴
عثمان بن طلحہ ۴۱
عثمان بن العاص ۳۹۱
عداس نصرانی ۱۰۹
عدالتی اقتدار ۲۸۴
عدار بن خالد ۳۷۱
عدن (م) ۱۴۸
عدنان ۴۰۴ تا ۵
عدی، بنی عدی (ق) ۴۱،
۸۴ - ۱۱۴ -
عذرہ (ق) ۳۴۴ تا ۳۶۶
عراف ۳۰۹ نیز قیافہ شناس

عراق (م) ۳۷ - نیز بکثرت
مابعد۔
عرب (م) ۳۳ نیز بہ کثرت
مابعد۔
عرب دستاویز ۲۸۴ تا ۲۸۵
عربی زبان ۱۸۰ - ۳۸ -
۲۸۴ -
عرفات (م) ۵۴ - ۶۴ -
۸۸ - ۳۹۴ - ۴۳۶
عرقوب ۳۵۲
عروہ بن مسعود ثقفی ۳۹۲
عروہ ۲۹۹ - ۳۰۳ -
عرینیہ - بنی (ق) ۳۳۹
عریف ۳۸۵
عزیز مصر ۳۰۸
عشار - ۲۶۵ نیز ماکس
درآمد - محصول -
عشر ۶۳ - ۲۵۹ - ۳۸۸
عصمت ۲۸۸
عطر - ۶۸ - ۶۶ - ۷۷
۱۴۸ - نیز خلوق

عقاب ۸۲
عقبہ۔ بیعت ۱۰۰۔۱۰۲۔۱۰۴
تا ۶۔ ۱۱۱۔ ۳۰۹۔ ۳۲۶
۔۳۵۷
عقبہ (م) ۱۷۱۔ ۲۶۳
۳۴۶۔ نیز ایلہ۔
عقد ثانیہ ۱۶۳
العقیق۔ وادی ۳۲۵
عقیل بن ابی طالب ۴۹
عکاظ (م) ۴۳۔ ۵۹
۶۰۔ ۱۴۳۔ ۳۰۶۔ ۳۵۶
۳۸۸ تا ۸۹۔
علاج ۶۰
العلاء بن الحضرمی ۴۵
علوہ (م) ۱۷۴۔ ۱۷۷
علی بن ابی طالب ۸۰۔ ۹۷
۱۲۸۔ ۱۶۶۔ ۲۷۴۔
۲۷۶ تا ۷۸۔ ۳۴۳۔
۳۴۷۔ ۳۷۱
علی غزنوی ۴۴۹
عمار بن یاسر ۲۷۶

عمالقہ (ق) ۳۰۹۔ ۳۵۲ ح
عمان (م) ۳۷۔ ۴۴۔ ۵۱
۱۲۲۔ ۱۳۷۔ ۱۵۱۔
۲۰۲۔ ۲۶۳۔ ۲۷۰
۲۹۰۔ ۲۹۳۔ ۳۰۶
۳۰۹۔ ۳۹۹۔ ۴۴۷۔
عمر کی قید ۲۵۹
عمر بن الخطاب ۴۱۔ ۴۲
۸۹۔ ۱۰۳۔ ۱۰۵۔ ۱۱۳
۱۲۲۔ ۱۲۴۔ ۱۷۲۔
۲۷۷۔ ۲۸۳۔ ۳۴۸۔
۳۵۶ ح۔ ۳۷۰۔ ۴۴۴
نیز فاروق
عمران ۳۲۲
عمرو بن اسد ۷۶۔ ۷۷
" بن حزم ۱۹۹
" بن سعید بن العاص ۳۴۴
" بن شرجیل ۱۷۸
" بن العاص ۷۲۔ ۱۵۹
۱۷۲ تا ۷۳۔ ۲۴۲۔ ۲۶۴
۲۶۹۔ ۳۴۸۔

" بن عبد مناف ۴۴ نیز
ہاشم
" بن مرثد۔ بنی (ق)
۴۵
" بن معبد الجہنی ۳۶۶
" بن ہمیس ۱۴
عمرہ ۱۲۴ تا ۲۶۔ ۳۷۴
نیز حج
عمیرہ ۱۰۵ تا ۶
عورت ۱۰۸۔ ۲۱۵
۲۷۴۔ ۳۲۸۔ ۳۳۹
۳۸۵۔ ۴۳۳۔ ۴۳۹
عوسجہ بن حرملہ الجہنی ۳۶۵
عیادت ۳۳۹
عیذاب (م) ۱۷۹ نیز
پورٹ سوڈان
عیسائی۔ [illegible]
۳۱۔ ۳۲۔ ۱۴۲۔ ۲۵۷
۔۲۶۲
عیسیٰ ۱۵۔ ۲۱۔ ۴۳۔
۳۶۔ ۴۸۔ ۱۵۳۔ ۱۵۸ تا

۱۴۸ - ۱۶۳ - ۱۸۶ - ۱۹۰
۱۹۱ - ۲۱۴ - ۲۲۴ تا
۳۲۶ - ۳۳۶ - ۳۵۱
۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۲۵
غُمیص - (م) ۳۵۹
غُبیراء شراب ۳۹۱
غدیر الاشطاط (م) ۳۷۵
غدیر خم - ۳۷۵ ح
غنا - ۲۸۶
غزّہ (م) ۷۲
غزیہ ۱۱۰ -
غسّان (ق) ۱۴۶ - ۲۵۶
تا ۲۵۷ - ۲۶۰ - ۲۶۹ -
۲۸۳ - ۲۸۷ تا ۸۸
غطفان (ق) ۱۱۸ تا ۱۹
۱۳۴ - ۱۳۶ - ۲۶۶ -
۳۳۴ - ۳۴۰ - ۳۵۸
۳۷۰ - ۳۹۹ -
غفار - بنی (ق) ۶۷ - ۳ تا
۶۸ نیز ابوذر غفاری
غلام ۱۷۵ تا ۱۷۸ - ۱۸۰ تا
۸۱ - ۲۷۳ تا ۷۵ -
۳۳۸ - ۳۴۷ - ۳۵۶ ح
۳۸۹ - ۴۲۱ - ۴۲۴
نیز سرکاری امداد غلامان
غلام کا اسلام موجب آزادی
۳۳۱
غلام کی فروخت کا دستاویز
۳۷۱ -
غلاملی - خانزادہ ۴۱۹
غلّہ - ۲۸ - ۶۸ - ۸۰
۱۳۴ - ۱۶۸ - ۲۶۱ -
۳۷۸ - ۳۹۶
غنیمت ۳۳۸ - ۳۶۶
۳۷۷ -
غیب دانی ۲۰۵ - ۳۰۹
غیر مسلم سفیر نبوی ۱۷۳
غیلان بن سلمہ ثقفی ۳۹۲
فاران پہاڑ - ۸۸
فاروق ۲۰۴ نیز عمر بن الخطاب
فاطمہ بنت الخطاب ۱۱۵
فاطمہ الزہرا ۳۴۳
فاطمی خانزادہ وحیدہ ۲۷۸
- ۳۴۹
فانش (م) ۱۴۵
فترت وحی ۹۳ - ۹۷
فجار - جنگ ۶۳ - ۶۵
فدک (م) ۳۰۹ - ۳۴۴
فدیہ ۳۹۱
فرانس (م) ۲۰۴ - ۲۴۶
فرزند اکبر کی پیدائش ۴۳۱
فرشتہ ۸۴ - ۹۱
فُرع (م) ۳۶۹
فرعون ۳۰۸ - ۳۱۱ تا
۳۱۲ - ۳۱۵ نیز رعمیس -
فزارہ (ق) ۱۱۸ - ۳۳۴
- ۳۴۰
فصیل ۲۹۰ - ۳۹۲
فقیم - بنی (ق) ۳۰۲
فلسطین (م) ۱۸ - ۴۳
۵۱ - ۶۸ تا ۷۰ - ۱۵۱ -
۱۵۷ - ۱۶۰ - ۱۹۱ -
۱۹۶ - ۲۰۲ - ۲۴۴ -

Marfat.com

۲۵۶ - ۲۴۴ تا ۹۲ -
۲۹۹ - ۳۶۱ - ۳۶۶
۲۸۰ - ۲۸۳ - ۲۸۹ -
۳۰۸ - ۳۱۰ - ۳۲۰
۳۲۰ - ۳۹۹ - ۴۰۹
فوجِ قاہرہ ۱۷۱ -
فوجی مخزن ۱۴۲ -
فینیق (ق) ۲۵۹
قابیل ۲۶۹ نیز قائن
قاسم بن الرسولؐ ۶۶
قاہرہ (م) ۲۰۴ - ۲۰۹
- ۲۱۶
قائن ۲۶۹ نیز قابیل
قبرستان ۳۶۹
قبطی (ق) ۲۰۵ - ۲۰۸
- ۲۱۵
قبلہ ۲۳۱ - ۴۰۷ تا ۴۰۸
قبلیہ (م) ۳۶۹
قبیل (م) ۳۶۹
قتل انبیاء ۳۰۹ - ۳۳۶
نیز انبیاء

قتل عمر ۲۶۵ - ۴۳۸
قحط ۸۶ - ۱۲۱ - ۱۴۴
تا ۳۵۱
قحطان (م) ۴۰۴ تا ۴۰۵
قرآن مجید ۱۵ - ۱۸۱ - ۱۹۳
- ۱۹۷
قرآن مجید کی نقالی ۳۹۸
قربانی ۱۲۸
قرض ۳۸۸ - ۳۹۱
- ۴۳۰
ـــ جلا وطن کیے جانے
والے کا ۳۴۳
ـــ کا ادا نہ کیا جا سکنا
۴۳۰
قرعہ ۴۰
قریش (ق) ۳۷ نیز بابعد
بہ کثرت
قریظہ۔ بنی (ق) ۲۹ - ۳ تا
۳۰ - ۳۲۴ - ۳۲۷ تا
- ۳۹
قسطنطیہ (م) ۳۱ - ۳۲

۳۴ - ۱۱۹ - ۱۴۳ -
۲۲۳ - ۲۳۴ - ۲۴۶ تا
۲۴۷ - ۲۵۰ - ۲۶۳ -
۴۱۷ - ۴۲۷
قسطلہ (م) ۲۴۴
قسم و حلف ۸۳
قصاص ۳۵۲
قصیٰ ۳۹ - ۴۱ - ۴۲
۴۵ - ۲۵۸ تا ۵۹
قضاعہ (ق) ۲۵۷ تا
۵۸ - ۲۶۹ - ۳۶۵
تا ۴۶ -
قطن بن خارجہ ۳۸۰
قلاوون بادشاہ ۲۴۴
قلعہ ۲۶۷ - ۲۹۰ -
نیز فصیل
قلبسی، عبدہ ...
- ۳۰...
قلیدروث بادشاہ
- ۱۷۳
قلیس دیگر جا ۱۴۳ —

۱۴۶ تا ۱۴۸ -
قناطر الکلبی ۳۷۸
قیافہ شناس ۲۸ ح
تیز عراف
قیروس ۲۱۵
قیس بن السائب ۶۹
قیصر روم - ۴۲ - نیز بہ کثرت
مابعد - نیز ہرقل
قیصر ہند - ۲۵۸
قین ۲۵۷
قینقاع، بنی (ق) ۱۱۷ -
۳۲۷ تا ۳۳۱ - ۳۳۸ -
۳۴۳
کاتب کا نام خط میں ۲۲۲
کاٹھیاوار (م) ۳۰
کاغذ - ۲۸
کارواں - ۳۸ - ۴۰
۴۴ - ۴۷ - ۶۸ - ۶۹
۷۰ - ۱۱۷ تا ۱۱۸ - ۱۲۵ -
۱۴۸ - ۱۵۰ - ۱۷۲ - ۲۳۳
۲۶۰ - ۲۶۶ - ۳۱۰ -

۳۳۷ - ۳۵۹ تا ۳۶۰
۳۷۰ تا ۷۱ - ۳۷۸ -
۳۹۷ -
کالا جنگل (م) ۳۵
کالسی دون (م) ۲۸۲
کان کاٹنا - بطور سزا
۲۸۲
کاہی - معدنی ۳۶۹
کانٹی لو ۱۹۶
کانجی ورم (م) ۳۱
کاوٹلیا ۱۲ - ۲۱۷
کاہن ۳۰۹
کبیسہ سال - ۸۴ - ۲۴۰ -
۳۰۱ تا ۲ - ۴ - ۳۰۴ -
۳۰۶ تا ۷ - ۳۳۸
کپڑا - ۱۷۸ - ۲۷۳ تا
۲۷۵ - ۲۷۷ - ۳۴۷ -
۳۴۹ -
کتائی - سوت کی ۲۷۳
۳۴۷ -

کتبہ - ۱۸۵ - ۳۲۵
۳۶۹ -
کدار - قصر ۱۴۵
کسریٰ ۱۰۳ - ۲۶۰
۲۶۵ - ۲۸۸ - ۲۹۰
۲۹۳ تا ۴ - ۲۹۶ تا
۲۹۷ - ۳۰۴ - ۳۵۶ -
۳۹۷ -
کشتی لڑنا - ۱۰۲
کشتی جہاز ۷۲ - ۱۳۱
۱۶۳ - ۱۶۶ - ۲۶۲
۲۷۳ -
کشمیر (م) ۴۴ - ۴۸
کعب بن الاشرف ۳۳۱
تا ۳۳ -
کعب بن لؤی ۴۱
کعبہ - ۳۹ - ۴۰ -
۴۵ - ۴۶ - ۴۸ ح
۶۰ - ۶۴ - ۸۰ تا ۸۶ تا
۸۸ - ۹۰ - ۱۰۰ - ۱۴۳

Marfat.com

۳-۱۲۰ تا ۲۲-۱۳۸-
۱۴۷-۳۱۶-۳۳۱-۳۴۷
کُلاب (ق) ۴۱-۴۴-۳۷۴-
۴۱۱-
کلب (ق) ۴۵-۲۵۷-
۲۶۷-۳۷۸ تا ۸۰-۴۱۱-
کمال آفندی ۲۲۵-
کمال الدین خواجہ ۲۳۱-
کنانہ بن الربیع ۳۴۳-
کِندہ (ق) ۱۴۴ تا ۴۵
۴۱۱-
کنز (خزانۂ بلدیہ)
۳۲۵-۳۴۳
کنعان (م) ۳۰۸
کنفوشیوس ۱۶- ۲۹-
۳۰-۴۱۷-
کنون بن عبدالعزیز بادشاہ
۱۸۰ تا ۱۸۱
کوّا ۴۱۸
کوفہ (م) ۲۲۱- ۲۵۵-
۲۸۷- ۳۸۱
کونگ فوت سیو ۲۹
کوئلہ ۲۸-
کھال ۱۲۱- ۲۱۸-
۲۶۱ نیز جھلی چمڑا- پوست
کھجور ۱۲۱- ۱۳۴-
۲۶۱-۲۷۳-۳۴۰
کھدائی کے آلات ۳۳۷
کہف، اصحاب ۳۲۱ نیز
اصحاب کہف
کیمبرج (م) ۱۸
گانا بجانا- ۵۷- ۷۷-
۳۳۳-
گاندھی ۱۸
گائے ۷۶- ۱۸۰
گجرات (م) ۳۰
گدھا ۳۴۳
گرجا ۸۱-۱۷۳- نیز قلیس
گریجن تیوس پادری ۱۴۳
۲۶۳-
گلاسگو ۱۸۲- ۱۸۸-
۱۹۸-
گلگامیش ۳۲۲
گنیزہ ۲۷۳-۲۷۴
۳۴۸ تا ۴۹
گوبی، صحرائے (م) ۳۵
گوتم بدھ ۱۴- ۱۶-۱۷-
۳۰-۳۱۶ نیز بدھ مت
گوشت (قدید) ۵۵
گوند ۱۵۰
گونگا ۴۱۸
گھُڑدھانا- ۲۸۲
گھوڑا ۳۶-۳۷۰-۲۷۵
۳۳۸-۳۴۸
گھی- ۱۵
لاش، فرعون کی ۳۰۸
لباس ۸۴-۳۴۲-۳۴۸

Marfat.com

لبینہ ۹۸-۱۱۳
لخم-لخمی (ق) ۲۵۷-
۲۶۹-۲۸۶ تا ۸۸
لقیط بن مالک ۳۹۹
لکھنا پڑھنا-۴۳-۱۱۱-۱۱۳
لکڑی ۸۱-۱۴۵
لکڑی کا خیمہ ۳۳۴
لنچنگ (درندوں کو مار ڈالنا) ۲۱۸
لندن (م) ۱۵۷-۱۷۱-
۱۸۲-۱۸۵ تا ۸۶
لوبان ۱۵۰
لوط ۳۱۵
لونڈیاں ۲۱۳
لوہا ۲۸-۸۱
لے شنسکی ۲۰۷-۳۴۹
لیۃ (م) ۳۸۹
مادرانہ معاشرہ ۱۷۹
مارب (م) ۱۴۴ تا ۴۶
-۲۵۶

مارگولیوث ۱۵۶-۱۸۵ تا
۸۶-۱۸۸-۲۱۰-
ماریہ قبطیہ ۲۱۴-۴۱۲
مارکس-عہدہ ۲۶۵ نیز
عشّار
مالک-بنی (ق) ۳۹۰
مالک بن احمر الہمدانی ۳۷۷
مالوہ (م) ۳۰
مامون خلیفہ ۱۸۰-۳۴۹
ماں کا درجہ ۴۳۳
مانوفزائٹ فرقہ ۲۱۴ نیز
طبیعت واحدہ
متعہ ۳۴۳
متوکل خلیفہ ۱۸۱-۳۴۹
مثنّیٰ شیبانی ۲۸۹-
مجرم جنگ ۲۳۸-۲۵۰
مجدی بن عمرو ۶۳ تا ۶۵
مجنّہ (م) ۱۰۴-۳۰۹-۳۵۰
مجوس مجوسیت ۲۸۰-۲۹۵
-۳۵۰

مچھلی ۲۷۳-۳۲۲
محافظ دستہ ۱۶۲ نیز
خفارہ-بدرقہ-
محصول (درآمد وغیرہ)
۲۵۶-۲۵۹
محمد غزنوی ۴۴۹
محمود بن مسلمہ ۱۲۸
محمود غزنوی ۴۱۹-۴۴۹
محمود ہاشمی-۱۴۷-۲
مخزوم، بنی (ق) ۴۲۱
۸۲-۴۱۱
مخشی بن عمرو ۳۶۰
مدائن (م) ۲۸۸ تا ۸۹
۲۹۳-۲۹۶ تا ۹۷-
۳۰۶-۴۱۷
مدراس (م) ۲۰۸-
مُدلج (ق) ۱۱۷-۲۴۸
۱۳۲-۳۶۳
مدینہ منورہ (م) ۴۳ نیز

بہ کثرت مابعد نیز طابت طیبہ
مراد (ق) ۳۹۸-
مراکش (م) ۲۲۵ تا ۴۲
مرباع ۳۶۶ح -
مرتد ۲۷۹ نیز ارتداد-
مرثد- ۱۴۴
مرجزت ۱۴۵
مرحب ۳۴۱
مرزبان ۲۹۰
مرغی ۴۰۴
مردہ پہاڑ ۴۶
مرّہ (ق) ۴۱-۱۴۴
مریم ۴۶-۸۴-۱۵۳-۱۵۸-
-۱۶۰
مریم ۲۱۴ح نیز ماریہ قبطیہ
مزدک- مزدکیت ۳۲-
۲۸۸-۴۲۹
مزدور جماعت ۴۳۲
مزینہ (ق) ۳۶۹
مساوات ۴۳۲

مسجد ۱۷۳-۱۷۶ تا ۱۷۷-۱۸۱-
-۳۴۸
مسجد عُریض ۳۳۹
مسجد فضیخ ۳۳۴
مسعود غزنوی ۴۴۹
مسلمہ بن حبیب ۳۹۷ نیز
مُسیلمہ کذاب-
مسیح- مسیحا ۳۲-۶۲-۹۳
۱۷۸-۳۱۰
مُسیلمہ کذاب ۳۹۷ تا ۹۹
مشابہ عمد، قتل- ۴۳۸
مشترک حکمران ۴۴۷ تا ۴۵۰
ـــ حلیف ۳۵۹-۳۶۳
ـــ خلیفہ ۴۴۵
مُشقّر (م) ۴۵-۷۱
مصر (م) ۷ ۲ نیز بہ کثرت مابعد
المصطلق- بنی (ق) ۳۷۲
-۴۱۱
مُضر (ق) ۴۵-۶۴-۴۰۴-
-۴۳۸
المطلب- بنی (ق) ۴۹
المطلب ۲۶۰

مُعاذ بن جبل ۲۷۳ح
معاش- معاشی دباؤ ۲۳۳
۳۵۹-۳۸۶-
معاقل ۴۳۲ نیز بیمہ
معان (م) ۲۵۷-۲۶۹ح
۲۷۱-۲۸۳-
معاویہ بن ابی سفیان ۲۸۳-
-۳۷۰
معاہداتی بھائی ۴۱۴ نیز مولا
معاہدۂ معاشری ۳۵۷
معاہر (م) ۱۴۵
معدی کرب بن سمیفع ۱۴۴-
معلقات- سبع ۴۳
مغیرہ بن شعبہ ۳۹۲
مقاتل- ۲۵۷
مقاطعہ [illegible]
مقام ابراہیم [illegible] ۴۳۸ح
مقنا (م) ۱۱۸-[illegible]
۲۷۰-۲۷۲ تا ۲۷۷-۳۳۵ تا [illegible]
مقوقس ۱۸۲-۱۸۵-۱۹۰-

Marfat.com

۱۹۷-۲۰۰-۲۰۷ تا ۱۰-۲۱۳
تا ۱۵-۲۱۷-۲۲۲-۲۲۵-
-۲۳۱
مقیم عام ۲۴۶
مکاتبت غلاماں ۳۵۶ نیز غلام
مکتوب نبوی ۲۴-۱۵۳ تا ۱۸۲
۱۸۵-۲۱۶-۲۹۳-۴۰۱
مکرز بن حفص ۱۲۸
مکۂ معظمہ (م) ۳۳ نیز بہ کثرت
مابعد نیز ام القریٰ
ملاحی-۲۸۶ نیز کشتی
ملاعب الاسنہ ۶۴
ملیبار (م) ۴۰۷
مملوک- ممالیک خانوادہ
۲۴۴-۳۱۹
منا-منیٰ (م) ۶۴-۸۸-
۱۰۴-۱۰۶-۳۰۴-۳۰۹-
۳۱۶-۳۷۲
مناظر احسن گیلانی ۶۴-۶۷-۴۵۰
منجنیق ۱۷۳-۲۹۱-۳۴۱
۳۹۲ تا ۹۳-

منذر بن ساوی ۱۴۶-۱۸۲
۱۸۵-۱۹۰-۱۹۶ تا ۹۷-۲۰۰
۲۰۳-۲۲۲-۲۲۸-۲۲۷ تا
۲۸-۲۹۳-۳۵۰-۳۰۸-
مواخات ۳۵۸
موالات ۱۶۶ نیز مولا-
موبرگ ۳۰۷-
موتہ (م) ۱۹۱-۲۱۴-
۲۴۳-۲۶۹-۲۷۸-
مودود غزنوی ۴۴۹-
موذن ۱۷۰-۱۷۱ نیز بلال
موسیٰ ۱۵-۹۳-۳۰۸-۳۱۱
تا ۱۳۱-۳۱۵ تا ۱۶-۳۱۸-
۳۲۱ تا ۲۲-۳۵۲-۴۱۲
-۴۲۶
موصل (م) ۳۱
مولا بنانا ۱۴۴ نیز موالات
معاہداتی بھائی
مہابھارت ۴۱۷
مہاجرین ۳۵۹-۴۴۳

مہاجرین حبشہ ۳۳
مہذب وحشی (۱۸)
مہر ۱۹۶-۲۰۹-۲۱۲-۲۲۰
تا ۲۱۱-۳۸۱-۴۲۸ نیز ناخن
کی مہر-
مہرہ (م) ۴۵-۱۳۹
میامون بادشاہ ۳۰۸ ح
میسرہ ۷۰
میلہ-۵۹-۱۵۰-۳۵۶
۳۷۸ نیز تاجر
میمونہ بنت الحارث ۴۱۰
تا ۱۱-
میوہ ۶۸
نابغہ ۵۵
ناخن کی مہر ۲۲۱-۲۶۸-
۳۸۱-
ناشتہ رسول اللہ کا بچپن میں
الناصر لدین اللہ الموحدی
۲۵۳-
ناظر فراری ۲۵۷
ناف زمین ۳۴-۳۸-۱۱۵
۲۳۳

Marfat.com

ناک کاٹنا ۲۸۲
نامہ نگار ۱۳۷
نائلہ ۸۶
نبطی (ق) ۲۶۶
نبی اُمّی ۳۱۳
نبی موعود ۳۲۶ تا ۲۷
نبی علاوہ بادشاہ کے ۳۵۲
نبیذ (شراب) ۳۹۱
نپولین ۱۷ - ۳۵
النجار - بنی (ق) ۵۵
نجاشی ۲۷ نیز بہ کثرت مابعد
نیز اصحم
نجد - (م) ۴۵-۱۱۷-۱۳۳-
۱۴۴-۳۳۸-۳۹۶-
نجران (ق) ۱۳۹ تا ۴۱-
۱۴۳-۲۶۱ تا ۶۲-۳۹۸-
نجومی - ۵۹
نراج ۴۴۳
نربداندی ۳۰

نرس ۱۱۲
نسطورا، راہب ۷۰
نسلی مذہب ۴۲۵
نسئی ۳۰۶-۳۰۷ نیز کبیسہ گری
النضیر بنی (ق) ۱۱۷ تا ۱۸-
۳۳۰ تا ۳۴-۳۳۶-۳۳۸-
۳۴۳-
نعیم بن مسعود اشجعی ۳۷۱
نفیسہ ۷۵
نقفور - ۲۴۱
نقیب ۳۵۷
نکاح - نکاح بیگان
۳۳۶-۴۳۳
نماز ۹۹-۱۰۰-۳۷۷-
۳۸۶ تا ۸۷-۳۹۴-۴۳۲
نماز جنازۂ غائبانہ ۱۶۱
نوآبادیاں ۱۳۷
نمرود ۳۰۸
نواسہ وارث ہونا ۱۷۹
نیز مادرانہ معاشرہ

نوبہ - نوبیہ (ق) ۲۷ تا ۷۴
-۱۷۹
نوحؑ ۳۱۵
نور - جبل ۸۸-۱۳۰
نوشیرواں بادشاہ ۳۲
نوفل ۴۱-۲۶۰
نہدیہ ۹۸
نیپال (م) ۳۰
نیل - دریائے ۷۲-۱۷۹
نینویٰ (م) ۳۱-۱۲۲-
۲۰۲-۲۴۳-۲۹۳-۲۹۹
۳۰۰-۳۰۵-۳۹۷-
وادی القریٰ (م) ۱۱۸
۲۳۹-۳۰۹-۳۴۴ تا
۴۵-
وائی خانوادہ ۲۹
وتیر (م) ۳۷۳
وج (م) ۲۹۰-۳۸۸
نیز طائف
الوجہ (م) ۲۴۹
وحی ۹۰

Marfat.com

وراثت ۴۳۰-۴۳۲-۴۴۰-
ورقہ بن نوفل ۷۶-۸۷-۹۲-۱۰۹
وزیر ۳۹-۳۵۵
وسط ایشیا (م) ۳۰
وصیت ۴۳۰-۴۴۰-
وطنیت پسندی ۳۰۶
وظیفہ رقمی ۲۵۸
وعدہ ہائے رسول ۲۷۹
وقائع نگار ۲۴۳
الولید بن المغیرہ ۴۲
ولی عہد کی تعلیم ۲۰۸
ولیمہ ۷۷
ووخانوادہ ۲۹
وہرز ۲۸۹
ویانا (م) ۱۴۳-۲۴۳
وید کتاب ۱۴-۳۱۶-۴۱۷
وٹیٹ پروفیسر ۲۱۶ تا ۱۸
ہارونؑ ۳۱۸-۳۲۲-۳۴۶
ہاشم-بنی ہاشم ۴۱-۴۲-۴۴-۴۹-۱۴۹ تا ۱۵۰-۲۶۰-۴۰۴
ہاشم کی قبر ۷۲-
ہبل بت ۴۶
ہایلا سلاسی ۱۶۹
ہتیار- ۱۲۲-۱۵۰-۲۶۱-۲۷۳ تا ۷۵-۲۷۷-۳۴۸-۳۴۳-۳۴۷ تا ۳۴۸-۳۸۰
ہٹلر-۱۷-۳۲۰-
ہجر (م) ۲۹۰
ہجرت ۱۳۲-۱۵۲-۳۷۶- نیز مہاجرین
ہذلی ۵۹
ہراج ۳۳۸
ہرجانہ غائیت ۳۴۱
ہرش، راجہ ۳۰-۳۱
ہرقل ۳۱-۲۰۳-۲۳۴-۲۴۱ تا ۲۴۲-۲۴۴ تا ۲۴۷-۲۵۳-۲۷۰-۲۸۲-۲۹۹-۳۰۴
ہسیونگ نو ۲۹
ہصیص ۴۱
ہقّان ۱۴۴
ہمدان (ق) ۱۴۵
ہند-ہندوستان ۲۸-۳۰-۳۷-۳۴-۱۱۵-۱۴۸-۱۶۹-۱۸۶-۲۰۰-۲۰۹-۲۱۱-۲۵۴-۲۵۸-۲۶۲-۲۸۶-۳۷۸-۴۰۷-۴۲۱-۴۲۵-
ہند بن ابی ہالہ ۴۳-۷۳-۷۴
ہند بنت عتیق ۷۳
ہند بنت عوف ۴۱۱
ہند مذہب ۱۴
ہوازن (ق) ۳۷۴-۳۸۲ تا ۸۳-۳۸۵
ہودؑ ۳۱۵
ہوزہ بن علی ۳۹۰-۳۹۷-۳۹۹-
ہومر یونانی ۱۶-۱۷-

یثرب (م) ۳۰۹-۳۲۵
نیز مدینہ منورہ
یحنہ بن رؤبہ ۲۷۱
یرغمال ۱۸۰ تا ۸۱
یرولعام ۳۱۹
یزید ۱۴۵
۔۔ بن ابی سفیان
۳۴۵
۔۔ بن زمعہ ۴۱
۔۔ بن کبشہ ۱۴۴
یعقوبؑ ۳۰۸
یعقوبی عیسائی (جاکوبائٹ)
۲۸۳
یلغار ۲۳۹
یمامہ (م) ۱۲۱ تا ۲۲-
۱۳۴-۳۴۱-۳۹۶-
یمن (م) ۳۳-۳۷
۴۴-۵۱-۶۵-۱۲۲-
۱۳۹-۱۴۲-۱۴۴-
۱۴۷ تا ۴۸-۱۵۱-
۱۹۹-۲۰۲-۲۰۶-۲۴۱
۲۵۶-۲۵۸-۲۶۰
تا ۲۶۴-۲۸۹ تا ۹۰-
۲۹۳-۲۹۷-۳۰۴
تا ۵-۳۰۹-۳۱۴-
۳۵۱-۳۹۸-۴۱۰-
یمنات (م) ۱۴۴
ینبع-ینبوع (م) ۱۱۷
۱۳۲-۲۴۹-۳۶۹
یورپ (م) ۳۱-
۳۳ تا ۳۴-۳۷-۱۱۵
۱۴۹-۲۰۰-۲۱۵-
۲۵۴-۳۵۳-
یوسفؑ ۳۰۸
یوم الجماجم، جنگ ۱۹۹
یونان-یونانی (م-ق)
۳۱-۳۴-۳۸-۱۱۵
۱۶۰-۲۵۹-۴۲۱
یہود-یہودی (ق)
۱۰۵-۱۱۸-۱۲۰-۱۳۳
تا ۳۴-۱۳۶-۱۳۹
۱۹۱-۲۶۶-۲۷۲-
۲۷۶ تا ۷۸-۲۸۲-
۳۰۸ تا ۹-۴۲۵-
یہود کی نضیلت ۲۰-
یہودیت ۱۴۰-۲۶۲-

Marfat.com

صفحہ ۴۵۵ کا تتمہ

ام سلمہ ۴۱۲
ام سلیم بنت ملحان ۱۱۲
ام شریک دوسیہ ۱۱۱
ام عُبیس ۹۸
ام القریٰ (م) ۳۱۱ نیز مکہ
امانت داری ۲۸۹-۳۴۹-۴۴۷-
امریکا (م) ۴۲۰ تا ۴۵۰
امہات المومنین ۳۰۳
اُمہرہ (م) ۱۳۹
امیری ۳۴۳ - ۴۴۶
الامینؐ ۵۱-۶۹-۷۳-۸۳-۹۴-۱۵۱
امیہ ۴۱
— بنی (ق) ۴۱-۴۲-۴۹-۴۴-۲۱۱-
— بن المغیرہ ۸۳
انبا مارتوس - گرجا ۲۰۸
انبیا کا کردار ۳۱۸
انجیل میں حکم رجم ۳۵۱
انجیر ۳۰۴

صفحہ ۴۷۷ کا تتمہ

طائف ۳۱۴-۳۴۱-۳۴۵-۳۵۶-
۳۸۸-۳۹۲ تا ۳۹۴-۳۹۹
طائی یعنی عرب ۲۸۲
طبیب ۶۰
طبیعت واحدہ - فرقہ ۱۶۰-۲۱۴
طرابلس ۱۸
طلاق ۴۳۳
طلحہ بن عبید اللہ ۹۸
طلیحہ بن خویلد ۳۹۹
طوفان نوحؑ ۴۴۹
طیب بن الرسولؐ ۷۸
طیبہ (م) ۳۲۵ نیز طابت - مدینہ
طین خاتم ۲۱۹
طیئی (ق) ۴۵-۲۵۴-۲۸۶
عادل - تعداد ۱۲۵
عادیا - بنی (ق) ۳۴۶
عاریت مال ۳۴۱
عام الوفود ۳۹۴
عامر الجادر ۸۱
— بن ربیعہ بن الحارث ۴۴۷
— بن صعصعہ (ق) ۴۱۰

یہ کتاب ملنے کا پتہ :- "دار الاشاعت مولوی مسافرخانہ

Marfat.com